UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222819

UNIVERSAL
LIBRARY

حامداً ومصلیاً

کسی زبان میں فصیح و بلیغ کلام کرنے کے لئے محض اس زبان کے لغات یا صرف ونحو کا جان لینا کافی نہیں ہوتا اس سبب سے کہ علم لغت سے صرف الفاظ کے معنی معلوم ہو جاتے ہیں یا یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لفظ فصیح ہے یا غریب اور علم صرف سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ لفظ کو اس طرح استعمال کرنا قیاس لغوی کے مطابق ہے اور اس طرح استعمال کرنا قیاس لغوی کے مخالف ہے اور علم نحو سے ضعف تالیف اور تعقید لفظی کی کیفیت معلوم ہو جاتی ہے لیکن ان تینوں علموں سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ معنی مقصود کے ادا کرنے میں غلطی سے کیونکر بچیں اور اور نہ تعقید معنوی کا حال ظاہر ہو سکتا ہے اس لئے علماء نے معنی مقصود کے ادا کرنے میں خطا سے بچنے کے لئے علم معانی ایجاد کیا ہے اور تعقید معنوی جاننے کے لئے علم بیان نکالا ہے ان دونوں کو علم بلاغت کہتے ہیں۔

اکثر کلام فصیح و بلیغ میں کچھ صنائع لفظی و معنوی بھی پائے جاتے ہیں جو زیادہ تر خوبی کلام کا باعث ہوتے ہیں ان صنائع کو

ایک جگہ جمع کردینے کا نام علم بدیع رکھا گیا ہے۔
غرضکہ فصیح و بلیغ کلام کرنیکے لئے یا اُسکے جانچنے کے لئے کہ یہ کلام فصیح و بلیغ ہے یا نہیں علاوہ علم لغت و صرف و نحو کے علم معانی۔ علم بیان۔ علم بدیع کے جاننے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور نیز اون عیوب سے بھی واقف ہونے کی ضرورت ہوتی ہے جو فصاحت و بلاغت میں مخل ہوتے ہیں اردو میں صرف و نحو کی کتابیں تو کثرت سے ہیں جو اسکول کے درجوں کے نصاب میں داخل ہیں لیکن علم معانی و بدیع وغیرہ میں کوئی کتاب اب تک ایسی نظر سے نہیں گذری جو طالب علموں کے لئے مفید ہو اور اس وقت جبکہ اردو کالجوں اور یونیورسٹی کے درجوں میں آگئی ہے ایسی کتاب کی سخت ضرورت محسوس ہوئی لہذا میں نے یہ رسالہ جسکا نام مجمع الفوائد رکھا ہے انہیں علموں میں ترتیب دیکر اپنے خیال میں یہ ضرورت پوری کردی ہے۔
چونکہ میں نے ان علموں کے متعلق اپنے خیال میں کوئی جزو ضروری ترک نہیں کیا اس سبب سے یہہ رسالہ کسی قدر ضخیم ہوگیا ہے لہذا میں نے اس کے دو حصے کردئے ہیں یہہ پہلا حصہ ہے جس میں اقسام نظم و نثر و علم بیان و علم بدیع کا بیان ہے۔ دوسرے حصہ

میں علم معانی علم عروض علم قافیہ اور عیوب و اغلاط کلام کی بحث ہے۔
گو اس رسالے کی ترتیب میں میں نے ان علوم کی عربی اور فارسی اور اردو کی کتابوں سے مثل مطول اور مفتاح العلوم و تلخیص المفتاح و اعجاز خسروی و حدایق البلاغہ و اسرار البلاغت و معیار البلاغت و معیار الاشعار و شجرۃ العروض و روضۃ القوافی و افادات وغیرہ کے مدد لی ہے لیکن اس حصہ میں زیادہ تر مدد بحر الفصاحت سے لی گئی ہے۔

بہرحال اس وقت جو مفید باتیں اس رسالہ میں ہیں وہ ان علوم کی مبسوط سی مبسوط کتابوں میں سے کسی ایک کتاب میں نہیں ملیں گی بلکہ اکثر ایسی چیزیں ہیں جو شاید ان علوم کے کسی کتاب میں نہ ملیں تفصیل کی ضرورت نہیں ہے صاحبان نظر خود ہی اس کا اندازہ کر لیں گے۔

اس علم کی اکثر کتابوں میں مولفین نے تلاش سے تنگ آکر مثال میں خود ہی شعر موزوں کر کے لکھدئے ہیں لیکن میں نے تلاش کی زحمت گوارا کر کے مثال میں مستند شعرا کا کلام لکھا ہے خدا کا شکر ہے کہ تمام کتاب مثال میں لمولفہ کے لفظ سے پاک ہے مجھے امید ہے

کہ یہہ رسالہ نہ صرف طالبان زبان اردو کے لئے مفید ہوگا
بلکہ فارسی زبان کے طلاّب کو بھی کافی مدد دیگا کیونکہ
اصول اور قاعدے اِن علموں کے دونوں زبانوں
میں ایک ہیں صرف مثالیں فارسی کی اس رسالہ میں
نہیں ہیں اگر اس رسالے کے دوسرے اڈیشن کی نوبت
آئی تو میں فارسی کی مثالیں بھی بڑہا دونگا۔

غلطی اور سہو چونکہ انسان کی سرشت میں داخل
ہے لہذا ارباب نظر کی خدمت میں التماس ہے کہ اگر
کوئی غلطی یا فروگذاشت ملاحظہ کریں تو مجھے مطلع کردیں
تاکہ دوسرے اڈیشن میں اُسکی تصحیح ہوجائے۔

حامد علی

فہرست مضامین کتاب مجمع الفوائد حصہ اول

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ	
	باب اول اقسام نظم و نثر کے بیان میں	
	فصل اول اقسام نظم	
۲	شعر کی تعریف	۱
۳	اقتباس از مقدمہ شعر و شاعری مولانا حالی۔	۱
۴	مولانا حالی کی رائے سے اختلاف	۲
۵	نظم کی دس قسمیں	۱۳
۶	۱۔ غزل	۱۳
۷	۲۔ قصیدہ	۱۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸	الف۔ قصیدہ تمہیدیہ	۲۰
۹	ب۔ قصیدہ خطابیہ	۲۹
۱۰	۳۔ مثنوی اور اسکے اوزان	۳۰
۱۱	۴۔ مسمط اور اسکے اقسام	۳۶
۱۲	مثلث کی صورتیں	۳۶
۱۳	مربع کی صورتیں	۳۹
۱۴	مخمس کی صورتیں	۴۰
۱۵	مسدس کی صورتیں	۴۲
۱۶	مسبع	۴۳
۱۷	مثمن و متسع و معشر	۴۴
۱۸	۵۔ قطعہ	۴۵
۱۹	۶۔ رباعی	۴۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰	۷- ترکیب بند...	۴۸
۲۱	۸- ترجیع بند اور اسکی صورتیں....	۵۰
۲۲	۹- مستزاد اور اسکی صورتیں.....	۵۲
۲۳	۱۰- فرد-	۵۶

فصل دوم اقسام نثر کے بیان میں

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۴	نثر کی تعریف	۵۶
۲۵	نثر کی قسمیں باعتبار الفاظ کے...	۵۷
۲۶	نثر مسجع کی تعریف اور اسکی مثال...	۵۷
۲۷	نثر مرجز کی تعریف اور اسکی مثال...	۵۹
۲۸	حسب راے صاحب بحر الفصاحت نثر مرجز کی تعریف اور اسکی مثال.....	۵۹
۲۹	صاحب بحر الفصاحت کی راے سے اختلاف	۶۰
۳۰	نثر مرجز کی اصلیت	۶۱
۳۱	نثر عاری...	۶۲
۳۲	نثر کے اقسام باعتبار معنی کے.....	۶۲
۳۳	نثر سلیس سادہ	۶۳
۳۴	نثر رقیق سادہ	۶۳
۳۵	نثر سلیس رنگین	۶۴
۳۶	نثر رقیق رنگین	۶۶

باب دوم علم بیان کی بحث میں

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۷	علم بیان کی تعریف	۶۷
۳۸	دلالت اور اسکی قسمیں.....	۶۷
۳۹	وضاحت کی کمی بیشی	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	دلالت عقلیہ میں ہوتی ہے	۶۹
۴۰	علم بیان کا موضوع وغرض وغایت ...	۷۱
۴۱	وضوح دلالت علم بیان میں کیوں اختیار کی گئی ..	۷۲
۴۲	حقیقت ومجاز وکنایہ کا فرق اور استعارہ ومجاز مرسل	۷۲
	فصل اول تشبیہ کے بیان میں	
۴۳	تشبیہ کی تعریف اور اسکے ارکان ...	۷۴
	فرع اول طرفین تشبیہ کے بیان میں	
۴۴	تشبیہ اور تشابہ کا فرق	۷۵
۴۵	طرفین تشبیہ حسی وعقلی دو قسم کے ہوتے ہیں ..	۷۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۶	مثال مشبہ ومشبہ بہ دونوں حسّی کی ...	۷۷
۴۷	مثال مشبہ ومشبہ بہ دونوں عقلی کی ...	۷۸
۴۸	مثال مشبہ حسّی اور مشبہ بہ عقلی کی	۷۹
۴۹	مثال مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسّی کی	۷۹
۵۰	مشبہ بہ خیالی داخل حسّی ہے اور وہمی ووجدانی داخل عقلی ہیں	۸۰
۵۱	مشبہ بہ خیالی کی تعریف اور اسکی مثالیں ...	۸۰
۵۲	مشبہ بہ وہمی کی تعریف اور اسکی مثالیں ..	۸۱
۵۳	مشبہ بہ وجدانی کی تعریف اور اسکی مثالیں ..	۸۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۴	طرفین تشبیہ مفرد	۸۴
۵۵	طرفین تشبیہ مرکب	۸۴
۵۶	طرفین تشبیہ متعدد	۸۵
۵۷	مشبہ و مشبہ بہ مفرد کی صورتیں اور اسکی مثالیں ۔ ۔ ۔ ۔	۸۵
۵۸	مشبہ و مشبہ بہ مرکب کی صورتیں اور اسکی مثالیں ۔ ۔ ۔ ۔	۸۶
۵۹	مشبہ و مشبہ بہ متعدد کی صورتیں ۔ ۔ ۔ ۔	۸۷
۶۰	تشبیہ ملفوف کی تعریف اور اسکی مثالیں ۔ ۔	۸۷
۶۱	تشبیہ مفروق کی تعریف اور اسکی مثالیں ۔ ۔	۸۸
۶۲	تشبیہ تسویہ کی تعریف اور اسکی مثالیں ۔ ۔	۸۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۳	تشبیہ جمع کی تعریف اور اسکی مثالیں ۔ ۔	۸۹

فرع دوم وجہ شبہ کے بیان میں

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۴	وجہ شبہ کی تعریف	۹۱
۶۵	وجہ شبہ واحد	۹۲
۶۶	وجہ شبہ مرکب ۔ ۔ ۔	۹۲
۶۷	وجہ شبہ متعدد ۔ ۔	۹۳
۶۸	وجہ شبہ کی سات قسمیں	۹۳
۶۹	وجہ شبہ حسی میں مشبہ و مشبہ بہ دونوں حسی ہوتے ہیں اور وجہ شبہ عقلی ہیں یا عقلی و حسی دونوں ہوتے ہیں ۔ ۔	۹۳
۷۰	وجہ شبہ واحد حسی	۹۴
۷۱	۲- وجہ شبہ واحد عقلی	۹۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۲	۳- وجہ شبہ مرکب حسی	۹۹
۷۳	۴- وجہ شبہ مرکب عقلی	۱۰۰
۷۴	۵- وجہ شبہ متعدد جس میں سب وجہیں حسی ہوں	۱۰۱
۷۵	۶- وجہ شبہ متعدد جس میں سب وجہیں عقلی ہوں	۱۰۲
۷۶	۷- وجہ شبہ متعدد جس میں بعض وجہ حسی ہو اور بعض وجہ عقلی	۱۰۳
۷۷	تشبیہ مفصل کی تعریف اور اسکی مثالیں ..	۱۰۴
۷۸	تشبیہ مجمل کی تعریف اور اسکی صورتیں اور مثالیں	۱۰۵
۷۹	تشبیہ قریب کی تعریف اور اسکے اسباب اور مثالیں	۱۰۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۰	تشبیہ بعید کی تعریف اور اسکے اسباب و مثالیں	۱۰۸
۸۱	تصرف شاعرانہ سے تشبیہ قریب بعید ہو جاتی ہے۔	۱۱۰
۸۲	تشبیہ کو تضاد سے حاصل کرنا ...	۱۱۴
۸۳	تشبیہات مستعملہ کی تفصیل ...	۱۱۴
	فرع سوم غرض تشبیہ کے بیان میں	
۸۴	غرض تشبیہ کی تعریف	۱۲۰
۸۵	غرض تشبیہ مشبہ کے لئے اور اسکے سات حالی	۱۲۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۶	غرض تشبیہ مشبہ بہ کی طرف اور اُسکی دو قسمیں	۱۲۴
۸۷	تشبیہ مقبول و مردود	۱۲۵
	فرع چہارم اداۃ تشبیہ کے بیان میں	
۸۸	اداۃ تشبیہ کی تعریف اور اُسکی مثالیں ..	۱۲۶
۸۹	تشبیہ مرسل و تشبیہ مؤکد	۱۳۰
	فرع پنجم - احوال مراتب تشبیہ باعتبار ضعف و قوت کے	
۹۰	تشبیہ کی آٹھ حالتیں	۱۳۱
	فصل دوم استعارہ کے بیان میں	
۹۱	حقیقت و مجاز کی قسمیں	۱۳۳
۹۲	استعارہ مجاز لغوی ہے یا مجاز عقلی ...	۱۳۵
۹۳	استعارے کی تعریف	۱۳۸
۹۴	استعارہ میں مشبہ کو بالکل مشبہ بہ فرض کر لیتے ہیں	۱۳۸
۹۵	استعارے کے ارکان	۱۳۹
	فرع اول طرفین استعارہ کے بیان میں	
۹۶	استعارہ وفاقیہ کی تعریف اور اُسکی مثال ...	۱۳۹
۹۷	استعارہ عنادیہ کی تعریف اور اُسکی صورتیں اور مثالیں	۱۴۰
	فرع دوم وجہ جامع کے بیان میں	
۹۸	کبھی وجہ جامع طرفین استعارہ کے معنی کا جزو ہوتی ہے -	۱۴۲
۹۹	کبھی وجہ جامع طرفین استعارہ کے معنی کا جزو نہیں ہوتی	۱۴۳
۱۰۰	استعارہ عامیہ	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	مبتذلہ کی تعریف اور اُسکی مثالیں ...	۱۴۴
۱۰۱	استعارہ غریبہ کی تعریف اور اُسکی مثالیں	۱۴۵
۱۰۲	استعارہ مبتذلہ میں تصرف شاعرانہ سے غرابت آجاتی ہے	۱۴۶

فرع سیوم مستعار منہ و مستعار لہ و وجہ جامع تینوں کا بیان

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۳	۱- مستعار منہ و مستعار لہ و وجہ جامع تینوں حسی	۱۴۷
۱۰۴	۲- طرفین حسی و وجہ جامع عقلی ...	۱۴۹
۱۰۵	۳- مستعار لہ حسی اور مستعار منہ و وجہ جامع عقلی ...	۱۴۹
۱۰۶	۴- مستعار منہ حسی اور مستعار لہ و وجہ جامع عقلی	۱۴۹
۱۰۷	۵- طرفین و وجہ جامع تینوں عقلی	۱۵۰
۱۰۸	۶- طرفین حسی اور وجہ جامع مرکب یعنی بعض امر حسی اور بعض عقلی ..	۱۵۰

فرع چہارم استعارے کے قسموں کے بیان میں

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۹	استعارہ اصلیہ اسم جنس و مصدر میں ہوتا ہے	۱۵۱
۱۱۰	فعل و شبہ فعل و حرف میں استعارہ تبعیہ ہوتا ہے	۱۵۲
۱۱۱	اختلاف درمیان علامہ جاحظ و علامہ تفتازانی حرف میں استعارہ	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	تبعیہ ہونے کی بابت ...	۱۵۸
۱۱۳	استعارہ تبعیہ میں قرینے کا مدار کبھی فاعل کبھی مفعول کبھی مضاف الیہ پر ہوتا ہے	۱۶۰
۱۱۴	استعارہ مطلقہ کی تعریف اور اسکی مثالیں ...	۱۶۲
۱۱۴	استعارہ مجردہ کی تعریف اور اسکی مثالیں ...	۱۶۲
۱۱۵	استعارہ مرشحہ کی تعریف اور اسکی مثالیں ...	۱۶۳
۱۱۶	استعارہ مجردہ و مرشحہ کی تعریف اور اسکی مثالیں	۱۶۴
۱۱۷	استعارہ تمثیلیہ کی تعریف اور اسکی مثالیں ...	۱۶۴
۱۱۸	استعارہ بالکنایہ و استعارہ تخییلیہ میں علماء بیان کا	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	اختلاف	۱۶۶
۱۱۹	ثبوت لوازم مقومہ مشبہ بہ در استعارہ تخییلیہ ...	۱۶۸
۱۲۰	ثبوت لوازم مکملہ مشبہ بہ در استعارہ تخییلیہ	۱۶۹
۱۲۱	ثبوت لوازم غیر مقومہ و غیر مکملہ مشبہ بہ در استعارہ تخییلیہ	۱۷۱
۱۲۲	تحقیق استعارہ بالکنایہ و تخییلیہ میں علامہ جاحظ کی رائے	۱۷۲
۱۲۳	قدما کی رائے	۱۷۲
۱۲۴	سکاکی کی رائے ...	۱۷۳
۱۲۵	تقسیم استعارہ حسب رائے سکاکی	۱۷۴
۱۲۶	احتمال استعارہ تخییلیہ و تحقیقیہ	۱۷۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۷	استعارہ تحقیقیہ بھی استعارہ بالکنایہ کا قرینہ ہوسکتا ہے . . .	۱۷۷

فرع پنجم استعارہ کے حسن و خوبی کے شرائط میں

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۸	شرائط خوبی استعارہ تحقیقیہ و استعارہ تمثیلیہ	۱۷۷
۱۲۹	شرائط خوبی استعارہ بالکنایہ و استعارہ تخئیلیہ	۱۷۹

فصل سیوم مجاز مرسل کے بیان میں

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۳۰	مجاز مرسل کی تعریف	۱۸۰
۱۳۱	تسمیہ جزو باسم کل .	۱۸۰
۱۳۲	تسمیہ کل باسم جزو . .	۱۸۰
۱۳۳	تسمیہ سبب باسم مسبب	۱۸۱
۱۳۴	تسمیہ مسبب باسم سبب	۱۸۱
۱۳۵	تسمیہ شئے باسم زمان ماضی	۱۸۲
۱۳۶	تسمیہ شئے باسم زمان مستقبل	۱۸۳
۱۳۷	تسمیہ مظروف باسم ظرف	۱۸۳
۱۳۸	تسمیہ ظرف باسم مظروف	۱۸۳
۱۳۹	تسمیہ شئے باسم آلۂ شئے	۱۸۴
۱۴۰	تسمیہ مطلق باسم مقید	۱۸۴
۱۴۱	تسمیہ مقید باسم مطلق	۱۸۵

فصل چہارم کنائے کے بیان میں

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴۲	کنائے کی تعریف اور اسکی مثال	۱۸۶
۱۴۳	۱- وہ کنایہ جسمیں صفت سے موصوف مراد ہو . .	۱۸۷
۱۴۴	الف - کنایہ قریب	۱۸۷
۱۴۵	ب - کنایہ بعید . . .	۱۸۸
۱۴۶	۲- وہ کنایہ جسمیں ایک	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	صفت سے دوسری صفت مقصود ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۸۹
۱۴۷	الف۔ کنایہ قریب	۱۸۹
۱۴۸	۱۔ ایماو اشارہ	۱۸۹
۱۴۹	۲۔ رمز۔ ۔ ۔ ۔	۱۸۹
۱۵۰	ب۔ کنایہ بعید	
	تلمیح کی تعریف اور مثالیں	۱۹۰
۱۵۱	۳۔ وہ کنایہ جس میں صفت کا اثبات یا موصوف کی نفی مقصود ہو	۱۹۲
۱۵۲	اثبات کی مثال۔۔	۱۹۲
۱۵۳	نفی کی مثال ۔۔	۱۹۳
۱۵۴	تعریض ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۹۳
۱۵۵	تتمہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۹۵
۱۵۶	فائدہ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۹۶
	تیسرا باب علم بدیع کے بیان میں	
۱۵۷	علم بدیع کی تعریف	۱۹۷
	فصل اول اقسام صنائع معنوی کے بیان میں	
۱۵۸	۱۔ صنعت طباق۔۔	۱۹۸
۱۵۹	۲۔ صنعت تدبیج	۲۰۲
۱۶۰	۳۔ صنعت ایہام تضاد	۲۰۳
۱۶۱	۴۔ صنعت مقابلہ	۲۰۵
۱۶۲	۵۔ صنعت ایہام۔۔	۲۰۶
۱۶۳	۶۔ صنعت مراعاۃ النظیر	۲۰۷
۱۶۴	۷۔ صنعت ایہام تناسب	۲۰۸
۱۶۵	۸۔ صنعت تشابہ الاطراف	۲۰۹
۱۶۴	۹۔ صنعت حسن تعلیل۔	۲۱۰
۱۶۵	۱۰۔ صنعت عکس	۲۱۵
۱۶۶	۱۱۔ صنعت مبالغہ۔۔	۲۱۶
۱۶۷	۱۲۔ صنعت لف و نشر	۲۲۰
۱۶۸	۱۳۔ صنعت جمع۔۔	۲۲۲
۱۶۹	۱۴۔ صنعت تفریق۔۔	۲۲۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۷۰	۱۵ صنعت تقسیم	۲۲۶	۱۸۲	۲۷ صنعت رجوع	۲۳۸
۱۷۱	۱۶ صنعت جمع و تفریق	۲۲۷	۱۸۳	۲۸ صنعت مشاکلہ	۲۳۹
۱۷۲	۱۷ صنعت جمع و تقسیم	۲۲۸	۱۸۴	۲۹ صنعت مزاوجہ	۲۴۰
۱۷۳	۱۸ صنعت جمع و تفریق و تقسیم	۲۲۹	۱۸۵	۳۰ صنعت قول بالموجب	۲۴۱
۱۷۴	۱۹ صنعت تجرید	۲۳۰	۱۸۶	۳۱ صنعت مذہب کلامی	۲۴۲
۱۷۵	۲۰ صنعت سوال و جواب	۲۳۲	۱۸۷	۳۲ صنعت مذہب فقہی	۲۴۳
۱۷۶	۲۱ صنعت اطراد	۲۳۴	۱۸۸	۳۳ صنعت اتباع	۲۴۳
۱۷۷	۲۲ صنعت ارصاد	۲۳۵	۱۸۹	۳۴ صنعت ادماج	۲۴۴
۱۷۸	۲۳ صنعت تاکید المدح بما یشبہ الذم ...	۲۳۶	۱۹۰	۳۵ صنعت تعجب	۲۴۵
۱۷۹	۲۴ صنعت تاکید الذم بما یشبہ المدح ...		۱۹۱	۳۶ صنعت تحلیل.	۲۴۵
۱۸۰	۲۵ صنعت توجیہ	۲۳۷	۱۹۲	۳۷ صنعت ذو روئتین ...	۲۴۶
۱۸۱	۲۶ صنعت تجاہل عارفانہ	۲۳۸	۱۹۳	۳۸ صنعت ذو ثلثہ ...	۲۴۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۹۴	۳۹۔ صنعت براعت استہلال ...	۲۴۶
۱۹۵	۴۰۔ صنعت اقتباس	۲۴۸
۱۹۶	۴۱۔ صنعت تضمین	۲۴۸
۱۹۷	۴۲۔ صنعت کلام جامع	۲۴۸
۱۹۸	۴۳۔ صنعت ایراد المثل ...	۲۴۹
۱۹۹	۴۴۔ صنعت استخدام	۲۵۰
۲۰۰	۴۵۔ صنعت الہزل الذی یراد بہ الجد	۲۵۱
۲۰۱	۴۶۔ صنعت تلمیح	۲۵۱

فصل دوم اقسام صنایع لفظی کے بیان میں

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰۲	۱۔ تجنیس اور اسکے اقسام	۲۵۵
۲۰۳	۲۔ صنعت اشتقاق	۲۶۳
۲۰۴	۳۔ صنعت شبہ الاشتقاق	۲۶۳
۲۰۵	۴۔ صنعت قلب	۲۶۳
۲۰۶	۵۔ صنعت تزلزل	۲۶۷
۲۰۷	۶۔ صنعت رد العجز علی الصدور ..	۲۶۷
۲۰۸	۷۔ صنعت قطار البعیر	۲۷۳
۲۰۹	۸۔ صنعت محاذ	۲۷۴
۲۱۰	۹۔ صنعت تفریع	۲۷۵
۲۱۱	۱۰۔ صنعت مبادلتہ الراسین	۲۷۵
۲۱۲	۱۱۔ صنعت تضمین المزدوج	۲۷۶
۲۱۳	صنعت تراخق ..	۲۷۶
۲۱۴	صنعت نظم النثر ...	۲۷۷
۲۱۵	۱۴ صنعت مثلث	۲۷۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۱۶	۱۵ صنعت مربع	۲۷۸	۲۳۰	۲۹ صنعت منقوطہ	۲۹۳
۲۱۷	۱۶ صنعت مدورہ	۲۷۹	۲۳۱	۳۰ صنعت رقطا	۲۹۴
۲۱۸	۱۷ صنعت		۲۳۲	۳۱ صنعت خیفا	۲۹۴
	سیاق الاعداد ..	۲۷۹	۲۳۳	۳۲ صنعت	
۲۱۹	۱۸ صنعت متلون	۲۸۰		فوق النقاط	۲۹۵
۲۲۰	۱۹ صنعت سجع ..	۲۸۱	۲۳۴	۳۳ صنعت	
۲۲۱	۲۰ صنعت توشیح	۲۸۴		تحت النقاط	۲۹۶
۲۲۲	۲۱ صنعت مسمط ..	۲۸۵	۲۳۵	۳۴ صنعت	
۲۲۳	۲۲ صنعت محذوف	۲۸۶		واصل الشفتین	۲۹۶
۲۲۴	۲۳ صنعت منقوص	۲۸۷	۲۳۶	۳۵ صنعت	
۲۲۵	۲۴ صنعت ذوقافیتین	۲۸۸		واسع الشفتین	۲۹۷
۲۲۶	۲۵ صنعت ذوقافیتین		۲۳۷	۳۶ صنعت	
	مع الحاجب ...	۲۸۸		جامع الحروف ..	۲۹۷
۲۲۷	۲۶ صنعت لزوم		۲۳۸	۳۷ صنعت	
	مالا یلزم ...	۲۸۹		معرب	۲۹۷
۲۲۸	۲۷ صنعت حذف	۲۹۲	۲۳۹	۳۸ صنعت	
۲۲۹	۲۸ صنعت عاطلہ	۲۹۳		مسلسل	۲۹۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۴۰	۳۹ ـ صنعت موصل	۲۹۸	۲۴۴	۴۳ ـ صنعت ما فی الضمیر . .	۳۰۲
۲۴۱	۴۰ ـ صنعت مقطع	۳۰۰	۲۴۵	۴۵ ـ صنعت معمّا	۳۰۴
۲۴۲	۴۱ ـ صنعت تلمیح .	۳۰۰	۲۴۶	۴۶ ـ صنعت لغز	۳۰۶
۲۴۳	۴۲ ـ صفت تنسیق الصفات	۳۰۲	۲۴۷	۴۷ ـ صنعت تاریخ . . .	۳۰۷

باب اول اقسام نظم و نثر کے بیان میں

فصل اول اقسام نظم کے ذکر میں

شعر کی تعریف

شعر کے معنی لغت میں جاننے کے ہیں اور اصطلاح میں اُس کلام موزوں کا نام ہے جو اوزان مقررہ میں سے کسی وزن پر ہو اور مقفیٰ ہو اور بالقصد نظم کیا گیا ہو۔

اقتباس از مقدمہ شعر و شاعری مولانا حالی۔

مولانا حالی شعر کی اس تعریف سے گریز کر کے اپنے کلیات کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ شعر کے لئے وزن ایک ایسی چیز ہے جیسے راگ کے لئے بول جس طرح راگ فی حد ذاتہ لفظ کا محتاج نہیں ہے اُسی طرح نفس شعر وزن کا محتاج نہیں ہے البتہ وزن کی شرط نظم کے لئے ہے قدیم عرب کے لوگ یقیناً شعر کے یہی معنی سمجھتے تھے جو شخص معمولی آدمی سے بڑھ کر کوئی موثر اور دلکش تقریر کرتا تھا اُسی کو شاعر جانتے تھے جاہلیت کی قدیم شاعری میں زیادہ تر اس قسم کے برجستہ اور دل آویز فقرے اور مثلیں پائی جاتی ہیں جو عرب کی عام بول چال سے

فوقیت اور امتیاز رکھتی ہیں یہی سبب تھا کہ جب قریش نے قران مجید کی نرالی اور عجیب عبارت سنی تو جنھوں نے اُسکو کلام الٰہی نہ مانا وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے لگے حالانکہ قرآن شریف میں وزن کا مطلق التزام نہیں محقق طوسی اساس الاقتباس میں لکھتے ہیں کہ عربی اور سریانی اور قدیم فارسی میں شعر کے لئے وزن حقیقی ضرور نہ تھا سب سے پہلے وزن کا التزام عرب نے کیا ہے قافیہ بھی ہمارے یہاں شعر کے لئے ایسا ہی ضروری سمجھا گیا ہے جیسے کہ وزن مگر درحقیقت وہ بھی نظم کے لئے ضروری ہے نہ کہ شعر کے لئے اساس میں لکھا ہے کہ یونانیوں کے یہاں قافیہ بھی مثل وزن کے ضروری نہ تھا الغرض وزن اور قافیہ جن پر ہماری موجودہ شاعری کا مدار ہے اور جسکے سوا اس میں کوئی خصوصیت ایسی نہیں پائی جاتی جسکے سبب سے شعر کا شعر پر اطلاق کیا جاسکے یہ دونوں شعر کی ماہیت سے خارج ہیں۔

مولانا حالی کی رائے سے اختلاف	میری رائے میں مولانا حالی سخت غلطی میں پڑے ہیں اس لئے کہ جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ شعر کے لئے وزن کی

شرط نہیں ہے وہ اہل منطق ہیں اور اساس الاقتباس کا جو حوالہ دیا ہے وہ بھی فن منطق ہی میں ہے منطقیین کی اصطلاح میں شعر اور چیز ہے اور شعرا کے نزدیک شعر اور چیز ہے مولانا حالی نے منطقیین کی تعریف کو شاعروں کی تعریف کے مبحث میں داخل کر دیا ہے محقق طوسی نے اساس الاقتباس میں بطور منطقیوں کے شعر کی تعریف کی ہے کیونکہ یہ کتاب ہی منطق میں لکھی ہے اور

معیار الاشعار میں شعر کی تعریف اسی طرح کی ہے جو عرف میں مشہور ہے یعنی شعر کلام موزون و مقفیٰ کا نام ہے اسلئے کہ یہ کتاب فن عروض میں لکھی ہے منطقیوں کے نزدیک وزن شعر کی ماہیت میں معتبر نہیں اونکے نزدیک جو کلام قضایاے تخئیلیہ سے بنے وہ شعر ہے وزن کا ہونا اسمیں ضروری نہیں چنانچہ شیخ بو علی سینا کتاب شفا کی بحث منطق میں فرماتے ہیں۔

لَا نَظَرَ لِلْمَنْطِقِیِّ فِی شَیءٍ مِنْ ذٰلِکَ اِلَّا فِی کَوْنِہٖ کَلَامًا مُخَیَّلًا یعنی منطقی کی نظر کسی اور شے (یعنی وزن و قافیہ) کی طرف نہیں اسکے نزدیک تو یہ چاہیئے کہ وہ کلام مخیل ہو بلکہ محقق طوسی نے خود اساس الاقتباس میں بھی دونوں اصطلاحوں کا فرق بتلا دیا ہے اسطرح کہ: شعر در عرف منطقی کلام مخیل است و در عرف متاخران کلام موزون و مقفیٰ :- اور دوسری جگہہ لکھا ہے۔ مادہ شعر سخن است و صورتش نزدیک متاخران وزن و قافیہ و نزدیک منطقیان تخئیل :- اور پھر زیادہ واضح کر کے یوں لکھا ہے :- نظر منطقی خاص است بہ تخئیل و وزن را ازاں جہت اعتبار کنند کہ بوجہے اقتضاے تخئیل کند و صناعت منطق با حث بالذات از شعر تخئیل است و بالعرض از دیگر احوال :- یہہ تو شعر منطقی کی نسبت ہے اور شعر متعارف کی نسبت اوسی اساس میں لکھتے ہیں و بحسب این عرف ہر سخن را کہ وزنے داشتہ باشد خواہ آن سخن برہانی باشد خواہ خطابی خواہ صادق خواہ کاذب یا اگر ہمہ توحید خالص یا ہذیانات محض باشد آنرا شعر خوانند و اگر از وزن و قافیہ خالی باشد اگرچہ مخیل بود آن را شعر نہ خوانند۔ اور مخیلات وہ باتیں ہیں کہ جب نفس کو پہونچتی ہیں تو وہ

اُنکی تاثیر سے بغیر غور و فکر کے کسی چیز کی طرف راغب ہو جاتا ہے یا اُس سے نفرت کرنے لگتا ہے کیونکہ نفس رغبت یا دہشت سے دب جاتا ہے اور تخییل کا اثر بمقابلہ تصدیق کے نفس پر جلد پڑتا ہے اس لئے کہ اسمیں تعجب صدق سے زیادہ ہوتا ہے جو نفس کے لئے بہت لذیذ ہے اور نفس میں تخییلات کے اثر سے یا انبساط پیدا ہو جاتا ہے یا انقباض اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تخییلات کی تاثیر صدق سے زیادہ ہوتی ہے اگرچہ اُسکے ساتھ تصدیق نہیں ہوتی اسی وجہ سے منطقی کلام مخیل کو علم و حکمت کا مقابل سمجھتے ہیں یعنی یہ اس قدر مرغوب بالطبع ہے کہ باوجود غیر یقینیات ہونے کے بغیر غور و فکر کے فی الفور نفس پر اثر کرتا ہے اور علم و حکمت یقینیات سے ہیں اور غور و فکر کے بعد نفس میں یہ تاثیر کرتے ہیں منطقیوں کے نزدیک چونکہ تخییل تصدیق کے مقابل ہے اور تخییل سے غرض اُنکی تاثیر و رغبت و لذت نفس ہے اس لئے وہ مخیلات صادقہ کو بھی تخییل سے خارج کرتے ہیں اور اولیات صادقہ کا استعمال قضایائے شعریہ میں جائز نہیں سمجھتے کیونکہ وہ یقینیات سے ہوتے ہیں اور علم و حکمت کے مقابل نہیں ہوتے بلکہ موافق ہوتے ہیں اور اولیات صادقہ سے مراد ایسے قضایا ہیں کہ عقل اُن قضایا کا تصور کرتے ہی اُسکے قطعی ہونے کا حکم لگا دیتی ہے یعنی دوسری چیز کی طرف محتاج نہیں ہوتی جیسے کل بڑا ہے جزو سے۔ لہذا منطقیوں کے نزدیک ایسے اشعار کہ جو یقینیات سے ہوں یعنی جن میں مخیلات صادقہ ہوں

اور نفس میں کوئی لذت و تاثیر نہ پیدا کریں شعر نہیں ہیں مثلاً یہ اشعار۔

ناسخ

کی خدا نے جو یہ زباں عطا ہے بلا شک عطیہ عظمے
اس سے مختلف مزوں کی تمیز اس سے پاتے ہیں لذت ہر چیز
کوئی کڑوی ہے کوئی ہے میٹھی نمکیں کوئی کوئی کھٹ مٹھی
کوئی اچھی ہے کوئی زشت و زبوں مزے ہر چیز کے ہیں گونا گوں
سب مزے سے زباں واقف ہے انہیں اسرار کی یہ کاشف ہے
جو نہ ہو یہ تو کچھ نہ ہو معلوم نہ ہو کوئی مزہ کبھی مفہوم
اور بھی ہوتے ہیں زباں سے کام ہے ممد وقت بلع آب و طعام
اس سے احکام ہر دو نداں ہے قوت تام ہر دنداں ہے

اور ایسے اشعار بھی کہ جن میں کسی قسم کی تخئیل تو منطقیوں کے نزدیک شعر نہیں ہے جیسے :۔

بیا برادر آؤ رے بھائی بنشیں مادر بیٹھ رے مائی

لیکن شعرا کے نزدیک چونکہ کلام موزوں و مقفی ہیں لہذا شعر کی تعریف سے خارج نہیں ہیں۔ اسی طرح سے ایسا کلام کہ جو موزوں و مقفی نہو لیکن تخییل ہو اور نفس میں لذت پیدا کرے منطقیوں کے نزدیک شعر ہے لیکن شعرا کے نزدیک شعر نہیں ہے۔ مثلاً

مولوی مہدی حسن کی یہ عبارت۔ غالب زندہ ہوتے تو شبلی کو اس

اردوے خاصہ کی داد ملتی جس نے ایک فتنہ خیز بازاری یعنی کل کی چھوکری کو جس پر انگلیاں اُٹھتیں تھیں آج اس لائق کر دیا کہ وہ اپنی بڑی بوڑھیوں اور ثقہ بہنوں یعنی دنیا کی علمی زبانوں سے آنکھیں ملا سکتی ہے۔ جوانیوں پر آئی ہوئی نچلی نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ مدتوں شعرا سے گاڑھا اتحاد رہا۔ بہ اقتضائے سن بری طرح کھل کھیلی۔ ہاتھ پاؤں نکالے اور بہتیرے بنائے بگاڑے کیونکہ ایک زمانہ شیدائی تھا لیکن یہ باتوں ہی باتوں میں سب کو ٹالتی رہی بعض جگہ بے آبروئی کے ساماں ہو ہو کر رہ گئے اور بال بال بچی۔ آخر آخر میں ملک کے منچلے یعنی ناول تو یہاں تک ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے کہ اسکی پردہ دری میں کچھ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ کبھی کبھی دبی زبان سے اوسے یہ کہتے سنا۔ ارے اُٹھ جاؤں گی میں صحنک سے۔ لیکن دفعتاً اسکی حالت نے پلٹا کھایا کثرت فواحش باعث سنجیدگی ہوگئی۔ اچھے دن آتے ہیں تو بگڑی بن جاتی ہے۔ اب وہ مقدس علماء کی کنیزوں میں داخل ہے لیکن سنا گیا ہے کہ خوش اوصاف شبلی سے زیادہ مانوس ہے اور قریب قریب انہیں کے تصرف میں رہتی ہے الندوہ اسی تعلق کا ایک ثمر بیش رس ہے۔

یہ منطقیوں کے اشعار ہیں کیونکہ کلام غیر یقینیات سے بھی ہے اور بہت مخیّل ہے۔

منطقیوں نے کلام مخیّل کا نام شعر اس وجہ سے رکھا ہے کہ شعر وزن دار کلام کو کہتے ہیں اور ہر موزوں کلام کسی نہ کسی وجہ سے مخیّل ہوتا ہے کیونکہ فطرتاً

مرغوب بالطبع ہے اور رغبت طبع کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ کلام موزوں بہ نسبت نثر کے جلد یاد ہو جاتا ہے پس چونکہ کلام مخیّل و باثر زیادہ تر شعر ہی ہوتا ہے (یعنی اگر اور کچھ نہ ہوگا تو شعر محض وزن ہی کی وجہ سے مخیّل یعنی مرغوب بالطبع ہوگا) لہذا وہ عموماً ہر کلام مخیّل کو جس سے نفس کو لذت حاصل ہو شعر کہنے لگے اور چونکہ یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر کلام مخیّل وزن دار ہی ہو یعنی بعض عبارتیں نثر کی بھی تخئیل کا فائدہ بخشتی ہیں لہذا اُنکے یہاں کے شعر سے وزن کی قید نکل گئی اور محض تخئیل ہی اُنکے یہاں کے شعر کا جزو اعظم رہگئی۔

محقق طوسی نے اساس میں جو یہ لکھا ہے کہ قدما کلام مخیّل کو شعر کہتے تھے اگرچہ وہ وزن حقیقی نہ رکھتے ہوں اور یونانیوں کے بعض اشعار اس طرح کے تھے اور دوسری پرانی زبانوں جیسے عبری سریانی فارسی قدیم میں بھی اسکا اعتبار نہ تھا یہ قول بھی حالی صاحب کے مفید نہیں ہے اس لئے کہ قدما نے جس شعر میں وزن کا اعتبار نہ کیا تھا وہ وہ ہے جو یقینیات یعنی علم و حکمت کے مقابل ہے کیونکہ وہ غیر یقینیات کو شعر کہتے تھے اور قدما سے محقق کی مراد حکما و فلاسفر ہیں نہ کہ شعرا کیونکہ شعرا اور اہل عروض کو اُنہوں نے متاخران کی لفظ سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ اُنکی اصل فارسی کی عبارتوں سے جو پہلے لکھی گئیں ظاہر ہے اور اگر بالفرض محال کسی زبان میں کوئی ایسا قدیم شعر اسوقت مثالاً مل بھی جائے جسمیں کہ وزن موجود نہ ہو تو وہ ہرگز قطعی اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا کہ قدیم شعرا کے یہاں شعر میں وزن کی شرط نہیں تھی اس سبب سے

کہ چونکہ طبائع انسان کے مختلف ہیں لہذا اوزان شعر بھی قوموں میں مختلف ہیں اسوقت بھی ہندی کے اوزان عروض عرب میں ناموزوں ہیں اور عرب کے اوزان کو ہندی والے ناموزوں سمجھتے ہیں اسی طرح انگریزی کے اوزان ہندی اور عربی دونوں کے عروض میں ناموزوں اوترتے ہیں اور اسکے برعکس بھی ہے لہذا ممکن ہے کہ اوسوقت کے مذاق میں وہ شعر موزوں رہا ہو کیونکہ اسوقت کا کوئی پیمانہ جانچنے کا ہمارے پاس نہیں ہے کہ اس سے جانچ سکیں۔ عرب کے پرانے اشعار جو قواعد عروض منضبط ہونے سے پہلے کے ہیں اور اسوقت انکا معیار محض وجدان سلیم و ذوق طبع مستقیم تھا اور انہیں اشعار کو جانچ کر قواعد مقرر ہوئے ہیں انمیں اکثر اشعار ایسے ہیں کہ جن میں شعرا ایک وزن سے دوسرے وزن قریب پر منتقل ہو گئے ہیں اور قواعد عروض کے ایجاد کرنے کے وقت انہیں غلطیوں کو تغیر زحافات اور سکتہ ماننا پڑا ہے کیونکہ قواعد عروض ان کے اشعار کے مطابق بنائے گئے ہیں نہ یہ کہ قواعد عروض کو پیش نظر رکھکر وہ شعر کہے گئے تھے بہر حال جسکو جمہور کی اصطلاح میں شعر کہتے ہیں ایسا شعر ہرزمانہ میں وزن وار ہی ہوتا رہا ہے اگر کوئی جاہل اپنا دل خوش کرنے کو چند الفاظ بے وزن جوڑ کر ان کو شعر سمجھتا رہا ہو تو ایسا کلام اہل علم کے نزدیک سلف سے خلف تک کسی زبان میں شعر نہیں مانا جاتا اسوقت بھی باوجودیکہ قواعد عروض منضبط ہیں اکثر جاہل ناموزوں شعر کہکر یہہ سمجھتے ہیں کہ یہ شعر ہیں لیکن انکی قدر جاننے والے کے نزدیک کیا ہوتی ہے۔

عرب کی قدیم شاعری میں جو زیادہ تر برجستہ فقرے اور مثلیں پائی جاتی ہیں تو اُس سے شاعروں کے طبیعت کی خوبی ثابت ہوتی ہے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ شعر کے لئے وزن ضروری نہیں اور عرب جو قرآن کی فصاحت و بلاغت کو دیکھہ کر پیغمبر خدا کو شاعر کہنے لگے تو اس سے بھی یہ امر ثبوت کو نہیں پہونچ سکتا کہ شعر کے لئے وزن شرط نہیں بلکہ وجہ اسکی یہ تھی کہ وہ یہہ جانتے تھے کہ فصیح و بلیغ کلام نظم ہو یا نثر شاعر ہی ادا کرسکتا ہے۔ نظم اور شعر میں وزن اور عدم وزن کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں دونوں میں وزن معتبر ہے شعرا کی اصطلاح میں نظم الفاظ کی ایسی ترتیب کو کہتے ہیں کہ وزن کے ساتھہ اُسکے معانی میں بھی ترتیب ہو اور اُنکی دلالت کا بندوبست بھی مقتضائے عقل کے موافق ہو یہ بات نہ ہو کہ لفظوں کو آگے پیچھے بول دیا جائے اور جس طرح اتفاق پڑے بغیر ترتیب و دلالت کے ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے ملا دیا جائے مثلاً یہ نظم ہے اور شعر بھی ہے۔

تمنا نہیں ہے کہ امداد دلی کو تپش کا صلہ ہو کہ مسرور و قلق ہو
یہی حق ہے قاتل اگر حق دلائے یہ بسمل ترے پاؤں پر جاں بحق ہو

اور اگر اسکو یوں کہیں۔

تپش ہو تمنا کہ امداد دل کو نہیں ہے صلہ کا کہ مرزد قلق ہو
یہی پر ہے بسمل اگر حق دلائے یہ قاتل ترے پاؤں حق جاں بحق ہو

الفاظ سب بعینہ وہی ہیں موزون بھی ہوگئے ہیں مقفیٰ بھی ہے لیکن چونکہ

معانی میں ترتیب نہیں ہے اور دلالت کا بندوبست خلاف عقل ہے لہذا نظم نہیں ہے بلکہ صرف علیحدہ علیحدہ الفاظ ہیں اور یہ شعر بھی نہیں ہے کیونکہ شعر کی تعریف یہ ہے کہ کلام موزوں و مقفیٰ ہو اور کلام اُن دو یا زیادہ کلموں کو کہتے ہیں جو باہم ایسے اسناد رکھتے ہوں کہ اگر اُسکا کہنے والا چپ رہے تو سامع کو فائدہ حاصل ہو جاوے اور کچھ انتظار نہ رہے اور سخن بے معنی سے بوجہ اسکے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا سامع کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا لہذا شعر میں لفظ کلام کی قید سے سخن بے معنی نکل گیا گو مجازاً سخن بے معنی کو بھی اگر موزوں و مقفیٰ ہو تو شعر کہتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ یہ شعر مہمل ہے لیکن حقیقتاً وہ شعر نہیں جیسے یہ اشعار شعرا کے جو کسی موقع خاص سے کہے گئے ہیں موزوں و مقفیٰ بھی ہیں اور بالقصد بھی کہے گئے ہیں لیکن کلام کی تعریف سے خارج ہیں لہذا حقیقتاً شعر نہیں ہیں۔

ضیا۔ ملحوظ موقع طلب مدعا رہے + چشم حباب بحر میں سرمہ لگا رہے

بدیدا شعر۔ مرکز محور گردوں بہ لب آب نہیں + ناخن قوس قزح شعبۂ مضراب نہیں

نا سخ۔ ٹوٹی دریا کی کلائی زلف اُلجھی بام میں + آدمی مخمل میں دیکھے مورچے بادام میں

فن شعر میں نظم اور شعر میں کوئی فرق نہیں ہے مگر اس زمانہ کے بعض جدید تعلیم یافتہ اصحاب خواہ بہ تتبع انگریزی خواہ بمذاق جدت پسندی خاص و عام کا فرق رکھنا چاہتے ہیں یعنی نظم کلام موزوں ہے اور شعر کلام مخیّل و موزوں ہے یا اُنہیں کے الفاظ میں یوں ہے کہ ہر کلام موزوں

نظم ہے خواہ وہ محرک جذبات ہو یا نہو اور شعر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ محرک جذبات بھی ہو لیکن فن شعر میں صرف اچھے اور برے کا فرق ہے یعنی اگر شعر مخیل ہے کہ نفس میں اسکی وجہ سے تاثیر عجیب وانفعال غریب پیدا ہو کہ فرحت یا رنج و غم آجائے تو وہ اچھا شعر ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ اچھا شعر نہیں ہے لیکن ہر حال میں وہ شعر ہے اور نظم بھی ہے اسکی مثال یہ ہے کہ کسی جنگلی آدمی کو جو وحشیانہ اپنی زندگی بسر کرتا ہو یہ کہیں کہ یہ آدمی تو ہے لیکن انسان نہیں ہے تو جس خیال سے یہ فقرہ کہا گیا ہے صحیح ہے لیکن اگر علم منطق وغیرہ میں اسکی بحث پڑے تو وہ انسان کی ماہیت سے خارج نہیں ہو سکتا اور آدمی اور انسان دونوں کا اطلاق اسکے اوپر ہو گا کیونکہ اسکے حیوان ناطق ہونے میں شبہہ نہیں ہے اور جس طرح اسکو یہ کہہ سکتے ہیں کہ نہ اسمیں آدمیت ہے اور نہ انسانیت اسی طرح ایسے کلام موزون کو بھی کہ جس سے جذبات میں تحریک پیدا نہو یہ کہہ سکتے ہیں کہ نہ یہ شعر ہے اور نہ نظم اور علم منطق میں جس طرح اسکو کہیں گے کہ یہ آدمی بھی ہے اور انسان بھی اسی طرح فن شعر اور علم ادب میں ایسے کلام کو بھی کہیں گے کہ یہ نظم بھی ہے اور شعر بھی۔ بہرحال جس طرح آدمی اور انسان میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح شعر اور نظم میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔

بعض حضرات کسی مسلسل چیز کو وزن دار کلام میں بیان کرنے کو نظم کہتے ہیں (مثلاً مناظر قدرت یا کسی مضمون خاص کا مسلسل نظم کرنا اور

متفرق مضامین کے نظم کرنے کو شعر کہتے ہیں لیکن ہر حال میں سب کے نزدیک وزن کی شرط شعر و نظم دونوں میں ضروری ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ منطقی کلام مخیّل کو شعر کہتے ہیں خواہ اسمیں وزن ہو یا نہو اور شعرا کی اصطلاح میں وزن کا ہونا ضروری ہے خواہ تخییل ہو یا نہو اور ہر علم کی اصطلاحیں جدا گانہ ہوا کرتی ہیں لیکن تقریر و تحریر میں جس علم سے بحث کی جاتی ہے اسی علم کی اصطلاحیں اسمیں مستعمل ہوتی ہیں اور اگر دوسرے علم کی اصطلاحیں لاتے ہیں تو اسکو ظاہر کر دیتے ہیں۔ مولانا حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں شاعری سے بحث کی ہے اور انکے کلیات کا تعلق بھی علم ادب سے ہے اسمیں جو انہوں نے اہل منطق کی اصطلاح میں شعر کی تعریف کی اور اسکو ظاہر بھی نہ کیا کہ یہ علم منطق کی اصطلاح ہے جس سے دیکھنے والے یہی سمجھتے ہیں کہ شاعری اور علم ادب میں شعر کے لئے وزن ضروری نہیں ہے اور یہ سخت دھوکا دینے والی بات ہے۔۔ ہاں اسمیں اختلاف ہے کہ قافیہ مطلق شعر کے واسطے ضروری ہے یا نہیں بعض اس طرف گئے ہیں کہ مطلق شعر کے واسطے ضروری نہیں ہے بلکہ اسکے بعض قسموں کے واسطے ضروری ہے اور اس تقریر پر ذاتیات شعر سے نہ ہوگا بلکہ اسکے عوارض سے ہوگا لیکن محققین کا گروہ اعظم قافیہ کا اعتبار ذات شعر میں واجب سمجھتا ہے چنانچہ بوعلی سینا بھی شفا میں لکھتے ہیں کہ جو مقفی نہیں وہ ہمارے نزدیک شعر نہیں ہے اور قصد متکلم بھی بعضوں کے

نزدیک شعر میں لازم نہیں لیکن اکثر یہ کہتے ہیں کہ یہ قول مردود ہے اسلئے کہ دنیا میں کوئی ایسا متکلم نہوگا کہ کبھی نہ کبھی اسکی زبان سے بے قصد کلام موزوں سرزد نہ ہو جاوے پس جب قید قصد کی موزوں کرنے میں نہوئی تو دنیا کا ہر شخص شاعر ہے کیونکہ کلام موزوں اسکی زبان سے نکلا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔علاوہ اسکے اکثر آیات[1] کلام الٰہی و نیز احادیث نبوی[2] بھی موزوں ہیں لیکن اُنکو شعر نہیں کہتے محض اسوجہ سے کہ بقصد نظم نہیں سرزد ہوئیں۔

نظم کی دس قسمیں	بہرحال کلام موزوں دُقفّی کی دس قسمیں ہیں۔غزل[1] قصیدہ[2] مثنوی[3] مسمط[4] قطعہ[5] رباعی[6] ترکیب بند[7] ترجیع بند[8] مستزاد[9] فرد[10]۔

[1] صاحب مرآۃ الخیال نے چھ بیس آئتیں قرآن مجید کی ایسی لکھی ہیں کہ جو موزوں ہیں۔ مثلاً۔ثم اقررتم وانتم تشہدون۔ثم انتم ہولاء تقتلون۔وزن اسکا فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن ہے یعنی بحر رمل مسدس مقصور ہے۔

[2] مثلاً کلام رسول ہے۔ہل انت الا اصبع ومیت۔وفی سبیل اللہ مالقیت۔وزن پہلے مصرعہ کا مستفعلن مستفعلان فعولن ہے یعنی بحر رجز مسدس مخلع ہے اور وزن دوسرے مصرع کا مفاعلن مستفعلن فعولن ہے یعنی بحر رجز مسدس مخبون مخلع ہے اور دونوں وزن حسب قاعدہ عروض ایک نظم میں جمع بھی ہو سکتے ہیں حالانکہ رسول کی نسبت خدا وند عالم نے قرآن میں ماعلمنا الشعر فرمایا ہے۔

۱۔ غزل

غزل اور اُسکی صورتیں

لغت میں غزل جوانی کا حال بیان کرنے اور عورتوں سے باتیں کرنے اور اُن کی صحبت اور عشق کا ذکر کرنے کو کہتے ہیں لیکن اصطلاح شعرا میں غزل اُن اشعار متفق الوزن والقوافی کو کہتے ہیں جسکے شعر اول کے دونوں مصرع مقفیٰ ہوں اور اُس شعر کو مطلع کہتے ہیں ایک غزل میں قدما کے یہاں صرف ایک مطلع ہوتا تھا لیکن متاخرین نے کوئی تعداد محدود نہیں کی پندرہ پندرہ مطلع کہے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں علاوہ مطلع کے باقی اشعار غزل میں صرف مصرع ثانی میں قافیہ ہوتا ہے یعنی باقی اشعار فرد ہوتے ہیں مطلع کے بعد کے شعر کو حسن مطلع یا زیب مطلع کہتے ہیں ایک غزل کم سے کم پانچ شعر اور زیادہ سے زیادہ پچیس شعر کی ہوتی ہے لیکن شعراء متاخرین نے تعداد اشعار بھی محدود نہیں کی پچاس پچاس شعر بلکہ اس سے بھی زیادہ کہے ہیں اور ایک زمین[1] میں صرف ایک غزل پر اکتفا نہیں کی بلکہ دوغزلہ اور سہ غزلہ یہاں تک کہ ہفت غزلہ تک کہا ہے چنانچہ شیخ امداد علی بحر کی ایک غزل جسکا ایک مقطع لکھا جاتا ہے ہفت غزلہ ہے اور شعراء کے بھی غزلیں ہفت غزلہ دیکھی گئی ہیں۔

[1] زمین غزل مراد ردیف و قافیہ سے ہے مع قید بحر کے ہے

سگ و دربان کے لئے کوچۂ جاناں چھوڑا   بحر تم رک گئے خاشاک سے دریا ہوکر

غزل کی سب سے آخری بیت کو ختم غزل اور مقطع کہتے ہیں فارس اور ہند کے شعرا نے ایک طریقہ یہ وضع کیا ہے کہ اپنی ذات کے لئے ایک مختصر سا نام اختیار کر لیتے ہیں اور اسکو اپنی نظم کے بیت آخر میں لاتے ہیں اسکا نام تخلص ہے یہ تخلص کبھی اصلی نام کا جزو ہوتا ہے جیسے انشا اللہ خاں کا تخلص انشا اور امیر احمد مینائی کا تخلص امیر تھا اور کبھی نام سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسے شیخ امام بخش کا تخلص ناسخ اور شیخ ابراہیم کا تخلص ذوق تھا۔ تخلص اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر نام شاعر کا ارکان بحر میں گنجایش پذیر نہیں ہوتا لہذا ضرورت تخلص کی ہوئی۔ بعض شاعر جو کئی زبانوں میں شعر کہتے ہیں وہ ہر زبان میں جداگانہ تخلص بھی اختیار کر لیتے ہیں مثلاً نواب مصطفے خاں کا تخلص فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تھا غزل میں عاشقانہ و رندانہ مضامین زیادہ ہوتے ہیں خواہ عشق مجازی ہو یا حقیقی اور قدما اسی کے پابند تھے اور اب بھی اکثروں کی رائے یہی ہے کہ جس شعر میں تغزل نہو اسکو وہ غزل کا شعر نہیں سمجھتے لیکن عام طور سے شعرا اسکے پابند نہیں ہیں اور ہر قسم کے مضامین مثل نصیحت و وعظ و معرفت الہی و مسائل فلسفیانہ وغیرہ سب نظم کرتے ہیں اردو کی غزل میں معشوق عورت و مرد دونوں ہوتے ہیں یعنی کبھی شعرا اس صفت سے اسکو ظاہر کرتے ہیں جو مخصوص عورتوں کے واسطے ہے اور کبھی ایسی صفت سے اسکو ظاہر

کرتے ہیں جو مردوں کے واسطے مخصوص ہے لیکن ضمائر معشوق کے لئے ہمیشہ مذکر لاتے ہیں۔ غزل میں الفاظ سادے ہوتے ہیں اور بیان میں بہت صفائی و سلاست ہوتی ہے جس سے سننے والے کے دل پر اثر ہوتا ہے گو اکثر شعرا نے مضامین بلند شاندار الفاظ کے ساتھ غزل میں استعمال کئے ہیں لیکن اصل میں غزل کی لطافت اسکی مقتضی نہیں ہے۔ غزل کے ہر شعر کا مضمون علیحدہ اور مختلف ہوتا ہے لیکن ایسی بھی غزلیں ہیں جنمیں ایک شعر سے دوسرے شعر کا سلسلہ ہوتا ہے اور ایسی بھی غزلیں ہیں جن میں بلا سلسلہ صرف ایک ہی چیز کا ذکر ہوتا ہے۔

مثال اس غزل کی جسکے ہر شعر میں صرف ایک ہی چیز کا ذکر بلا سلسلہ ہے

میر

شب وہ جو پیے شراب نکلا ۔۔۔ جانا یہ کہ آفتاب نکلا

قربان پیالۂ مئے ناب ۔۔۔ جس سے کہ ترا حجاب نکلا

تجھ بن جو پیا تھا قطرۂ مے کا ۔۔۔ آنکھوں سے ہو خون ناب نکلا

مستی میں شراب کے جو دیکھا ۔۔۔ عالم یہ تمام خواب نکلا

شیخ آنے کو میکدے میں آیا ۔۔۔ پر ہو کے بہت خراب نکلا

اک جرعہ شراب ہی میں واعظ ۔۔۔ ہر مسخرگی کا باب نکلا

تھا غیرت بادہ عکس گل سے ۔۔۔ جس جوے چمن سے آب نکلا

مثال غزل مسلسل ۔ نواب یوسف علی خاں صاحب ناظم ۔ والی رام پور

میں نے کہا کہ دعوئے الفت مگر غلط ۔۔۔ کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط
تاثیر آہ و زاریِ شب ہائے تار جھوٹ ۔۔۔ آوازۂ قبولِ دعائے سحر غلط
سوزِ جگر سے ہونٹ پہ تبخالہ افترا ۔۔۔ شورِ فغاں سے جنبشِ دیوار و در غلط
ہاں سینے سے نمایشِ داغِ دروں دروغ ۔۔۔ ہاں آنکھ سے تراوشِ خونِ جگر غلط
آجائے کوئی دم میں تو کیا کچھ نہ کیجئے ۔۔۔ عشقِ مجاز و چشمِ حقیقت نگر غلط
بوس و کنار کے لئے یہ سب فریب ہیں ۔۔۔ اظہار پاکبازیِ ذوقِ نظر غلط
لو صاحب آفتاب کہاں اور ہم کہاں ۔۔۔ احمق بنیں ہم اسکو نہ سمجھیں اگر غلط
سینے میں اپنے جانتے ہو تم کہ دل نہیں ۔۔۔ ہمکو سمجھتے ہو کہ ہے انکی کمر غلط
مٹھی میں کیا دہری تھی کہ چپکے سی سونپ دی ۔۔۔ جانِ عزیز پیشکشِ نامہ بر غلط
پوچھو تو کوئی مر کے بھی کرتا ہے کچھ کلام ۔۔۔ کہتے ہیں جان دی ہے سرِ رہگذر غلط
ہم پوچھتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا ۔۔۔ مرنے کی اپنے روز اڑائی خبر غلط
آیت نہیں حدیث نہیں جسکو مانئے ۔۔۔ ہے نظم و نثرِ اہلِ سخن سر بسر غلط
یہ کہہ سنا جواب میں ناظم ستم کیا ۔۔۔ کیوں یہ کہا کہ دعوئے الفت مگر غلط

مثال غزل غیر مسلسل - آتش

مگر اسکو فریبِ نرگسِ مستانہ آتا ہے
اُلٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی
گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے

فراق یار میں دل پر نہیں معلوم کیا گذری
جو اشک آنکھوں سے آتا ہے سو بیتابانہ آتا ہے

بگولے کی طرح کس کس خوشی سے خاک اڑاتا ہوں
تلاش گنج میں جو سامنے ویرانہ آتا ہے

سمجھتے ہیں مرے دل کی وہ کیا نافہم و ناداں ہیں
حضورِ شمع بے مطلب نہیں پروانہ آتا ہے

طلب دنیا کی کرکے زن مریدی ہو نہیں سکتی
خیالِ آبروے ہمت مردانہ آتا ہے

ہمیشہ فکر سے یاں عاشقانہ شعر ڈھلتے ہیں
زباں کو اپنے بس اک حسن کا افسانہ آتا ہے

تماشا گاہ ہستی میں عدم کا دھیان ہے کسکو
کسے اس انجمن میں یاد خلوت خانہ آتا ہے

زیارت ہوگی کعبہ کی یہی تعبیر ہے اسکی
کئی شب سے ہمارے خواب میں بت خانہ آتا ہے

عتاب و لطف جو فرماؤ ہر صورت سے راضی ہیں
شکایت سے نہیں واقف ہمیں شکرانہ آتا ہے

خدا کا گھر ہے بت خانہ ہمارا دل نہیں آتش
مقام آشنا ہے یاں نہیں بیگانہ آتا ہے

۲۔ قصیدہ

قصیدہ | قصیدہ کے لغوی معنی گاڑھے مغز کے ہیں اور اصطلاح میں اُن اشعار کا نام ہے جس میں کسی کی مدح یا ہجو کی جاتی ہے یا وعظ و پند یا تعریف بہار یا شکایت روزگار وغیرہ کے مضامین ہوتے ہیں اور وہ اشعار معانی دقیق و صنائع بدائع لفظی و معنوی کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں جس سے زور طبیعت شاعر کا معلوم ہوتا ہے اور برخلاف غزل کے قصیدے میں متانت و جزالت و شوکت الفاظ و مضامین عالیہ بلند خیالی ہوتی ہے غزل کی طرح اس میں بھی ایک یا کئی مطلع ہوتے ہیں باقی اشعار فرد ہوتے ہیں لیکن غزل میں جتنے مطلع ہوتے ہیں سب یکے بعد دیگرے ہوتے ہیں اور قصیدے میں درمیان میں بھی مطلع لاتے ہیں اُردو میں سودا اور ذوق قصیدہ گوئی میں ممتاز شعرا مانے جاتے ہیں قصیدہ کے اشعار کی تعداد

کم سے کم پندرہ ہے اور زیادہ سے زیادہ ستر ہے لیکن فصحاے متاخرین کے قصیدے دو دو سو شعر تک پائے جاتے ہیں بعض شعراے فارسی نے بھی اکیسو بیس شعر تک حد قصیدے کی مقرر کی ہے اور عرب کے شعرا نے تو پانچ پانچ سو اشعار قصیدے کے کہے ہیں یہ بھی دستور ہے کہ قصیدے اپنے حرف ردیف سے مشہور ہوتے ہیں مثلا حرف آخر بیت قصیدہ کا لام ہے تو لامیہ اور میم ہے تو میمیہ علیٰ ہذا القیاس۔ اور بعض قصیدے اپنے مضمون سے مشہور ہوتے ہیں یعنی جو ذکر ان میں ہوتا ہے اوس سے منسوب ہو جاتے ہیں مثلاً قصیدے میں بہار ہے تو بہاریہ اور اگر عشق ہے تو عشقیہ اور اگر فخر و مباہات ہے تو فخریہ کہلاتے ہیں۔ کبھی شعرا خود قصیدے کا نام رکھ لیتے ہیں مثلاً انشا نے اپنے ایک قصیدے کا نام جو صنعت عاطلہ میں ہے طور الکلام رکھا ہے سودا نے اپنے قصیدوں کے نام باب الجنۃ اور بحر بیکراں اور تضحیک روزگار رکھا ہے حسرت نے اپنے ایک قصیدے کا نام جسکی ردیف ساتوں ایک ہے گل باغ نجف رکھا ہے جس سے تاریخ بھی نکلتی ہے غرضکہ ہر صورت میں قصیدے کی دو قسمیں ہیں ایک تمہیدیہ دوسرا خطابیہ۔

قصیدہ تمہیدیہ

الف تمہیدیہ ۔ تمہید کے معنی لغت میں فرش بچھانے کے ہیں چونکہ تمہیدیہ قصائد میں ممدوح کی مدح یا اور مطلب جو شاعر کا ہوتا ہے چند امور زائد کے ذکر کرنے کے بعد بیان کیا جاتا ہے پس یہی فرش بچھانا ہے اور اس جگہ تمہید سے مراد یہ ہے

کہ مدح وغیرہ کے پیشتر چند بیتوں میں کچھ بہار کی صفت یا زمانے کی شکایت یا حسن وعشق کی کیفیت یا اور کوئی مضمون بیان کیا جاے اُس کے بعد عمدہ طور سے ربط دیکر ممدوح کی مدح یا جو کچھ مقصود ہو شروع کیا جاے تمہید کے بعد مطلب کی طرف متوجہ ہونے کو گریز یا **تخلیص** کہتے ہیں اور جس قصیدے میں گریز نہ ہو اُسکو **مُقتَضَب** کہتے ہیں۔ تمہید کو تشبیب بھی کہتے ہیں اور بعضوں نے اسکا نام نسیب بھی رکھا ہے۔ تشبیب شباب سے مشتق ہے اور نسیب بھی غزل کہنے اور عورت کے جمال کی صفت کرنے کے معنی میں ہے چونکہ ابتداً اہل عرب وفارس قصاید میں پہلے مضمون عشقیہ کہتے تھے لیکن اُسکے بعد پھر اسکی قید نہیں رہی کہ تمہید میں تغزل ہی ہو بلکہ ہر طرح کے مضامین لکھنے لگے مگر تمہید کا نام تشبیب یا نسیب ہی رہا یعنی مضامیں کے مختلف ہو جانے سے کوئی دوسرا نام تمہید کا نہیں رکھا گیا اگر تمہید عاشقانہ ہے تب بھی تشبیب کہلائی اور اگر واعظانہ ہے اُسوقت بھی تشبیب ہی کہلائی بہر نوع تشبیب بمنزلہ جزو قصیدہ کے ہے گویا قصیدے کا دیباچہ ہے لہذا بعض لوگوں نے جو اسکو ایک قسم جداگانہ قرار دیا ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ قصیدے ہی کے شمار میں ہے الغرض ایک ہی قصیدے میں ممدوح کو غائب فرض کرکے پھر خطاب پر آتے ہیں اور تعریف کرتے ہیں اور جو کچھ مدعا ہوتا ہے وہ عرض کیا جاتا ہے بعض شعرا غیبت سے خطاب کی طرف آتے وقت ایک اشارہ بھی کر دیتے ہیں جیسے کوئی مطلع مدح حاضر میں پڑھتا ہوں یا اور طرح پر اشارہ ہوتا ہے قصیدے کے آخر میں ممدوح کے حق میں دعا کرتے ہیں یا اگر قصیدہ

بزرگان دین کی شان میں ہوتا ہے تو اپنے لئے دعا کرتے ہیں بہر حال قصیدہ تمہیدیہ کے چار جزو ہیں۔ ایک تشبیب۔ دوسرے گریز۔ تیسرے اصل مطلب۔ چوتھے خاتمہ۔ اور چار چیزوں کا اچھا ہونا قصیدے میں ضروری بھی ہے ایک مطلع کہ سامع سُن کر خوش ہو جائے اور بقیہ قصیدہ سننے کا مشتاق ہو جائے۔ سودا کے مطلعوں کا زور دیکھو۔

اُٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل — تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل
ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی — نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

مطلع ثانی

عجب نادان ہیں جنکو ہے عجب تاج سلطانی — فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی
صباح عید ہے اور یہ سخن ہے شہرۂ عام — حلال دختر رز بے نکاح و روزہ حرام
اگر عدم سے نہو ساتھ فکر روزی کا — تو آب و دانہ کو لیکر نہو گُہر پیدا
مستغنی ذاتی نہ ہوس کی ہو تسخیر — معدن ہے جہاں سونے کا دل خاک ہے اکسیر
لباس دانہ روئیدہ ایک بار گرہ — کھلے جو کام سے میرے پڑے ہزار گرہ
چہرۂ مہر وش ہے ایک سنبل مشکفام دو — حسن بتاں کے دور میں ہے سحر ایک شام دو

دوسرے گریز اچھی ہونی چاہیئے اور یہ مقام قصیدے میں سب سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ دو نا آشنا مطلب کو باہم ربط دینا ایسا ہے جیسے دو وحشی کو آپس میں موافق بنانا۔ سودا کی گریزوں کا ربط دیکھو۔

غلط ہے تو زمانے میں سمجھے یہ سودا — کہ کار بستہ سے یاروں کی کھولیں یار گرہ

بغیر ناخن شیرِ خدا جہاں میں کوئی کسی کے کام کی کھولے نہ زینہار گرہ

ولہ

کاغذ و خامہ و تحریر و مرکب سودا ہو کے کہتے ہیں بیک اہل کرم چاروں ایک
شاہِ مرداں جو نہوتی تری خلقت منظور ہوتے عنصر نہ کبھی مل کے بہم چاروں ایک

یہ گریز ہیں منقبت علی ابن ابیطالب کی طرف ہیں۔ حرص ایک فرضی شخص کی باتوں کا جواب دیکر بسنت خاں خواجہ سرا بادشاہی کے مدح کی طرف گریز کرتا ہے۔

سنکر یہ حرف بولا سودا کہ قدر و رتبہ کب اشرفی روپے کی نزدیک عاقلاں ہو
یہ تو بڑے ہیں اتنے آفاق میں کہ جن کو کیسہ سے دور کیجئے کام اپنا تب رواں ہو
لعل و گہر جو پوچھو پتھر ہیں اور پانی رتبہ نہ انکو پیش ارباب ہمتاں ہو
نام انکو سے بہتر دنیا میں کیا نشاں ہے وہ بھی کوئی نشاں ہے جو فیل پر رواں ہو
ارض و سما کا ہونا قبضہ کے بیچ اپنے بے دعوئ خدائی کیونکر مجھے گماں ہو
جو کچھ کہا ہے تونے یہ تجھکو سب مبارک ہیں اور میرے سر پہ میرا بسنت خاں ہو

تیسرے حسن طلب۔ یعنی مداح ممدوح سے مقصد حاصل کرنے میں ایسی سحر بیانی و فسوں سازی کرے کہ التماس قبول ہو جائے۔

دریائے لطافت

دل مرا مجھسے طلب کرتا ہے سو دینار سرخ میں یہ کہتا ہوں کہ مفلس پاس اتنا زر کہاں
سکے کہتا ہے کہ تمکو شرم بھی آتی نہیں جھوٹ سے کیا فائدہ فرمایئے اے مہرباں

آپ ہیں مداح ایسے کے کہ جسکے ہاتھ سے بحر کا کیسہ تہی ہے اور خالی جیب کاں
کسکو باور ہے کہ تم رکھتے نہیں ہو اندلوں اس قدر دولت کہ رکھتے تھے سلاطینِ کیاں

غالب

مہر تاباں کو تو ہو اے ماہ قرب ہر روزہ بر سبیلِ دوام
تجکو کیا پایہ روشناسی کا جز بتقریب عید ماہ صیام
جانتا ہوں کہ اُسکے فیض سے تو پھر بنا چاہتا ہے ماہ تمام
ماہ بن ماہتاب بن میں کون مجکو کیا بانٹ دیگا تو انعام
میرا اپنا جدا معاملہ ہے اور کے لین دین سے کیا کام
ہے مجھے آرزوے بخششِ خاص گر تجھے ہے امید رحمتِ عام
جو کہ بخشے گا تجکو فرِ فروغ کیا نہ دیگا مجھے مئے گلفام

چوتھے قصیدے کا آخر اچھا ہونا چاہیئے اس لئے کہ سامع تمام ابیات سنکر بھول جاتا ہے اور اخیر کا منتظر رہتا ہے اگر آخر اچھا ہوا تو تمام ابیات از سر نو لطف دینگے ورنہ سارے قصیدے کا مزہ جاتا رہے گا۔

انشا سلیمان شکوہ کے مدحیہ قصیدے میں

ہر چند ہوں میں بے سر و ساماں ولیک آج آیا ہوں تجھ سے با سر و ساماں کے سامنے
کلغی مجھے بھی ہوئے تعجب نہیں کہ تھا ہدہد کے سر پہ تاج سلیماں کے سامنے

داغ

دعا آٹھوں پہر ہے ہفت اقلیم آئے قبضہ میں ترے قلعہ کے ٹھہرے ربع مسکوں چار دیواری

مثال قصیدہ تمہیدیہ کی۔ ذوق

شب کو میں اپنے سرِ بستر خواب راحت — نشۂ علم میں سرمست غرور و نخوت
مزے لیتا تھا پڑے علم و عمل کے اپنے — تھا تصور مرا ہر امر میں تصدیق صفت
ہوگیا علم حصولی تھا حضوری مجکو — تھا مرا ذہن نہ محتاج حصولِ صورت
جو مسائل نظری تھے وہ بدیہی تھے تمام — عقل کو تجربے کی اتنی ہوئی تھی کثرت
نہ غرض مجکو نتیجے سے نہ کچھ شکل سے کام — تھی مری فکر کو ہر شکل خطا سے عصمت
ذہن میں سب مرے حاضر صور علمیہ — پر جتانی نہ تھی منظور مجھے علمیت
چار و ناچار جو ترغیب سے یاروں کی کبھی — درس و تدریس پہ آجاتی تھی مجکو رغبت
کبھی ہمت تھی مری قاعدۂ صرف میں صرف — کبھی تھی نحو میں ہر نحو مجھے محویت
کبھی منطق کو تفوق یہ مرے ناطقے سے — تحت حکمت ہو یہ فن گرچہ ہے تحت حکمت
کبھی میں کرتا تھا تصریح معانی و بیاں — کبھی میں کرتا تھا توضیح نجوم و ہیئت
کبھی تھا علم الٰہی کی طرف ذہن رسا — کبھی کرتی تھی طبیعی میں طبیعت جودت
کبھی تھا عقل پہ مذہب مرا مانند حکیم — کبھی مثل متکلم مجھے پاس ملت
کبھی کرتا تھا قدم چرخ کا ثابت بجہات — اور کبھی کرتا تھا باطل بہ سما المنشقت
کبھی انکار قیامت پہ میں لاتا تھا دلیل — کبھی تکرار تناسخ پہ مجھے سو حجت
حشر اجساد میں تھا گاہ تردد مجھکو — کبھی تھی عالم برزخ میں مجھے اک حیرت
کبھی تھی عرصۂ تدویر فلک کی مجھے سیر — کبھی میں ناپتا تھا سطح زمیں کی وسعت

کبھی ثابت مرے نزدیک فلک کی گردش — کبھی مثبت مرے نزدیک زمیں کی حرکت
کبھی میں کرتا تھا اعراض میں جوہر قائم — کبھی میں کرتا تھا معلول سے ثابت علت
کبھی منقول پہ مائل کبھی سوے معقول — کبھی میں فقہ پہ راغب کبھی سوے حکمت
کبھی کرتا تھا مجسطی پہ حواشی تحریر — کبھی کرتا تھا اشارات و شفا کی صحت
کبھی میں کرتا تھا قانون سے تشریح علاج — کبھی میں کرتا تھا قاموس میں تصحیح لغت
کبھی مشائیوں سے کرتا تھا میں پیش روی — کبھی لیجاتا تھا اشراقیونپر میں سبقت
کبھی میں نفی حقائق میں تھا سوفسطائی — کبھی میں معتزلی باعث ردِ رویت
گہ ملاحدہ کی تھی تردید کلام الحاد — گہ وجودی و شہودی سے بیانِ وحدت
کبھی میں شیخ و شیوخ اور کبھی شیخ رئیس — کبھی علامہ کبھی صوفی صافی طینت
مائل موسقی ایسا کہ ادا کرتا تھا — کبھی میں بارہ مقام اور کبھی چاروں مت
کبھی میں شاعر و ادیب دان بلیغ — نظم میں نام مرا نثر میں میری شہرت
کبھی پیش نظر انجیل و زبور و توریت — کبھی مصحف میں نظر میری سر ہر آیت
کبھی زردشتیوں میں ایسا کہ سارے موبد — ژند و پاژند میں کرتے تھے مری تبعیت
کبھی یہ آگہی شاستر و بید و پران — کروں اک بات سے پنڈت کی کتھا میں کھنڈت
آخرش دیکھا تو العلم حجاب الاکبر — عاقبت پایا تو ہاں ابلہ کو اہل جنت
فائدہ کیا جو ہر اک علم کی جانی تعریف — فائدہ کیا جو ہر اک فن کی کھلی ماہیت
لے مقدر نہ پڑے صورت بہبود نظر — دور آئینۂ دل سے نہو زنگ کلفت
علم سے لاکھ ہو شیخی تری پر بے تقدیر — نہ کہے کوئی تجھے شیخ علیہ الرحمت

یہ مقالات مثال قصص مصنوعہ — ہوئے اکبار جو افسانۂ خواب غفلت
لگ گئی آنکھ مری دیکھتا کیا خواب میں ہوں — کہ مجسم نظر آتی ہے نوید بہجت
اللہ اللہ رے حسن اُس کا کہ سرتا بہ قدم — تھا وہ خالق کا تماشائے ظہور قدرت
چنپئی رنگ کا وہ اپنے دکھا کر عالم — ایک عالم کا ہو دل لیکے بغل میں چنپت
آکے اُس رشک مسیحا نے کہا بالیں پر — لاتنم قم کہ یہ غافل نہیں وقت غفلت
دیکھ تو کیا افق مشرق انوار سے ہے — جلوہ افروز رخ بانوے صبح عزت
چرخ مینائی پر اک سبز پری کا عالم — شفق صبح پر اک لال پری کی حالت
دی ہے مسجد میں موذن نے اذاں بہر نماز — باوضو ہوکے نمازی نے ہے باندھی نیت
ہوئی بتخانے سے ناقوس کی پیدا آواز — چلے جمنا کو برہمن کوئی لیکر مورت
سحر عید ہے کر عید کا سامان نشاط — روز شادی کی ہے آمد شب غم کی رخصت
فکر کر تہنیت عید کا اُس شاہ کی تو — دور میں جس کے ہے ہر صبح صباح دولت
وہ شہنشاہ بہادر شہ کسرے انصاف — خسرو جم خدم و داور دارا حشمت
قوت ملت دیں قامع کفر و الحاد — حامی شرع نبی ماحی شرک و بدعت
کون اُس کا نہیں وصاف صفات نیکو — کون اُس کا نہیں سرگرم ثنا و مدحت
سنتے ہی میں نے بھی وہ مطلع روشن لکھا — مطلع صبح کو ہو سننے سے جسکے خجلت

مطلع ثانی

مصحف رخ ترا اے سایۂ رب العزت — کھولدے معنی انعمت علیکم نعمت

تیرا آوازۂ دولت ہے مقام امید
تیرا ایوان عدالت ہے محل عبرت

تیرے عشرت کدے میں دخل کسے غیر نشاط
تیرے خلوت کدے میں بار کسے جز طاعت

صفحۂ علم پہ ہر جبیں سے تو ہم زانو
حجلۂ عیش میں ناہید سے تو ہم صحبت

ماہ نو ایک فلک پر ترے نوبردوں میں
نو فلک نوکروں میں تیرے قدیم الخدمت

کیسۂ گوہر انجم ترا صرف انعام
طاقۂ اطلس گردوں ترا وقف خلعت

نیتِ نیک تری آئینۂ حسن عمل
عمل خیر ترا جلوۂ حسنِ نیت

تجھ سے راضی ہے خدا اور خدا کا محبوب
تیرا حامی ہے نبی اور نبی کی عترت

کیا اللہ نے جب تجھ سا ولی نعمتِ خلق
کیونکر واجب نہ خلائق پہ ہو شکر نعمت

نطق شیریں سے ترے عام حلاوت ہو اگر
ثمر تلخ ہو حنظل کا سبوے شربت

آئے طوفاں جو ترے قہر کا طغیانی پر
کشتی نوح بھی اعدا کو ہو گرداب صفت

وہ تری تیغ کی برش ہے کہ سایہ جسکا
کرے اک دم میں ہیولے سے مفارق صورت

آسیا وار پھرے کیوں نہ فلک گرد زمیں
تیرے توسن کے جو کاوے کی اڑا جائے پھبت

کیا ترے فیل کے اوصاف لکھوں کہ وہ ہے
ابر رفتار جبل پیکر و گردوں رفعت

اسکی خرطوم ہے گر طرۂ لیلیٰ کی مثال
تو ہیں دندان صفا ساعد سلمیٰ کی صفت

آب یاران کرم تیرا ہے وہ شربت خضر
برسے لالے پہ تو افیوں میں نہ ہو سمیت

عدل کے لفظ کو دیتا نہیں نقطہ کوئی
عدل سے تیرے جو موقوف ہے رسم رشوت

دور انصاف میں گر تیرے ہو کشتہ سیماب
تو بلا شبہ پڑے دینی مہوس کو دیت

عید کو دیکھ ترے ساتھ خلائق کا ہجوم
کہے عارف کہ یہ کثرت میں ہے پیدا وحدت

منتھی ہوں نہ کبھی تیری صفاتِ نیکو | گر بیاں کیجیئے تا حشر صفت بعد صفت
ذوق کرتا ہے دعائیہ پہ اب ختم سخن | کہ زباں کو ہے نہ یارا نہ قلم کو طاقت
عید ہر سال مبارک ہو تجھے عالم میں | با شکوہ و حشم و جاہ و بعمر و صحت
خیر خواہوں کے ترے چہرے پہ ہو رنگ نشاط | اور بد خواہوں کے رخسار پہ اشک حسرت

قصیدہ خطابیہ

ب ۔ خطابیہ یا مجردیہ اسکو کہتے ہیں کہ ابتدائے قصیدہ سے مدح یا ہجو وغیرہ یا جو اصل مطلب ہو شروع کر دیا جائے اور تمہید نہ کہی جائے ۔ مثال اُسکی شہیدی کا یہ قصیدہ ہے جسکے منتخب شعر بہ نظر اختصار لکھے جاتے ہیں ۔

طلوعِ روشنی جیسے نشاں ہو شہ کی آمد کا | ظہورِ حق کی حجت ہے جہاں میں نورِ احمد کا
دبستانِ ازل میں وہ معلم عقلِ کل کا تھا | نہ تھا نام و نشاں جن روز داں اس لوحِ ابجد کا
عجم میں زلزلہ نوشیرواں کے قصر میں آیا | عرب میں شور اُٹھا جسدم اُسکی آمد آمد کا
چمن پیرائے کن فراش اُسکی بزم رنگیں میں | بہارِ آفرینش ایک بوٹا اُسکی مسند کا
شرف حاصل ہوا آدم اور ابراہیم کو اُس سے | نہ تنہا فخرِ عالم فخر تھا ابنائے اب و جد کا
شب و روز اُسکے صاحبزادوں کا گہوارہ جنباں تھا | عجب ڈھب یاد تھا روح الامیں کو بھی خوشامد کا
وہ اس عالم میں رونق بخش تھا جو دونکی گلیں کو | گیا جنت میں طوبیٰ بن کے سایہ اُس سہی قد کا
شبِ معراج چڑھکر عرش پر دم میں اُتر آیا | بیاں اُس قلزمِ معنی کے کیا ہو جزر اور مد کا
گذر وحدت سے کثرت میں نہوتا ذاتِ مطلق کو | نہ بنتا صفر گر نقشِ احد میں میم احمد کا
بھروسا ہر کسی کو اک حصارِ عافیت کا ہے | مجھے نام مبارک کا ہے ذو القرنین کو سد کا

ترے پابوس سے ہفتم فلک پر منزل کیواں
ترے سجدے سے ہشتم آسماں پر فرق فرقد کا

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق کا شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدد کا

بیٹھینگے جس گھڑی عشرت کے سامان بزم جنت میں
کھلیگا حال امت کو ترے انعام بیحد کا

خدا بن مانگے کیا کیا نعمتیں دیتا ہے بندوں کو
ترا دست دعا ضامن ہے حب کُل کے مقصد کا

رہا کعبے میں تیرے در کے روضے پر نہ جا پائی
اسے اندوہ سے ہے رنگ تیرہ سنگ اسود کا

لب گوہر فشاں وا ہونگے جب عرض شفاعت کو
تماشا گاہ محشر میں تکینگے نیک منہ بد کا

عدو کو حشر تک انکار ہو تیری رسالت میں
محل باقی رہے اللہ کے قول موکدّ کا

تری تعریف سے میری زباں میں آئی ہے تیزی
صفاہاں تک مسخر ہوگا اس تیغ مہند کا

پھٹینگے مثل تقویم کہن دیواں ہزاروں کے
ہوا عالم میں شہرہ میرے اشعار مجدد کا

ہوئی ہے ہمت عالی مری معراج کی طالب
میسر ہو طواف اے کاش مجکو تیرے مرقد کا

کبھی نزدیک جا کر آستانے پر ملوں آنکھیں
کبھی میں دور بیٹھوں اور کروں نظارہ گنبد کا

مدینے کی زمیں کے گر نہ لایق ہو مرا لاشہ
کسی صحرا میں واں کے میں خورش ہوں دام او دد کا

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طایر روح مقید کا

قدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے
زباں پر میرے جس دم آتا ہے محمدؐ کا

۳۔ مثنوی

مثنوی اور اُسکے اوزان

لغت میں مثنوی منسوب ہے مثنیٰ کی طرف اور مثنیٰ میم مفتوح اور سکون ثاے مثلثہ و نون مفتوح و الف مقصورہ

سے دو کے معنی میں ہے جب یائے نسبت اُسکے آخر میں لگائی گئی تو الف مقصورہ واو سے بدل گیا اور اصطلاح میں اون اشعار کو مثنوی کہتے ہیں جس میں دو دو مصرع باہم مقفیٰ ہوں۔ مثنوی کے سات وزن مقرر ہیں لیکن بعض شعرا نے اُن اوزان کے علاوہ اور اوزان بھی اختیار کئے ہیں اُن ساتوں اوزان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ بحر متقارب مثمن محذوف الآخر یا مقصور الآخر۔

وزن فعولن فعولن فعولن فعل یا فعول دو بار اردو میں اس وزن میں سب سے بہتر مثنوی سحر البیان مصنفہ میر حسن ہے جس کے دو شعر دونوں وزنوں میں لکھے جاتے ہیں۔

کروں پہلے توحید یزداں رقم — جھکا جس کے سجدے کو اول قلم
فعولن فعولن فعولن فعل — فعولن فعولن فعولن فعل
پرستش کے قابل ہے تو اے کریم — کہ ہے ذات تیری غفور الرحیم
فعولن فعولن فعولن فعول — فعولن فعولن فعولن فعول

۲۔ بحر ہزج مسدس محذوف الآخر یا مقصور الآخر۔

وزن مفاعیلن مفاعیلن فعولن یا مفاعیل دو بارہ اس وزن میں اُردو میں بہترین مثنوی سید اسمٰعیل حسین صاحب منیر کی موسومہ معراج المضامین ہے جو فضایل ومعجزات چہاردہ معصومینؑ میں ہے جس کے دو شعر دونوں وزنوں میں حسب ذیل ہیں۔

خداوندا تر عبد اقل ہوں — اسیرِ حلقۂ طولِ امل ہوں

مفاعیلن مفاعیلن فعولن — مفاعیلن مفاعیلن فعولن

سیہ کاری میں خالِ روئے ظلمات — کجی میں حلقۂ گیسوئے ظلمات

مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل — مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل

۳۔ بحرِ ہزج مسدس اخرب مقبوض محذوف الآخر یا مقصور الآخر

وزن مفعول مفاعلن فعولن یا مفاعیل دو بار۔
اس وزن میں بحرِ ہزج مسدس اخرم اشتر محذوف الآخر یا مقصور الآخر وزن مفعولن فاعلن فعولن یا مفاعیل کو بھی ایک ہی نظم میں جمع کر دینا جائز ہے۔ بہترین مثنوی اس وزن میں اُردو میں مثنوی گلزار نسیم مصنفہ پنڈت دیا شنکر نسیم ہے۔ جسکے اشعار چار دل وزنوں میں لکھے جاتے ہیں۔

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری — ثمرہ ہے قلم کا حمد باری

مفعول مفاعلن فعولن — مفعول مفاعلن فعولن

خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر — نیرنگ بہار باغ کشمیر

مفعول مفاعلن مفاعیل — مفعول مفاعلن مفاعیل

مانگا کاغذ دوات خامہ — لکھا گلچیں کے نام نامہ

مفعولن فاعلن فعولن — مفعولن فاعلن فعولن

حمالہ نام دیونی ایک — چھوٹی بہن اُسکی تھی بڑی نیک

مفعولن فاعلن مفاعیل — مفعول مفاعلن مفاعیل

۴- بحر خفیف مسدس مخبون محذوف الآخر یا مقصور الآخر

وزن فاعلاتن مفاعلن فعلن یا فعلان دو بار۔ اس وزن میں اردو میں چھوٹی مثنویوں میں زہر عشق نواب مرزا شوق کی اور مبسوط مثنویوں میں طلسم الفت آفتاب الدولہ قلق کی بہت مشہور مثنویاں ہیں پرانی مثنویوں میں میر کی دریائے عشق بھی بہت خوب مثنوی ہے جسکے دو شعر دونوں وزنوں میں لکھے جاتے ہیں۔

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال	ہر جگہ اسکی اک نئی ہے چال
فاعلاتن مفاعلن فعلان	فاعلاتن مفاعلن فعلان
دل میں جاکر کہیں تو درد ہوا	کہیں سینے میں آہ سرد ہوا
فاعلاتن مفاعلن فعلن	فاعلاتن مفاعلن فعلن

۵- بحر رمل مسدس محذوف الآخر یا مقصور الآخر۔

وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن یا فاعلان دو بار اردو میں اس وزن میں کوئی بہت مشہور و مقبول مثنوی نہیں ہے مرزا فصیح کی مثنوی نان و نمک غنیمت ہے اور چھوٹی چھوٹی مثنویاں کئی ایک ہیں مثال کے لئے مثنوی ایجاد رنگیں تصنیف سعادت یار خاں رنگیں کے دو شعر دونوں وزنوں میں لکھے جاتے ہیں۔

میں جو چندے دہر میں مہماں رہا	گرچہ دانا تھا ولے ناداں رہا
فاعلاتن فاعلاتن فاعلن	فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

میں نے جیتے جی کیئے لاکھوں گناہ | جان کر نامہ کیا اپنا سیاہ
فاعلاتن فاعلاتن فاعلان | فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

۴- بحر رمل مسدس مجنون محذوف الآخر یا مقصور الآخر۔

وزن فاعلاتن فعلاتن فعلن یا فعلان دو بار۔ اس وزن میں پہلے فعلاتن کی جگہ فاعلاتن سالم رکن اکثر آتا ہے حکیم مومن خاں کی مثنوی موسومہ قول غمیں سے تین شعر نقل کیئے جاتے ہیں۔

ساقیا زہر پلا دے مجکو | شربت مرگ چکھا دے مجکو
فاعلاتن فعلاتن فعلن | فاعلاتن فعلاتن فعلن
ہاں سیہ مستی حرماں پہ نگاہ | دے وہ مے یعنی کف مار سیاہ
فاعلاتن فعلاتن فعلان | فاعلاتن فعلاتن فعلان
اور کہنا بھی ضروری مجکو | کہ نہیں ضبط و صبوری مجکو
فاعلاتن فعلاتن فعلن | فعلاتن فعلاتن فعلن

۷- بحر سریع مسدس محذوف الآخر یا مقصور الآخر۔

وزن مفتعلن مفتعلن فاعلن یا فاعلان دو بار۔ اس وزن میں بھی اردو میں چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں۔ سودا کی ایک مثنوی الاطبا کی تعریف میں ہے اور ایک حکیم غوث کی ہجو میں ہے دوسری مثنوی کے دو شعر دونوں وزنوں میں مثال کے لیئے لکھے جاتے ہیں۔

صدر کے بازار میں ہے اک دو بنگ | عار اطبا و طبابت کا ننگ

مفتلعن مفتعلن فاعلان مفتلعن مفتعلن فاعلان

کشتنِ خلق اُسکا غرض کام ہے مرگ و قضا مفت میں بدنام ہے

مفتلعن مفتعلن فاعلن مفتعلن مفتلعن فاعلن

اس کے علاوہ اور اوزان میں بھی مثنویاں شعرا نے کہی ہیں۔ مثلاً۔

میر۔[۵۱] چشمِ کرشمہ جانِ تغافل شایاں اُسکے شانِ تغافل

فعل فعولن فعل فعولن فعل فعولن فعل فعولن

مومن خاں کی بھی ایک مثنوی اسی بحر میں ہے اس وزن میں [۵۲] فعلن فعلن فعلن فعلن کا بھی وزن ایک ہی وزن میں جمع ہوجاتا ہے۔[۵۳]

میر۔ جھکا لبوے قدم پہ خروس ہیجاں کا زمیں پہ تاج گرا ہدہد سلیماں کا

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

میر۔[۵۴] اُسے جھوٹ آج شہر میں تراہی ورد ہے شیوہ یہی سبھوں کا یہی سب کا طور ہے

مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

محمد حسین آزاد کی مثنوی شب قدر اور مثنوی ابر کرم کا بھی یہی وزن ہے اور سوز کی بھی ایک مثنوی اس بحر میں ہے۔ محمد حسین آزاد کی ایک مثنوی موسم زمستاں ہے جسکا وزن فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن ہے اُسکا ایک شعر

---

[۵۱] بحر متقارب مثمن اثرم سالم الآخر
[۵۲] بحر متدارک مثمن مخبون
[۵۳] بحر مجتث مخبون محذوف مسکن
[۵۴] بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف

یہہ ہے۔

ہے[۵] جوان لیتا اسی شب میں جوانی کا مزہ　　　اور جو بڈہا ہے تو لیتا ہے کہانی کا مزہ

بہرحال شعرا نے اوزان مقررہ کے علاوہ دوسرے وزنوں میں بھی مثنویاں کہی ہیں اور اُن میں بعض مثنویاں شوخی ادا و سلاست بیان میں بےمثل بھی ہیں لیکن یہ وزن مثنویوں کے نہیں ہیں۔

۴۔ مسمط

مسمط اور اُسکے اقسام

مسمط مفعول ہے تسمط کا اور تسمیط کے معنی موتی پرونے اور جمع کرنے کے ہیں اور اصطلاح شعرا میں مسمط اُسے کہتے ہیں کہ چند مصرع متحد الوزن و القوافی جمع کرکے بند اول کریں اور کئی بند اُسی وزن میں کہیں اور ہر بند کا قافیہ جدا ہو لیکن اگر تعداد مصرعوں کی طاق ہو تو مصرع آخر ہر بند کا قافیہ میں بند اول کا تابع ہو اور اگر جفت ہو تو اسکی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہو جائیگا۔ مسمط کی آٹھ قسمیں ہیں۔ مثلث۔ مربع۔ مخمس۔ مسدس۔ مسبع۔ مثمن۔ متسع۔ معشر۔

مثلث کی صورتیں

مثلث۔ اُسکو کہتے ہیں کہ جس کے ہر بند میں تین تین مصرع ہوں پہلے تینوں مصرعوں کا ایک ہی قافیہ ہوتا ہے باقی بندوں میں دو مصرع قافیہ جداگانہ میں لکھ کر تیسرے مصرع میں قافیہ بند اول کی رعایت سے رکھتے ہیں اور یہی اصلی صورت مثلث کی ہے مثلاً۔ نادر

---

۵ بحر رمل مثمن مخبون محذوف

علی کا کون ہے دنیا میں ہمسر   خدا کا ہاتھ بازوئے پیمبر
علی بعد نبی ہر ایک سے بہتر

خدا کے گھر میں گو عیسیٰ کی ماں تھیں   مگر وقت ولادت واں سے نکلیں
علی پیدا ہوئے کعبے کے اندر

کبھی کسی شخص کی غزل پر ایک مصرع لگا کر مثلث کر لیتے ہیں جیسے مومن نے عرفی شیرازی کی غزل پر مصرع لگا کر مثلث کیا ہے۔

لذت فزاست در دل شبہا گریستن   خوش درخوراست حسرت طوبی گریستن
پنہاں ملول بودن و پیدا گریستن

حیراں ہوں دیکھ ربط گل و شبنم اے ہزار   بیدردرا بہ صحبت ارباب دل چہ کار
خندیدن آشنا نبود با گریستن

کبھی پہلے بند کے مصرع آخر کی ہر بند کی گرہ میں تکرار کرتے ہیں۔

نظام الدین میرٹھی

خوشی اک مشغلہ ہو رات دن کا   شمار افزوں ہو اسکے سال و سن کا
خدا حافظ خدا حافظ کنوئین کا

کنوئین دنیا کے ہر خطے میں نامی   غریبوں اور مسکینوں کی حامی
خدا حافظ خدا حافظ کوئیں کا

کبھی ایک ہی مصرعہ کی تکرار ہر بند میں کرتے ہیں لیکن شروع میں جو بند ہوتا ہے اسمیں بھی تیسرے مصرع کے (جسکی تکرار کرتے ہیں) قافیہ کی

پابندی نہیں کرتے۔ **ظفر**

دنیا ہے سرا اسمیں تو بیٹھا مسافر ہے اور جانتا ہے یاں سے جانا تجھے آخر ہے
کچھ راہ خدا دیجا جا تیرا بھلا ہوگا

جو رب نے دیا تجھکو تو نام پہ رب کے دے گر یاں نہ دیا تو نے کیا دیویگا واں بندے
کچھ راہ خدا دیجا جا تیرا بھلا ہوگا

بعض شعرائے خلاف اصطلاح جمہور کے بھی اس قسم کو استعمال کیا ہے۔ مثلاً عبدالمجید ازل لاہوری نے ہر بند جدا گانہ ردیف وقافیہ میں رکھا ہے۔

ہم ہیں جب محروم تیرے دید سے کیا غرض ہمکو ہلالِ عید سے
کیا مزہ ہمکو وصالِ عید سے

عید کیا ہم بے قراروں کی بھلا عید کیا فرقت کے ماروں کی بھلا
عید کیا ہو دل فگاروں کی بھلا

اور نظام رامپوری نے دوسرے اور تیسرے مصرع میں قافیہ کی پابندی کی ہے۔

گلِ فردوس سے حوروں نے تو گوندھا سہرا کہہ نیساں سے کہ تو موتیوں کا لا سہرا
اچھے نوشہ کے لئے چاہیے اچھا سہرا

جوش میں آکے جو مستوں کیطرح جھومتا ہے کس کی آنکھوں کا ہے یہ دیکھنے والا سہرا
مست و مدہوش ہے کسواسطے ایسا سہرا

عکس چہرہ سے ہے نوشہ کے ہراک گل شاداب　　عرق رخ سے بنا نور کا دریا سہرا
لہریں لیتا ہے پڑا موج میں کیا کیا سہرا

مربع کی صورتیں | **مربع** - اس میں چار چار مصرع ہوتے ہیں پہلے بند میں چاروں مصرع ہم قافیہ ہوتے ہیں اسکے بعد ہر ایک بند میں صرف تین مصرع ہم قافیہ ہوتے ہیں اور چوتھے مصرع میں قافیہ بند اول کی متابعت ہوتا ہے - اس قسم میں متقدمین نے اکثر مرثیے کہے ہیں -

سودا

بولے ہیں مرغ چمن آج کہ نالاں ہیں ہم　　کہتے ہیں گل کہ سدا چاک گریباں ہیں ہم
ہے یہ سنبل کی زباں زد کہ پریشاں ہیں ہم　　نرگستاں کا سخن یوں ہے کہ حیراں ہیں ہم
جامہ ماتمیاں ہے بہ تن نیلو فر　　آتش غم سے ہے لالے کا نت اٹھہ داغ جگر
قمری کو سمجھو کہ اخگر ہے تہ خاکستر　　سرو کہتا ہے یہی آہ گلستاں ہیں ہم

کبھی کسی کی غزل پر دو مصرع لگا کر مربع کر لیتے ہیں - جیسے منشی عبد العلی خاں تونگر نے حکیم نجم الغنی نجمی کی غزل پر مصرع لگائے ہیں -

جان جاتی ہے یہاں ہجر بت دلجو میں　　دل نہیں ہے مرا بے یار مرے قابو میں
بے قراری نہ ہو کسطرح ہر اک آنسو میں　　درد فرقت کا ہے شدت سے مرے پہلو میں
تپش مہر رخ یار سے تن گل جاتا　　سر سے لے تا بہ قدم آبلوں سے پھل جاتا
طالب دید تو بس دیکھتے ہی جل جاتا　　سرد مہری کا جو ہوتا نہ اثر مہر و میں

کبھی ایسا کرتے ہیں کہ پہلے بند کے مصرع آخر کی باقی بندوں میں تکرار

کرتے ہیں۔

مولوی محمد اسمٰعیل

تنے گا مسرت کا اب شامیانہ بجے گا محبت کا نقار خانہ
حمایت کا گائیں گے مل کر ترانہ کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ
نہ ہم روشنی دن کی دیکھیں گے لیکن چمک اپنی دکھلائیں گے اب بھلے دن
رکے گا نہ عالم ترقی سے کئے بن کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

کبھی چاروں مصرع ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر بند کے قافیے جدا گانہ رکھتے ہیں یعنی بند اول کے مصرع چہارم کے قافیہ کی پابندی نہیں کرتے۔

مولوی اکبر حسین اکبر

کانفرنس احباب سے پُر ہے جو صف ہے وہ سلک دُر ہے
سب کو یاد اوستاد کا گر ہے دلکش ہر اسپیچ کا سُر ہے
بیٹھے ہیں ممبر بھولے بھالے جاڑے کا موسم پھولے پھالے
آنکھیں پھاڑے دانت نکالے چندہ دیکر پھنسنے والے

مخمس کی صورتیں | مخمس۔ اُسکو کہتے ہیں کہ پانچ پانچ مصرع کے بند لکھے جائیں اور ہر بند کا صرف پانچواں مصرع متحد الوزن والقوافی ہو۔

سودا

کہا میں آج یہ سودا سے کیوں تو ڈانواں ڈول پھرے ہے جا کہیں نوکر ہو لیکے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اُسکے جواب میں دو بول جو میں کہونگا تو سمجھے گا تو کہ ہے یہ ٹھٹھول

بتا کہ نوکری بکتی ہے ڈھیروں یا تول

سپاہی رکھتے تھے نوکر امیر و دولت مند — سو آمد انکی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
کیا ہے ملک کو مدت سے سرکشوں نے پسند — جو ایک شخص ہے بائیس صوبوں کا خاوند
رہی نہ اسکے تصرف میں فوجداری کول

اکثر ایسا کرتے ہیں کہ غزل کے اشعار پر تین تین مصرع لگاتے ہیں اور یہ قسم مخمس کی بہت شائع ہے قریب قریب متقدمین سے لیکر متاخرین تک ہر شاعر نے غزلوں پر مصرع لگائے ہیں۔

تخمیس امیر بر غزل نواب یوسف علی خان صاحب ناظم

کیا کیجئے وہ کہتے ہیں ہر بات پر غلط — اظہار غم کیا تو کہا سر بسر غلط
یہ درد دل و داغ یہ زخم جگر غلط — میں نے کہا کہ دعوئ الفت مگر غلط
کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کسقدر غلط

طوفان جوش گریہ بے اختیار جھوٹ — آتش فشانی جگر داغدار جھوٹ
زور کمند جذب دل بیقرار جھوٹ — تاثیر آہ و زاری شب ہائے تار جھوٹ
آوازۂ قبول دعائے سحر غلط

کبھی ایسا کرتے ہیں کہ پہلے بند کے مصرع آخر کی ہر بند کے گرہ میں تکرار کرتے ہیں۔

جرات

جب سے اے راحتِ جاں تجھسے جدا رہتا ہوں
کیا کہوں سخت مصیبت میں پھنسا رہتا ہوں
مضطر و ششدر و حیران و خفا رہتا ہوں
کسی چرچے میں تو مشغول میں کیا رہتا ہوں
منہ لپیٹے ہوئے دن رات پڑا رہتا ہوں

کیا بیاں اپنی جوانی کا کروں میں غمگین
طاقت اب بسترِ اندوہ پہ ہلنے کی نہیں
نہ تو بیٹھوں ہوں نہ اُٹھتا ہوں نہ جاتا ہوں کہیں
یاد کرکے تری صحبت کو بس اے پردہ نشیں
مُنہ لپیٹے ہوئے دن رات پڑا رہتا ہوں

مسدس کی صورتیں | **مسدس** - اس میں چھ چھ مصرع کا بند ہوتا ہے اور ہر بند کا چھٹا مصرع قافیہ میں بندِ اول کا تابع ہوتا ہے -

غلام محمد سمجھو ساکن سورت

چاہتا ہوں خامۂ انگشت ید بیضا کروں
طور کے شعلے کا کاجل لاؤں طور ایسا کروں
سنگ موسیٰ کی کھرل میں دیدہ بینا کروں
آب دراشک سے حل ہوسکے جتنا کروں
بہر کاغذ سایۂ بالِ ہما پیدا کروں
وصف اُس پیغمبر بے سایہ کا انشا کروں

ہے سیہ کاری پڑی جوں شانہ ہر ہر بال میں
زلفِ خوباں کے پھنسا ہوں بے طرح جنجال میں
کانٹے بالے کی مچھلی کی طرح ہوں جال میں
ہوں گرفتارِ بلا سودائے خط و خال میں
یا رسول اللہ تڑپتا ہوں کب تلک اس حال میں
آؤں بازارِ مدینہ میں کچھ اب سودا کروں

مسمط کی قسم سے جو مسدس ہے اُسکی مثال یہی بند ہیں جو اوپر لکھے گئے
فارسی میں منوچہری کے مسمطات جو مشہور ہیں وہ اسی قسم کے ہیں لیکن
اُردو میں یہ اس قدر متروک ہے کہ تلاش کرنے سے بھی اسکی مثال مشاہیر

شعرا کے یہاں نہیں ملتی اب اس طرح کا مسدس رائج ہے کہ ہر بند میں چار مصرع ایک قافیہ میں ہوتے ہیں اُسکے بعد ایک بیت دوسرے قافیوں کی لگا دیتے ہیں اور اس قسم میں کثرت سے شعرا کا کلام ہے یہ قسم ترکیب بند سے بھی علیحدہ ہے (کیونکہ ترکیب بند میں صرف پہلے شعر کے دونوں مصرع مقفیٰ ہوتے ہیں باقی اور شعروں میں صرف مصرع ثانی میں قافیہ ہوتا ہے) لیکن اس قدر مطبوع و رائج ہے کہ جس قدر کلام شعرا کا اس قسم میں ہے اور کسی قسم میں سوائے غزل کے نہیں ہے کیونکہ مراثی علی العموم اسی قسم کے مسدس میں ہیں اور دیگر مضامین بھی اس قسم میں نظم کئے گئے ہیں۔

انیس

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح
گلزار شب خزاں ہوئی آئی بہار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح
سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گزار صبح
تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ باد صبح کے جھونکوں کا دمبدم
مرغان باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا

کبھی ایک ہی شعر پہ چار چار مصرع برابر لگاتے جاتے ہیں اور اُن چار

مصرعوں میں شعر کے قافیہ کے علاوہ دوسرا قافیہ ہوتا ہے۔

امیر

ہر روش اور ہی سامان نظر آتے ہیں　　جان تازہ گل و نسرین و سمن پاتے ہیں
جھومتے ہیں جو شجر سرد ہوا کھاتے ہیں　　رقص کرتے ہیں تو طاؤس بھی چلاتے ہیں
تند و پرشور و سیہ مست زکہسار آمد
ساقیا مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

کرتے ہیں مرغ چمن شور گھٹا چھائی ہے　　ہر روش ناچتے ہیں مور گھٹا چھائی ہے
لطف برسات کا ہے زور گھٹا چھائی ہے　　صحن گلزار میں گھنگھور گھٹا چھائی ہے
تند و پرشور و سیہ مست زکہسار آمد
ساقیا مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

مسبع | **مسبع** - یہ سات مصرع کا بند ہوتا ہے پہلے بند کے ساتوں مصرع متحد الوزن والقوافی ہوتے ہیں اُسکے بعد ہر بند کے چھ مصرع دوسرے قافیوں میں اور ساتواں مصرع بند اول کے قافیہ میں ہوتا ہے۔

مثمن و متسع و معشر | **مثمن** - میں آٹھ آٹھ مصرع کا بند اور متسع میں نو نو مصرع کا بند اور معشر میں دس دس مصرع کا بند آسی رعایت سے جیسا کہ بیان کیا گیا ہوتا ہے مگر یہ قسمیں شعراء اردو کے یہاں متروک الاستعمال ہیں شاذ و نادر کسی رسالے میں بطور مثال کے لکھی گئی ہیں لہذا اُنکی مثالیں نہیں لکھی جائیں۔

جیساکہ مسدس شعرا نے ایجاد کیا ہے اُسی طرح مثمن میں بھی اکثر مشاہیر شعرا کا کلام ہے یعنی ہر بند میں چھ مصرع ایک قافیہ میں ہیں اُسکے بعد ایک بیت دوسرے قافیہ میں ہے اسکی مثال لکھی جاتی ہے۔

مومن

کل گھر میں وہ بیٹھے تھے سراسیمہ و حیراں — اس حال کے دیکھے سے ہوا حال پریشاں
غصہ کے سبب چھپ سکی رنجش پنہاں — سمجھا میں کہ یوں ہی تو ہے مایوسی و حرماں
انصاف کرو صبر کرے کب تلک انساں — ناچار کہا طعن سے میں نے کہ مری جاں

کس سوچ میں بیٹھے ہو ذرا سر تو اُٹھاؤ
گو دل نہیں ملتا ہے پر آنکھیں تو ملاؤ

دیکھو تو ادھر کو کہ کبھی یار تھے ہم بھی — غیروں کی طرح محرم اسرار تھے ہم بھی
سرمست مئے حسرت دیدار تھے ہم بھی — آئینہ نمط پشت بدیوار تھے ہم بھی
منظور نظر صورت اغیار تھے ہم بھی — اس چشم عنایت کے سزاوار تھے ہم بھی

یوں شربت دیدار سم آمیز نہیں تھا
کچھ نرگس بیمار کو پرہیز نہیں تھا

۵۔ قطعہ

قطعہ | قطعہ بکسر اول و سکون ثانی ہے اور بعض متاخرین کے نزدیک بفتح اول بھی ہے لغوی معنی اسکے ٹکڑے کے ہیں اصطلاح شعرا میں مراد اُن چند ابیات سے ہے کہ جن میں ایک بیت کا مطلب دوسرے بیت سے

متعلق ہو اور بیت اول مقفّٰی نہ ہو اور ردیف و قافیہ بیت اول کے مصرع ثانی پر ہو گویا بغیر مطلع کے غزل مسلسل یا قصیدہ مسلسل ہوتا ہے۔ غزل میں بھی قطعات پائے جاتے ہیں لیکن اب معیوب سمجھتے ہیں کبھی قطعہ میں کسی دوسرے کے یا اپنے شعر کو فارسی ہو یا اُردو یا کسی ضرب المثل کو تضمین کرتے ہیں شعرا نے قطعہ کی حد دو بیت سے لیکر ایک سو ستر بیت تک مقرر کی ہے۔

سودا

تیرے جویا ہیں اس چمن میں ہم ڈھونڈھتے ہے گل کو عندلیب بدست
تو بُرا مان مت مضایقہ کیا فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

غالب

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے
سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے
آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
اوستاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

ف۵ فارسی میں ایسے قطعات بھی ہیں جنمیں بیت اول بھی مقفّٰی ہے۔ لیکن اُردو میں معتبر شعرا کا یہ خیال ہے کہ چونکہ یہ علیحدہ قسم ہے لہذا غزل مسلسل سے مشابہ نہونا چاہیئے جیساکہ اوزان رباعی میں قطعات اسوجہ سے نہیں کہتے کہ رباعی سے مشابہ ہو جائیگا۔

میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدعا | جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے
سہرا لکھا گیا زرہ امتثال امر | دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات | مقصود اُس سے قطع محبت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ | سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے
قسمت بُری سہی پہ طبیعت نہیں بُری | ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے
صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ | کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

۶- رباعی

رباعی | اسکو دوبیتی اور ترانہ بھی کہتے ہیں اسمیں چار مصرع ہوتے ہیں جن میں چوتھا مصرع پہلے اور دوسرے مصرع کے ساتھ قافیہ میں متفق ہوتا ہے اور تیسرے مصرع کے واسطے لازم نہیں ہے کہ اسکا بھی وہی قافیہ ہو اور چوتھا مصرع تینوں مصرع سے بہتر ہوتا ہے گویا رباعی کی جاں وہی مصرع ہوتا ہے۔ رباعی کے چوبیس۲۴ وزن مقرر ہیں جنکا بیان علم عروض میں کیا جائیگا۔

مثال اُس رباعی کی جسمیں چاروں مصرعوں میں قافیہ ہو

غالب

بھیجی ہے جو مجکو شاہ جم جاہ نے دال | ہے لطف و عنایات شہنشاہ پہ دال
یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال | ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

مثال اُس رباعی کی جسکے مصرع اول و دوم و چہارم میں قافیہ

ہوتا ہے اور تیسرے مصرع میں نہیں ہوتا۔ اور یہی زیادہ شایع ہے

انیس

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

۷۔ ترکیب بند

ترکیب بند | ترکیب بند اسکو کہتے ہیں کہ کسی مضمون میں ایک غزل کے طور پر کچھ اشعار مع مطلع کے کہہ کر اسکے بعد ایک اور بیت مقفیٰ بطور گرہ کے لگاتے ہیں پھر دوسرے بند میں دوسری غزل بند اول کے وزن میں کہتے ہیں ہر ایک بند کی بیت یعنی گرہ مختلف لاتے ہیں کیونکہ اگر ایک ہی بیت کی ہر بند میں تکرار ہوگی تو اسکو ترجیع بند کہیں گے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

مومن بمرثیہ معشوق

خمیازہ عیش کا مرا دل کھینچتا ہے آج
آغوش رشک حلقۂ اہل عزا ہے آج
بربادِ شور رعد ہوا آب اشک پر
کیا و فور شیون و جوش بکا ہے آج
جیتے رہے تو لال طمانچوں سے منہ کیا
تغیر رنگ شرم و خجالت فزا ہے آج
پانی کے بدلے منہ میں بھر آئے ہے لہو
لب کاٹنے میں ہائے کہاں وہ مزا ہے آج
مجکو نہ اپنے ساتھ عدم میں لے گیا
ہر دم شکایت نفس نارسا ہے آج
آواز ہائے ہائے کی آتی ہے متصل
گردوں طلسم گنبد ماتم سرا ہے آج

اتنے کہاں حواس کہ تدبیر مرگ ہو | اپنی خبر نہیں مجھے کیا جانے کیا ہے آج
لے دل خبر لے نغمۂ شادی کو کیا ہوا | لب پر ہمارے نالۂ واحسرتا ہے آج
پیٹے مجھے جو روئے وہ کہتے تھے بارہا | کیا روپیئے اوسی کا ہمیں پیٹنا ہے آج
اُترے ہیں گلے سے گھونٹ نہ آب حیات کے | دل آہ زندگانی سے کتنا خفا ہے آج

مرنا یہ کس کا جان سے بیزار کر گیا
ماتم میں مر رہا ہوں میں یہ کون مر گیا

دل کی طرح سے یہ بھی چلی جان کو کیا ہوا | دم میں نہیں ہے دم مرے جاناں کو کیا ہوا
سر پیٹتا ہے شانہ پڑا دونوں ہاتھ سے | کیا جانے اُسکی زلف پریشاں کو کیا ہوا
پیتی ہے اپنا خون دلِ افسوس سے حنا | اُس دستِ رشک پنجۂ مرجاں کو کیا ہوا
شبنم کو پھر ہے جانبِ خورشید التفات | شرمندہ سازِ مہرِ درخشاں کو کیا ہوا
دل میں شکن ہے زلفِ مسلسل کدھر گئی | برہم ہے حال کاکلِ پیچاں کو کیا ہوا
لذت فزا نہیں الم اُس لب پہ کیا بنی | کچھ زخم بے مزہ ہیں نمکداں کو کیا ہوا
بوئے قبائے یوسفِ گل ہے نسیم میں | اُسکی شمیم عطر گریباں کو کیا ہوا
گردش یہ اپنے ناز ہے پھر روزگار کو | اُس چشمِ رشک فتنۂ دوراں کو کیا ہوا
دعویٰ ہے شوخیوں کا غزالانِ دشت کو | اُس خوش نظر کی جنبشِ مژگاں کو کیا ہوا
کتاں ہے سینہ چاک رخِ ماہ دیکھ کر | اُس روئے غیرت مہ تاباں کو کیا ہوا

عیب و حجاب شمع رخانِ جہاں گیا
وہ مہر آسمان نکوئی کہاں گیا

۸- ترجیع بند

ترجیع بند اور اُنکی صورتیں

ترجیع بند اُسے کہتے ہیں کہ ایک ہی شعر کی ہر بند کے گرہ میں تکرار ہو اسمیں اور ترکیب بند میں یہی فرق ہے کہ وہاں ہر گرہ میں مختلف شعر لگاتے ہیں اور یہاں ایک ہی شعر لگایا جاتا ہے۔

مومن

ساقی مئے سرخ رائگاں ہے — خم بھر لے کہ چشم خوں فشاں ہے
لبریز ہوا ہے کاسۂ عمر — کیا دور بلائے ناگہاں ہے
جام مئے عشق سے چھکا ہوں — یہ زہر گُشندہ نوش جاں ہے
یکبارگی آگئی خموشی — بدمستئ شوق سرگراں ہے
اُٹھے بھی نہ تھے کہ گر پڑے ہم — کیا لغزش پا زماں زماں ہے
کس پردہ نشیں نے تیز دیکھا — اس جوش پہ رازِ دل نہاں ہے
یوں غور سے پند گو کی باتیں — سننے کا مرے سبب عیاں ہے
یعنی وہی جاں کر کروں میں — جس بات میں جان کا زیاں ہے
چپ لگنے کا ماجرا نہ پوچھ آہ — کب حرف یہ لایقِ بیاں ہے
اے ہمدم جاں نواز تجھ سے — کیا دل کی کہوں میں دل کہاں ہے

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نبود از من

لو چھوڑ مجھے چلا گیا دل — ہے آس سے زیادہ بیوفا دل

دلدار کے کھینچنے پڑے ناز — افسوس کہ میرے پاس تھا دل
یہ دشمنِ جاں تمہیں مبارک — یعنی نہیں میرے کام کا دل
کیوں دعوئے دلربائی اتنا — مائل اُدہر آپ ہی ہوا دل
دیتا ہوں دم ایسے فتنہ گر پر — انصاف سے دیکھنا مرا دل
اُس چشم نے کردیا خراب آہ — تھا ورنہ بہت ہی پارسا دل
کیسی مری جان پر بن آئی — اللہ بگڑ گیا ہے کیا دل
گھونٹے ہے کوئی گلے کو ہردم — کیا بات کروں کہ ہے خفا دل
اے محرم راز کیا کروں میں — کس آفتِ جاں سے ہے لگا دل
اے مونسِ غمگسار ہر دم — کیا پوچھے ہے کیونکہ لے گیا دل

آن شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نبود از من

کبھی ترجیح بند میں ایسا بھی کرتے ہیں کہ بند میں جسقدر مصرع ہوتے ہیں سب مقفیٰ ہوتے ہیں اور یہ مسدس و مثمن و معشر یا زیادہ مصرعوں کا بھی ہوتا ہے۔ مسدس جیس طرح امیر کا ترجیح بند جو مسدس کی مثال میں لکھا گیا اور معشر ترجیح بند شہید کا جسکا ایک بند یہ ہے۔

جب چلا چاند مدینے کا سوے رب جلیل — بجھ گئی مہر درخشاں کی فلک پر قندیل
شیر فردوس کی رکھی کہیں آدم نے سبیل — کہ اسی راہ سے گذریگا وہ فرزند جمیل
فرش خلعت کا بچھاتے تھے کسی جا پہ خلیل — کہیں یوسف تھے کھڑے اور کہیں اسمٰعیل

روح پر روح لگی گرنے براہِ تعجیل   جب ہوا نغمہ سرا صور میں یوں اسرافیل

مرحبا سید مکی مدنی العربی

دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اسی طرح مثمن ترجیع بند مولوی سید احمد بریلوی کا ہے جسکی گرہ میں اس بیت کی تکرار کی ہے۔

دل کو مرے تسخیر کیا اک عربی نے   مکی مدنی ہاشمی و مطلبی نے

مولوی کافی نے ایک ترجیع بند کہا ہے اُسکے ہر بند کے سولہ سولہ مصرع مقفیٰ ہیں گویا مثمن مضاعف ہے اور اُسمیں شیخ سعدی کے اس شعر کی تکرار کی ہے۔

گر بر سر و چشم من نشینی   نازت بکشم کہ نازنینی

ترکیب بند اور ترجیع بند میں تعداد اشعار ہر بند میں برابر ہونا چاہئے بندوں کی تعداد محدود نہیں ہے جس قدر بند چاہیں کہیں۔

۹- مستزاد

مستزاد اور اُسکی صورتیں	مستزاد اُسکو کہتے ہیں کہ رباعی کے مصرعوں کے ساتھ ایک ایک فقرہ رباعی کے وزن کا ملحق کر دیں شعرا

نے غزل کے ساتھ بھی غزل کے وزن کا فقرہ لگا کر مستزاد کیا ہے۔ مستزاد دو قسم کے ہوتے ہیں مستزاد عارض۔ مستزاد لازم۔ مستزاد عارض وہ ہے کہ مضمون شعر کا فقرے پر منحصر نہو اور مستزاد لازم

یہ ہے کہ معنی اُسکے فقرے پر منحصر ہوں۔ انمیں قسم اول یعنی مستزاد عارض بہتر مانا گیا ہے ایک ہی نظم میں دونوں قسموں کا جمع کرنا جائز سمجھا گیا ہے چنانچہ مثالوں سے معلوم ہو جائیگا مستزاد کی کئی صورتیں ہیں یا ایک یا کئی فقرے ہر ایک مصرع کے آخر میں ہوتے ہیں یا اسی طرح سے ایک یا کئی فقرے ہر شعر کے آخر میں ہوتے ہیں۔

ہر ایک مصرع کے ساتھ فقرے کی زیادتی کی مثالیں غزل میں۔

ظفر

میں ہوں عاشق مجھے غم کھانے سے انکار نہیں + کہ ہے غم میری غذا
تو ہے معشوق تجھے غم سے سروکار نہیں + کھائے غم تیری بلا
دل و دیں تیرے حوالے کیئے کرتے ہی طلب + اور جو کچھ کہا سب
پھر جو بیزار ہے تو مجھسے بتا اسکا سبب + میری تقصیر ہے کیا
ہے حیاتِ ابدی گر ہو شہادت حاصل + ترے ہاتھوں قاتل
تیرے اب دم شمشیر کو تیرا بسمل + سمجھے ہے آب بقا

پانچوں مصرع مستزاد عارض ہیں لیکن چھٹا مصرع مستزاد الزام ہو گیا۔
اس غزل میں قافیہ کی بنا جو ٹکڑا لگایا گیا ہے صرف اُس پر ہے لیکن ایسی صورت بھی ہوتی ہے کہ قافیہ کی بنا مثل غزل کے مصرع ثانی پر بھی ہوتی ہے

اور ٹکڑے پر بھی۔

انشا

میں نے جو کہا ہوں میں ترا عاشق و شیدا + اے کان ملاحت

فرمانے لگے ہنس کے سنو اور تماشا + یہ شکل یہ صورت

کعبے کا کروں طوف کہ بتخانے کو جاوں + کیا حکم ہے مجھکو

ارشاد میرے حق میں بھی کچھ ہوئیگا آیا + اے پیر طریقت

جیسا کہ مذکورۂ بالا مثالوں میں ہر مصرع کے ساتھ ایک فقرہ زاید لگا ہوا ہے ایسی ہی ہر ایک مصرع کے ساتھ دو یا تین یا زاید فقرے بھی لگا دیتے ہیں یہاں تک کہ انشا اللہ خاں نے ریختی میں ایک مستزاد پانچ پانچ فقروں کا نظم کیا ہے۔

میں[۱] پھاند کے کل رات جو دیوار نجاتی۔ کنڈی نہ ہلاتی۔ جا کر نہ جگاتی۔

نیند اُسکو نہ آتی۔ جو بن کی وہ ماتی۔ تیوری نہ ملاتی۔

اور چٹکیوں میں میرے تئیں صبح اوڑاتی۔ ہاتھوں پہ نچاتی۔ گاتی

نہ بجاتی۔ کھانے کو نہ کھاتی پر تو نہ بلاتی۔ سو سو ہلے گاتی۔

۱؎ - اسکی ضرورت نہیں ہے کہ ایک سے زاید جو فقرے ہوں وہ پہلے فقرے کے ہم قافیہ ہوں جیسا کہ اس شعر میں ہے لیکن اسکی ضرورت ہے کہ آخر کے فقرے جو اشعار میں ہوں وہ ہم قافیہ ہوں۔

ہر ایک شعر کے ساتھہ فقرے کی مثال

سید حسین ایما

اُس رشک مسیحا کے جدائی میں ہے حال عاشق کو نہ ہے صبر نہ طاقت ہے بدن میں
بیمار ہے گویا

کس طرح ادا ہو سکے اُس بت کا سراپا خاموش زباں ہوتی ہے اوصاف دہن میں
اسرار ہے گویا

فریاد ہے بسمل ہوں تری تیغ نگہ کا خنجر کی طرح پڑتی ہے عاشق کے بدن میں
تلوار ہے گویا

اسی طرح سے آخر شعر میں بجائے ایک فقرہ کے دو یا زیادہ فقرے بھی لگا دیتے ہیں۔

مستزاد کی مثال رباعی میں

گہ دین میں تھا لقب یگانہ اپنا + تھے بت سے خفا
گاہے صنموں کو ہمنے جانا اپنا + اللہ ری خطا
سب دیر و حرم کی خاک چھانی مومن + کیا خاک کہیں
دیکھا تو کہیں نہیں ٹھکانا اپنا + جی بیٹھہ گیا

سودا نے ایک مربع مستزاد لکھا ہے۔

ہے ایک روایت ز روایات پر از غم + رو اسکو تو سن کر

میداں میں شہ دیں کے مارے گئے جدم + سب خویش و برادر
زینب سے لگے کہنے یہ تب سرورِ عالم + تم سنتی ہو خواہر
سر پر نہ رہا کوئی مرے مونس و ہمدم + غیر از دم خنجر
یہ کہہ کے ہوا شاہ کا میداں کو اہنگ + رخصت ہو بہن سے
اور راست کئے اپنے بدن پر سلح جنگ + ہمشکل کفن سے
اُس آن حرم بیچ قیامت کا ہوا رنگ + فرقت کے محن سے
اکبار گیا شیون و لہاے پر از غم + افلاک سے اودہر

۱۰ - فرد

فرد | فرد اُسے کہتے ہیں کہ ایک بیت بلا قافیہ متضمن مضمون خاص کی کہیں اور بعضوں کے نزدیک مصرعوں کا قافیہ مختلف ہونا ضرور نہیں۔ اور ابیات غزل وغیرہ پر اطلاق فرد کا نہیں ہوسکتا یعنی غزل اور قصیدے کی بیت کو فرد نہیں کہیں گے فرد خاص ہے اور بیت عام فرد اُسی شعر کو کہنا چاہئے جو تنہا ایک شعر کہا گیا ہو اس لیئے کہ اگر ہر بیت بے قافیہ وغیرہ پر اطلاق فرد کا ہوتا تو قسم جداگانہ کیوں قرار پاتی۔

لڑا نہ اُس بت خانہ خراب سے آنکھیں
نہو تو بیٹھے بٹھاے خراب اے مومن

فصل دوم اقسام نثر کے بیان میں

نثر کی تعریف | نثر اُس کلام کو کہتے ہیں جو موزوں نہو اور اگر موزوں ہو تو بے قصد نظم

کتب خانہ

ہوگیا ہو فقرہ نثر میں ایسا ہے جیسے نظم میں بیت

نثر کی قسمیں باعتبار الفاظ کے۔	نثر کی باعتبار الفاظ کے تین قسمیں ہیں۔ مسجع۔ مرجز۔ عاری۔
نثر مسجع کی تعریف اور اسکی مثال	نثر مسجع۔ اسکو کہتے ہیں کہ فقروں کے الفاظ آخیر ہم قافیہ ہوں۔

فسانہ عجائب

فضائے صحرا قابلِ تحریر۔ کیفیت دشت گلشن آسا لائق تقریر۔ بو باس ہر برگ گل کی رشک مشک اذفر صفحۂ بیابان معنبر و معطر۔ چمنوں کا پانی صفا میں آب گہر سے آبدار تر۔ ذائقے میں بہ از شیر و شکر۔ چلّے کے جاڑے کڑاکے کی سردی تھی۔ گویا زمیں سے آسمان تک یخ بھر دی تھی۔ پرند چرند اپنے اپنے آشیانوں اور کاشانوں میں جمے بیٹھے بھوک پیاس کے صدمے اُٹھاتے تھے۔ دھوپ کھانے کو باہر نہ آتے تھے قصد سے تھرتھراتے تھے۔ سردی سے جی جلتا تھا۔ دمِ تقریر ہر ذی حیات کے منہ سے دھواں دھار دھواں نکلتا تھا۔ آواز کسی کی کان تک کسی کے کم جاتی تھی۔ منہ سے بات باہر نکلی اور جم جاتی تھی۔

نثر مسجع کے دونوں فقرے اگر الفاظ میں متساوی ہوں تو یہ عبارت کا اعلیٰ درجہ کا حسن ہے لیکن اگر متساوی نہ ہوں تو فقرہ ثانی فقرہ اول سے طویل ہونا چاہیئے اگر اسکے برعکس ہو تو مستحسن نہیں خیال کیا جاتا۔ فقرے

دو قسم کے ہوتے ہیں یا قصیر یا طویل فقرہ قصیر کے الفاظ کی حد دو سے دس تک ہے اور فقرہ طویل کے الفاظ کی حد گیارہ پچیس تک سے ہے اس سے زیادہ اگر الفاظ فقرے میں ہوں تو وہ عیب میں داخل ہے۔ فقرے جتنے چھوٹے ہوتے ہیں اتنی ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں اس سبب سے کہ قافئے قریب واقع ہوتے ہیں۔ جیسے

یار محمد خاں شوکت

تقصیر معاف ہو۔ بڑے بے انصاف ہو۔ کل کی بات بھول گئے۔ جو آج پھول گئے۔ خوش تقریر ہو۔ مگر بڑے شریر ہو۔

اگر دوسرے فقرے کے تمام الفاظ پہلے فقرے کے تمام الفاظ مقابل کے ہم وزن وہم قافیہ ہوں تو اسکو مرصع کہتے ہیں۔ جیسے۔ کان ملاحت معدوم میان معدن بیوفائی چالاک یگانہ دلبر عیار کے شوق میں بیقرار ہوں۔ اور جان صباحت موہوم دہان مخزن دلربائی سفاک زمانہ کا فرطرار کے ذوق میں اشکبار رہوں۔ اس عبارت کا حسن یہ ہے کہ دونوں فقروں میں کوئی لفظ مکرر نہ آئے۔

نثر مسجع کی تعریف اور مثال جو لکھی گئی وہ بعضوں کے نزدیک نثر مقفیٰ ہے وہ لوگ نثر مرصع کو مسجع کہتے ہیں اُنکے نزدیک صنعت ترصیع صرف نظم میں آتی ہے یعنی نثر میں اگر صنعت ترصیع آجاے تو اُسکو مسجع کہتے ہیں اور نظم میں اگر یہ صنعت آجاے تو اُسکو مرصع کہتے ہیں۔ مثلاً یہہ اشعار

مرصع ہیں۔

صہبائے

گل و بلبل اور بوستان عجیب مل و قلقل اور دوستان غریب

نسیم

ہمت نے مری تجھے اڑایا غفلت نے تری مجھے چھوڑایا

یعقوب علی خاں نصرت

عالم ہیں یہ علیم ہیں یہ باخبر ہیں یہ حاکم ہیں یہ حکیم ہیں یہ داد گر ہیں یہ
راحم ہیں یہ رحیم ہیں یہ راہ بر ہیں یہ سالم ہیں یہ سلیم ہیں یہ باہنر ہیں یہ
باصر ہیں یہ بصیر ہیں اہل وفا ہیں یہ
قادر ہیں یہ قدیر ہیں اہل سخا ہیں یہ

نثر مرجز کی تعریف اور اسکی مثال

نثر مرجز۔ وہ ہے جو مرصع کے برعکس ہو یعنی جسمیں دونوں فقروں کے الفاظ مقابل ہم وزن ہوں اور قافیہ نہ رکھتے ہوں۔ مثلاً۔ عیش عالم نقش برآب ہے اور رنج دنیا خاک برباد نہ اسکا قیام ہے نہ اسکو ثبات۔ اسمیں فقروں کے الفاظ مقابل ہم وزن ہیں یعنی عیش کے مقابل رنج اور عالم کے مقابل دنیا اور نقش کے مقابل خاک اور برآب کے مقابل برباد اور قیام کے مقابل ثبات سب ہم وزن ہیں لیکن ہم قافیہ نہیں ہیں۔

حسب رائے صاحب بحر الفصاحت نثر مرجز کی تعریف اور اسکی مثال

صاحب بحر الفصاحت اس کے خلاف ہیں

اور صاحب غیاث اللغات نے جو نثر مرجز کی یہی تعریف کی ہے جو ہمنے بیان کی ہے اسپر سخت معترض ہیں اُنکے نزدیک نثر مرجز وہ ہے کہ جسمیں وزن شعر ہو اور قافیہ نہ ہو جیسے انگریزی کی بلیک درس (نظم بلا قافیہ) یعنی وزن دارد و قافیہ ندارد سے مراد وہ وزن شعر لیتے ہیں اور مثال میں آغا غنی کی تقریظ جو انتخاب یادگار مولفہ امیر مینائی پر اُنہوں نے لکھی ہے لائے ہیں جسکا وزن مفعول مفاعیلن ہے اور جسکے شروع کے فقرے یہ ہیں۔ دیوان حقیقت کے مطلع ہیں یہ دو مصرع۔ اک حمد الٰہی ہے۔ اک نعت پیغمبر ہے۔ اس مطلع روشن کے۔ معنی منور سے ہر ذرہ بھی ہے واقف۔ سنتے ہیں ازل سے سب۔ یہہ مطلع نورانی۔ پر اسکے سوا اب تک۔ اس ساری غزل میں سے اک شعر نہیں پایا۔ لیکن مجھے ہاتھ آیا۔ اسوقت غنی موقع۔ میں سب کو سناتا ہوں۔ اس مطلع یکتا کا جو حسن ازل سے ہے۔ اسوقت موافق سب۔ کیونکہ نہ ثنا خواں ہو۔ سامان غزل خوانی۔ کیا خوب مہیا ہے دربار میں حاضر ہیں۔ نقاد رمعنی۔ عالم کو سخن میرا۔ سننے کی تمنا ہے۔

صاحب بحر الفصاحت کی رائے سے اختلاف

لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب نثر کی تعریف خود بھی اُنہوں نے یہی کی ہے کہ کلام ناموزوں کا نام نثر ہے تو پھر موزوں کلام نثر مرجز کیسے ہوگا۔ اب رہگیا یہہ سوال کہ جب یہ نثر نہیں ہے تو نظم کی کونسی قسم ہے جواب آسکا یہ ہے کہ بیشک اقسام مقررہ نظم میں سے

کسی قسم کے اندر یہ کلام داخل نہیں ہے شاعر نے یہ تتبع انگریزی (بلیک ورس) اسکو نظم کیا ہے اور قصد نظم کلام ہی سے ظاہر ہے اس طرح کی بہت سی نظمیں محمد حسین آزاد و مولوی اسمٰعیل وغیرہ کی ہیں جو محض انگریزی کے تتبع میں کہی گئی ہیں اور اقسام نظم میں سے جو اردو فارسی میں معین ہیں خارج ہیں پس نہ یہ اردو کی نثر ہے اور نہ نظم بلکہ انگریزی کی نقالی ہے۔

نثر مرجز کی اصلیت | نثر مرجز اصل میں سجع^(۵۱) موازنہ ہے اور سجع موازنہ اسکو کہتے ہیں کہ دونوں فقروں کے الفاظ اخیر متفق الوزن ہوں لیکن حرف اخیر میں مختلف ہوں جیسے دل معاد سے غافل ہے اور جان ذکر سے فارغ۔ غافل اور فارغ فقروں کے آخیر الفاظ ہیں جو ہم وزن ہیں لیکن حرف آخیر میں موافق نہیں ہیں یعنی ہم قافیہ

---

۵۱ سجع صنائع لفظی میں سے ایک صنعت ہے جسکے اقسام علم بدیع میں بیان کئے جائینگے لیکن سجع سجع نگین کو بھی کہتے ہیں یعنی کسی شخص کا نام کسی فقرہ یا مصرع یا آیت کلام الٰہی میں مندرج کرکے نگیں پر کھدواتے ہیں یا تختی وغیرہ پر لکھا کر مکانوں میں لگاتے ہیں۔ جیسے لاتقنطوا من رحمۃ اللہ اس آیت میں رحمۃ اللہ نام شخص کا آگیا یا ورشہر علم محمد علی۔ یہ سجع محمد علی کے نام کا ہے اس میں تلمیح ہے اس حدیث کی طرف۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا۔ یا بروز قیامت محمد شفیع یہ سجع محمد شفیع کے نام کا ہے یا نام محمد کالے۔ یہ سجع ہے محمد کالے کے نام کا۔ غالب نے احمد حسن کے نام کا سجع یوں کیا ہے دل حیدر وجان احمد حسن۔ اُستادوں نے یہ بات قرار دی ہے کہ سجع میں فعل ماضی یا مضارع وحروف ربط وضمیر وغیرہ حتی الامکان نہ آئے۔

نہیں ہیں۔ جب نثر کے تمام الفاظ میں یہ صنعت ہوتی ہے تو وہ نثر مرجز کہلاتی ہے اور جب نظم میں یہ صنعت تمام الفاظ میں ہوتی ہے تو مماثلتہ کہلاتی ہے۔ جیسے غالب کے اس قطعہ کے بعض اشعار۔

اے شہنشاہ فلک منظر و بے مثل و نظیر　　اے جہاندار کرم شیوہ و بے شبہ و عدیل
تیرا اندازِ سخن شانۂ زلف الہام　　تیری رفتار قلم جنبشِ بالِ جبریئل

نثر عاری | **نثر عاری**۔ اسکے الفاظ میں نہ وزن کی قید ہوتی ہے نہ قافئے کی یعنی ان سب چیزوں سے عاری ہوتی ہے اسکو روزمرّہ بھی کہتے ہیں اور آج کل یہی نثر اُردو میں رائج ہے اس سبب سے کہ نثر مسجع و مرجز کا کوچہ اظہار خیالات کے لئے بہت تنگ ہے اُسمیں حسب خواہش مطلب نہیں ادا ہو سکتا۔ مثال۔

آب حیات

اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اُردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے لیکن وہ ایسی زبان نہیں ہے کہ دنیا کے پردہ پر ہندوستان کے ساتھ ہی آئی ہو اسکی عمر آٹھ نو سو برس سے زیادہ نہیں اور برج کا سبزہ زار اسکا وطن ہے۔

نثر کے اقسام باعتبار معنی کے | بہ لحاظ معنی کے نثر کی دو قسمیں ہیں۔ سلیس اور دقیق۔ سلیس وہ ہے کہ جسکے معنی بآسانی سمجھ میں آجائیں اور دقیق وہ ہے جسکے معنی دقّت سے سمجھے جائیں انمیں سے

ہرایک کی دو قسمیں ہیں سادہ اور رنگین۔ سادہ وہ ہے جسمیں مطلب کو بغیر رعایت مناسبات کے ادا کیا جاے اور رنگیں وہ ہے کہ اداے مطلب میں ایک طرح کے الفاظ کی رعایت ہو۔ بہرحال معنی لحاظ سے نثر کی چار قسمیں ہیں۔

نثر سلیس سادہ کی تعریف اور اُسکی مثال

سلیس سادہ۔ جسکے معنی بہ آسانی سمجھ میں آئیں اور مطلب کو اُس میں بدون رعایت مناسبات کے ادا کیا ہو۔

بحر الفصاحت

دریاے ستلج سے اُس طرف زبان پنجابی ہے اور جسقدر دریاے ستلج سے اس طرف دہلی تک نظر کریں تو اُردو زیادہ تر فصیح ہوتی جاتی ہے دہلی دار السلطنت اور اُسکے گرد و نواح سے جسقدر آگے بڑہیں برج بہاشا اور پوربی داخل ہوتے ہوتے بنگالی بن جاتی ہے اور جس قدر جنوب کو چلے جائیں مارواڑی داخل ہوتے ہوتے دکنی اور گجراتی ہو جاتی ہے۔

نثر دقیق سادہ کی تعریف اور اُسکی مثال

دقیق سادہ۔ وہ ہے جس میں مطلب کو بغیر رعایت مناسبات کے ادا کیا ہو لیکن معنی کسی قدر دقت سے سمجھ میں آئیں۔

انتخاب از تقریظ مولوی عبد الحق صاحب خیرآبادی بر کتاب امیر اللغات

ہر زبان جو مافی الضمیر کی ترجمان ہے اپنی خصوصیات میں ضرور امتیاز

رکھتی ہے اگرچہ وہی مفردات وہی مرکبات وہی کنائے وہی تمثیلیں وہی مقام استعمال وہی مثلیں وہی مقولے ہیں جو لغات میں مستعمل ہیں لیکن خصوصیات لسانی کا بتانا نہایت مشکل اور نکتہ لاینحل ہے یہ مسلم ہے کہ لغت کا موضوع لفظ مفرد ہے مفردات اصلی۔ مادے کی جستجو۔ اشتراک لفظی یا معنوی حقیقت یا مجاز بتانا اسکے عوارض ذاتی اور محل بحث ہیں لیکن اسکے موضوع کو جو مختلف خلطوں سے مخلوط ہوکر ہر خاص و عام کی زبان پر آتا ہے اس طور پر ملحوظ رکھنا کہ خاص زبان اور اسکے الفاظ اور مستعملات اغالیط ناگہانی سے الگ ہو کر ممتاز رہیں یا بحث کے مقامات اون عوارض سے الگ ہوں جو عوارض ذاتی یا نوع عوارض ذاتی سے جدا اور اغراض غریبیہ میں داخل یا اسکے عین ہیں کوئی آسان امر نہیں کبھی کبھی اس عموم موضوعیت کے علاوہ خاص خاص وہ پہلو بھی مبحوث عنہ ہوجاتے ہیں جو خاص ایک زمان سے متعلق اور دوسری زمان کے موضوع یا عنوان موضوع کے خلاف ہوتے ہیں۔ مثلاً بعض جملے جو ہیئت ترکیبی کی وجہ سے مفردات کے کل ہیں اور مفردات اسکے جزو ہیں بظاہر ہر موضوع کی نوعیت اور شخصیت سے الگ اور جدا ہوتے ہیں جس سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ کیوں یہ محل بحث اور موضوعیت میں داخل ہیں۔

نثر سلیس رنگین کی تعریف اور اسکی مثال

سلیس رنگین۔ وہ ہے جسکے معنی سہل ہونے کے ساتھ ادائے مطلب میں مناسبات الفاظ کی

رعایت ہو۔

انشائے سرور

اس سال نیا ساز و سامان ہے۔ ہولی شبرات بہار سے دست و گریبان ہے۔ باغبان ازل دفینہ چمن نکالے گا بوٹہ پتا جوبن نکالے گا۔ نسیم سحر غنچوں کی گانٹھ ٹٹولنے لگی عبیر و گلال گرہ سے کھولنے لگی۔ تختہ لالہ چراغاں کا ڈھنگ دکھاتا ہے۔ نہروں میں فوارہ پچکاری کا رنگ دکھاتا ہے۔ کوسوں تک سبز مخمل کا فرش بچھا ہے۔ شاداب کوہ و صحرا ہے۔ پتا پتا کان زمرد کا پتہ دیتا ہے شبنم کا قطرہ دُر یکے بہا کا آویزہ ہے کوہ میں کبک دری کا قہقہہ باغ میں بلبل کا نالہ ہے صحن گلزار میں سبزے نے سر نکالا ہے جس قلمتراش میں شاخ کا دستہ ہے قوت نامیہ کے فیض سے یک قلم گلدستہ ہے اس گلشن ایجاد میں کیا نمونہ قدرت پروردگا ہے کہ دست و گریبان خزاں و بہار ہے اگر شاخ سے کوئی پتی مرجھا کر ٹوٹتی ہے تو برابر سبز کونپل پھوٹتی ہے۔ گل کی ہنسی پر گریہ شبنم ہے کہ مہلت یہاں بہت کم ہے بشر کو لازم ہے کہ فرصت کو غنیمت جان کر ان خیالوں سے درگذرے اور جو امر ضروری ہو اسکو کر گذرے لہذا صدر نشینان بزم طرب و سرور و انجمن آرایان جلسہ شادی و سور کی خدمت میں امیدوار ہوں کہ از راہ دوستانہ بے عذر و بہانہ رونق بخش جلسہ احباب ہوں خاکسار رہین منت ہوگا۔

نثر دقیق رنگین کی تعریف اور اسکی مثال

دقیق رنگین - یعنی عبارت کے معنی مشکل ہوں اور ادائے مطلب میں مناسبت الفاظ کی رعایت بھی ہو۔

تذکرۃ الشعرا

ذوق تخلص طوطی شکرستان شیریں زبانی بلبل چمن زار رنگین بیانی صیرفی نقود کمال دستہ بند رنگینی مقال بانی بنائے فصاحت میزاب گلشن بلاغت فارس مضمار سخن وری شہسوار عرصہ معنی پروری مسند نشین ایوان دانش و آگاہی اوستاد حضرت ظل الٰہی شیخ ابراہیم مخاطب بہ خاقانی ہند سایہ تربیت ظل سبحانی میں شب جوانی کو صبح پیری تک پہونچایا اور رضائے مرشد آفاق میں اپنے ہوائے نفسانی کو یک قلم مٹا دیا۔

ایضاً - ایک جانب ہجوم امراض گوناگوں اور افراط عوارض بوقلموں نے عافیت مزاج پر ایسا عرصہ تنگ کردیا کہ دائرہ صحت نقطہ موہوم کے حوصلے سے ہم آغوش ہوگیا۔ تفرج گلزار شباب کے آغاز سے سیر مقامات شیخوخیت تک حوادث دہر سے بھی نشیب و فراز پیش آتے رہے اور نقطے بھی اسباب تشویش کے صرف احوال ہوتے رہے ان موانع و عوائق کی مزاحمت کیا روا رکھتی تھی کہ پائے ثبات کو دامن فراغ خاطر میں تردد سے باز رکھے اور خامہ و دوات کی دستیاری سے ذخائر طبیعت کو کبھی نظر ثانی کے زیور اصلاح سے مزین کرے اور کبھی گنجینہ کتاب میں مخزون روزگار کی اسقدر ناسازی سے

زمانہ حال میں یا شکستگان مواضع دور دست اور استقبال میں متوقعان نفوذ ہستی کے حق میں زیان عظیم متصور تھا۔

باب دوم علم بیان کی بحث میں

علم بیان کی تعریف

علم بیان۔ ایسے چند قاعدوں کا نام ہے کہ اگر آنکو جانیں اور یاد رکھیں تو ایک معنی کو کئی طریق سے عبارت مختلفہ میں ادا کرسکتے ہیں جنمیں بعض طریق کی دلالت معنی پر بعض طریق سے زیادہ واضح ہوتی ہے۔

دلالت اور آسکی قسمیں

دلالت۔ اصطلاح میں کسی چیز کے ایسی حالت پر ہونے کو کہتے ہیں کہ اگر اُس چیز کو جان لیں تو اُس سے دوسری چیز کا جاننا لازم آجاے چنانچہ دہواں ایسی حالت پر ہے کہ آسکے معلوم ہونے سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہاں آگ ہے لہذا دہواں آگ پر دلالت کرتا ہے اور جو دلالت کرتا ہے اُسکو دال کہتے ہیں یعنی دلالت کرنے والا اور جسپر دلالت کرے اُسکو مدلول کہتے ہیں یعنی دلالت کیا گیا چنانچہ دہواں دال ہے اور آگ مدلول اور دلالت کی تین قسمیں ہیں۔

اول **وضعی**۔ یعنی لفظ جس شے کے لئے وضع ہوا ہے اُس تمام شے پر دلالت کرے جیسے لفظ انسان کی دلالت حیوان ناطق پر۔

دوم **تضمنی**۔ یعنی لفظ اُس شے کے ایک جزو پر دلالت کرے

جیسے انسان کی دلالت تنہا حیوان[1] پر یا حیوان کی دلالت جسم پر۔

سیوم۔ التزامی۔ یعنی لفظ ایسے معنی پر دلالت کرے کہ نہ وہ اُس معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو اور نہ وہ معنی اُس لفظ کے کل معنی کا جزو ہو بلکہ یہ معنی اسکو خارج سے لازم ہو گئے ہوں جیسے انسان کا دلالت کرنا ہنسنے والے پر ہنسنا انسان کی ذات میں داخل نہیں ہے بلکہ خارج سے اُسکو ایک امر لازم ہو گیا ہے۔

دلالت وضعی کو مطابقیہ کہتے ہیں اسواسطے کہ لفظ اور معنی اُسمیں مطابق ہیں اور دلالت تضمّنی اور التزامی کو دلالت عقلیہ کہتے ہیں۔ تضمّنی کو اس لئے عقلیہ کہتے ہیں کہ عقل اس بات پر حکم کرتی ہے کہ جب کل ذہن میں حاصل ہو گیا تو جزو بھی ذہن میں آجاتا ہے مثلاً حیوان جب ذہن میں آجاتا ہے تو یہ بات بھی میں حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ جسم بھی رکھتا ہے اور دلالت التزامی اس۔

---

[1] حیوان انسان کا جزو اس سبب سے ہے کہ انسان حیوان ناطق کو کہتے ہیں یعنی ایسی چیز جسمیں حیوان ہونا اور ناطق ہونا دونوں جمع ہوں۔ اس صورت میں انسان حیوان اور ناطق سے مرکب ہوا لہذا حیوان انسان کا جزو ہوا۔ ناطق بمعنی اُس چیز کے ہے کہ کلیات کو محسوس کرے اور حیوان جسم نامی حساس متحرک بالارادہ کو کہتے ہیں یعنی ایسی چیز ہو کہ وہ جسم ہو اور ایسا جسم کہ جسکو نمو ہو یعنی بڑھنے والا ہو اور اسکو ادراک ہو یعنی اپنی خواہش سے حرکت کرتا ہو۔

عقلیہ ہے کہ عقل اس بات پر حکم کرتی ہے کہ جب وہ شے کہ اسکو کوئی اور شے لازم ہے ذہن میں حاصل ہو گی تو وہ شے لازم بھی ذہن میں حاصل ہو جاتی ہے مثلاً جب انسان ذہن میں آجاتا ہے تو یہ بات بھی ذہن میں حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ ہنسنے والا بھی ہے۔

وضاحت کی کمی و بیشی دلالت عقلیہ میں ہوتی ہے | **مطابقیہ**۔ یعنی دلالت وضعی میں ایک معنی کو کئی طریق سے جسکی وضاحت میں کمی و بیشی ہو

(جیسا کہ بیان کیا گیا) نہیں ادا کر سکتے اس سبب سے کہ اسمیں الفاظ ایک ہی طور پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً شیر کا لفظ ہے اسکو اگر الفاظ مترادف میں کہیں یعنے اسد و غضنفر اور باگھ وغیرہ تو انمیں سے ہر لفظ چونکہ شیر کے واسطے موضوع ہے اس لئے کسی لفظ کی دلالت لفظ شیر پر کم و بیش واضح نہیں ہو سکتی یعنی جس حیثیت سے اور جتنی جلد لفظ شیر سے جانور درندہ مشہور سمجھ میں آتا ہے اُسی حیثیت سے اور اُتنی ہی جلد لفظ اسد و غضنفر اور باگھ وغیرہ سے بھی وہی جانور سمجھ میں آجاتا ہے لیکن دلالت عقلیہ میں وضاحت کی کمی و بیشی ہو سکتی ہے۔ مثلاً دلالت التزامی میں ممکن ہے کہ ایک ملزوم کے ایسے متعدد لوازم موجود ہوں جن میں سے بعض لزوم بہ سبب کم ہونے واسطوں کے اُس سے قریب ہوں اور بعض بہ سبب کثرت وسائط اُس سے بعید ہوں پس جن میں واسطے کم ہونگے وہ بہ سبب جلد سمجھ میں آنیکے زیادہ واضح ہونگے اور جن میں وسائط زیادہ

ہونگے وہ بہ سبب تامل کے بعد سمجھ میں آنیکے کم واضح ہونگے۔
جیسے سخاوت کے لئے لوازم مختلف ہیں اور یہ کہا جائے (۱) زید بڑا مہماں نواز ہے (۲) زید کے باورچی خانے میں لکڑی زیادہ صرف ہوتی ہے (۳) زید کے باورچی خانے سے راکھ بہت نکلتی ہے۔
ان مثالوں میں پہلی مثال میں مہماں نوازی ایسا لازم ہے کہ اس سے سخاوت کی طرف ذہن جلد منتقل ہوتا ہے لہذا یہ سخاوت پر زیادہ واضح ہے۔ بخلاف اسکے دوسری مثال میں یعنی باورچی خانے میں لکڑی زیادہ صرف ہونے سے ذہن کا انتقال سخاوت کی طرف اتنی جلد نہیں ہوتا لہذا یہ کم واضح ہے اور سبب اسکا یہ ہے کہ پہلی مثال میں کوئی واسطہ نہیں ہے اور دوسری مثال میں دو واسطے ہیں یعنی لکڑیوں کا زیادہ صرف ہونا زیادہ کھانا پکنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور زیادہ کھانا پکنا کثرت مہمانداری کی وجہ سے اور کثرت مہمانداری سخاوت پر دلالت کرتی ہے اسی طرح تیسری مثال میں تین واسطے ہیں یعنی باورچی خانے سے زیادہ راکھ کا نکلنا زیادہ لکڑیوں کے جلنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور زیادہ لکڑیوں کا جلنا زیادہ کھانا پکنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور زیادہ کھانا پکنا کثرت مہمانداری کی وجہ سے ہوتا ہے جو سخاوت پہ دلیل ہے لہذا اس مثال میں بوجہ کثرت وسائط سخاوت کی طرف دوسری مثال سے بھی زیادہ دیر میں ذہن منتقل ہوتا ہے اس لئے یہ اوس سے بھی کم واضح ہے۔

اسی طرح ممکن ہے کہ لازم ایک ہو اور ملزوم کئی ہوں پس اوس لازم کا لزوم بعض ملزوم کے ساتھ زیادہ واضح ہوگا اور بعض ملزوم کے ساتھ کم جیسے گرمی آگ اور آفتاب اور حرکت تینوں کو لازم ہے اور ظاہر ہے کہ گرمی کا لزوم آگ کے ساتھ زیادہ واضح ہے اور بہ نسبت اُسکے آفتاب کے ساتھ کم واضح ہے اور حرکت کے ساتھ اُس سے بھی زیادہ کم واضح ہے۔

دلالت تضمنی میں بھی وضوح دلالت کی کمی و بیشی ہوسکتی ہے۔ مثلاً ممکن ہے کہ ایک معنی ایک شے کا جزو ہو اور دوسری شے کے جزو کا جزو ہو پس اُس شے کی دلالت اُس معنی پر جو اُسکا جزو ہے زیادہ واضح ہوگی بہ نسبت اس معنی کے جو اُس کے جزو کا جزو ہو۔ چنانچہ حیوان کی دلالت جسم پر زیادہ واضح ہے بہ نسبت انسان کی دلالت کے جسم پر کیونکہ جسم حیوان کا جزو ہے اور حیوان انسان کا پس جسم میں اور حیوان میں کوئی واسطہ نہیں ہے اور انسان اور جسم میں واسطہ ہے (اور وہ واسطہ حیوان ہے) اسی طرح دیوار کی دلالت مٹی پر جتنی واضح ہے اُتنی مکان کی دلالت مٹی پر واضح نہیں ہے۔

علم بیان کا موضوع اور غرض وغایت اس تمام بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ علم بیان میں معنی کے لوازم کو معتبر سمجھتے ہیں اور اسمیں دلالت عقلیہ کام آتی ہے اور موضوع اس علم کا لفظ ہے معنی مقصود پر دلالت کی حیثیت سے اور غرض اس علم کی یہ ہے کہ دلالت عقلی

کے مدلولات سمجھ میں آجائیں اور اُن سے فائدہ حاصل کرنے کا ملکہ حاصل ہو جائے اور غایت اسکی یہ ہے کہ معنی کے تعبیر میں خطا نہ ہو۔ اس علم کے بعض مبادی عقلی ہیں جیسے دلالت کی قسمیں اور تشبیہیں اور علاقے اور بعض وجدانی ہے جیسے تشبیہوں کی وجہیں اور استعارے کی قسمیں اور اُنکی خوبی کی کیفیت۔

وضوح دلالت علم بیان میں کیوں اختیار کی گئی

علماء نے علم بیان میں وضوح دلالت کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس علم کی بحث دلالت عقلیہ (تضمنی والتزامی) پر موقوف ہے اور یہ دلالت خفی ہے لہذا اسکی تعبیر ایسے لفظوں کے ساتھ کرنا واجب ہوئی کہ جو زیادہ واضح ہوں جیسے کسی باریک شے کے دیکھنے کے لئے قوت باصرہ تیز روشنی کی محتاج ہوتی ہے اور موٹی چیز کے دیکھنے میں تیز روشنی کی ضرورت نہیں ہوتی یہی حال رویت عقلیہ یعنی فہم وادراک کا بھی سمجھنا چاہیئے حاصل کلام یہہ ہے کہ علم بیان میں جو معانی معتبر ہیں جیسے استعارہ وکنایہ اُنکو دقیق ہونا چاہیئے اور ساتھ ہی اسکے جو الفاظ اُن معنی پر دلالت کرتے ہوں وہ دلالت کرنے میں واضح ہوں۔

حقیقت ومجاز و کنایہ کا فرق اور استعارہ ومجاز مرسل اقسام مجاز کا ذکر

اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ لفظ جس معنی کے لئے موضوع ہوا ہے اگر اُس سے وہی معنی مراد ہوں تو اُسکو حقیقت کہتے ہیں اور اگر وہ معنی مراد نہوں بلکہ ایسے معنی مراد ہوں جو کہ موضوع

کو لازم ہوں تو اگر وہاں کوئی قرینہ اس بات پر قائم ہو کہ یہاں معنی موضوع لہٗ مراد نہیں ہیں اور اسکی طرف ارادہ جائز نہ ہو تو اُسکو مجاز کہتے ہیں اور اگر معنی موضوع لہٗ کا بھی ارادہ جائز ہو تو اُسکو کنایہ کہتے ہیں پس مجاز مثل جزو کے ہے اور کنایہ مثل کل کے اور ہر جزو اپنے کل پر مقدم ہوتا ہے اس لئے علم بیان میں مجاز کو کنایہ سے پہلے بیان کرتے ہیں اور مجاز میں معنی حقیقی اور معنی مجازی کے درمیان کسی علاقہ کا ہونا ضروری ہے (اس لئے کہ اگر کوئی علاقہ نہ ہوگا تو مجازی معنی غلط ہو جائیں گے مثلاً زید شیر ہے سے اگر یہ معنی مراد لئے جائیں کہ زید عالم ہے تو یہ معنی غلط سمجھے جائیں گے کیونکہ شیر کو علم سے کوئی علاقہ نہیں ہے اور اگر زید شیر ہے سے یہ معنی مراد لیں کہ زید جری ہے تو یہ معنی صحیح ہونگے کیونکہ جرارت کو شیر سے علاقہ ہے) پس اگر دونوں میں تشبیہ کا علاقہ ہو تو ایسے مجاز کو استعارہ کہتے ہیں اور اگر تشبیہ کے علاوہ کوئی دوسرا علاقہ ہو (مثل علاقہ جزو و کل و سبب و مسبب وغیرہ کے) تو اُسکو مجاز مرسل کہتے ہیں لہذا معلوم ہوا کہ علم بیان میں تین چیزوں کا ذکر کرنا ضروری ہے استعارہ اور مجاز مرسل اقسام مجاز کا اور پھر کنایہ کا۔

لیکن استعارہ میں چونکہ علاقہ تشبیہ کا ہے اور بغیر تشبیہ کے بیان کئے ہوئے استعارہ پورے طور سے سمجھ میں نہیں آتا لہذا تشبیہ کا بیان بھی بطور مقدمہ استعارہ کے ضروری ہے۔ چونکہ تشبیہ میں بھی

وضوح دلالت کی کمی وبیشی ہوتی ہے لہذا علاوہ اسکے کہ وہ مقدمہ استعارے کا ہے تشبیہ کا ذکر بھی علم بیان کا مقصد اصلی ہو سکتا ہے۔ پس علم بیان کے اب چار مقصد ہو گئے۔ تشبیہ۔ استعارہ۔ مجاز مرسل۔ کنایہ۔ اب ہم ان چاروں کو علیحدہ علیحدہ فصل قائم کرکے بیان کرتے ہیں۔

فصل اول تشبیہ کے بیان میں

تشبیہ کی تعریف اور اُسکے ارکان

تشبیہ لغت میں دو چیزوں کے ایک ہی معنی میں شریک ہونے کو کہتے ہیں اور علم بیان کی اصطلاح میں تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ دو چیزیں (جوکہ آپس میں جدا جدا ہوں) ایک معنی میں اس طرح سے شریک ہوں کہ جو بطور استعارہ و تجرید[۱] کے نہ ہوں وہ دو چیزیں جو ایک معنی میں شریک ہوتی ہیں مشبہ و مشبہ بہ کہلاتی ہیں جنکو طرفین تشبیہ کہتے ہیں اور وہ معنی جو مشبہ و مشبہ بہ میں شریک ہوتے ہیں وجہ شبہ کہلاتے ہیں اور تشبیہ کے لئے کوئی غرض بھی ضروری ہے ورنہ تشبیہ فعل عبث ہوجائے لہذا غرض تشبیہ بھی تشبیہ کا ایک رکن ہے اور وہ چیز جوکہ ایک دوسرے سے مشابہ کرنے کا واسطہ ہوتی ہے اداۃ تشبیہ کہلاتی ہے جسکو حرف تشبیہ بھی کہتے ہیں لہذا تشبیہ کے چار رکن ہوئے۔

---

[۱] تجرید صنائع معنوی میں سے ایک صنعت ہے اسکا بیان علم بدیع میں دیکھو

(۱) مشبہ و مشبہ بہ جسکو طرفین تشبیہ کہتے ہیں (۲) وجہ شبہ (۳) غرض تشبیہ (۴) اداۃ یعنی حروف تشبیہ۔

ہم ان چاروں کو علیحدہ علیحدہ چار فرعوں میں بیان کر کے پانچویں فرع میں احوال تشبیہ کا ذکر نسبت ضعف و قوت کے کرینگے۔

فرع اول طرفین تشبیہ کے بیان میں

تشبیہ اور تشابہ کا فرق

طرفین تشبیہ دو چیزیں ہیں ایک مشبہ یعنی جسکو تشبیہ دیجاے دوسرے مشبہ بہ یعنی جس سے تشبیہ دیجاے اور وہ مشبہ سے اُس صفت میں زیادہ ہوتی ہے خواہ از روے حقیقت کے خواہ از روے ادعا کے اگر ایسا نہ ہو بلکہ صفت میں دونوں برابر ہوں تو تشبیہ صحیح نہ ہوگی کیونکہ تشبیہ میں ایک کی زیادتی اور دوسرے کے نقصان کا قصد ہوتا ہے اور جہاں دونوں کے مساوات کا قصد ہوتا ہے اسکو تشابہ کہتے ہیں یعنی یہ اُسکے مشابہ اور وہ اُسکے مشابہ ہے وہ تشبیہ نہیں ہے مثلاً

گویا

گھر تیرا ہے جنت کے گلستاں کے برابر \
چاوش ہیں دروازہ پہ رضواں کے برابر

ظفر

نہ چشم تر میں مرے اور ہے سحاب میں فرق \
نہ میرے سینۂ بریاں میں اور کباب میں فرق

آتش

یہ خوش اسلوب جسم اُس نوجواں کا ہے کہ جو تاپنڈ۔ برابر نکلے دوڑا اُس کمر کا اور گردن کا

ان شعروں میں ایک کو دوسری شے کے ساتھ تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے بلکہ دونوں چیزوں میں مساوات منظور ہے۔

تشابہ میں عکس صحیح ہوتا ہے یعنی مشبہ کو مشبہ به اور مشبہ به کو مشبہ بنا سکتے ہیں۔

مثلاً

داغ

حُسن آئینۂ عشق ہو عشق آئینۂ حُسن۔ میں تجھکو نظر آؤں مجھے تو نظر آئے

ظفر

خاک کو مسند کمخواب سمجھتے ہیں نقیر۔ اور وہ جانتے ہیں مسند کمخواب کو خاک

لہذا جہاں وجہ شبہ میں مشبہ و مشبہ به دونوں کا برابر ہونا مقصود ہوتا ہے وہاں تشبیہ کو ترک کر دیتے ہیں عام اس سے کہ کمی و زیادتی حقیقت میں پائی جائے یا نہ پائی جائے۔ حالی

اُنکی عزت تمہاری عزت ہے۔ اُنکی ذلت تمہاری ذلت ہے

پہلی تقسیم بہ لحاظ نوعیت طرفین تشبیہ

طرفین تشبیہ حسّی و عقلی دو قسم کے ہوتے ہیں	بہ لحاظ نوعیت کے مشبہ و مشبہ به دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) حسّی جیسے حواس خمسہ ظاہری یعنی بصر دیکھنے سمع سننے

شم سونگھنے ذوق چکھنے لمس چھونے سے دریافت کر سکیں۔
(۲) عقلی جیسے حواس خمسہ ظاہری سے معلوم نہ کر سکیں پس یا مشبہ و مشبہ بہ دونوں ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں یا مختلف یہاں مختصراً ہر ایک کی مثال لکھی جاتی ہے۔

مثال مشبہ و مشبہ بہ دونوں حسی کی۔ قلق

سرو سا قد تو گل سے رخسارے شانے بازو بھرے بھرے سارے

قد کو سرو سے اور رخسارے کو پھول سے تشبیہہ دی ہے لہذا قد اور رخسارے مشبہ ہیں اور سرو و گل مشبہ بہ ہیں اور یہ سب حسی ہیں یہ مثال متعلق باصرہ کے ہے یعنی سب چیزیں دیکھنے سے معلوم ہوتی ہیں لیکن گل اور رخسارے کی تشبیہہ میں اگر وجہ شبہ رنگ کے علاوہ نرمی ہو تو یہ مثال متعلق لامسہ کے ہو جائیگی کیونکہ نرمی کو چھونے سے محسوس کر سکتے ہیں۔

وزیر

نالۂ مرغ سحر ہو گی صریرِ خامہ لکھنی ہے اب صفتِ دُر بناگوش مجھے

لکھنے میں قلم کی جو آواز نکلتی ہے اُسکو مرغ سحر کی آواز سے تشبیہہ دی ہے لہذا صریر خامہ مشبہ اور نالہ مرغ سحر مشبہ بہ ہے یہ مثال متعلق سامعہ ہے کیونکہ آواز کو سننے سے محسوس کر سکتے ہیں۔

گویا

کہوں میں کیوں نہ گل اندام ان حسینوں کو گلاب کی سی کچھ آتی ہے بو پسینے میں

حسینوں کے پسینے کی خوشبو کو گلاب کی خوشبو سے تشبیہ دی ہے یعنی حسینوں کے پسینے کی بو مشبہ ہے اور گلاب کی بو مشبہ بہ ہے یہ مثال متعلق شامہ ہے۔

سودا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا پانی بھی پھر پئیں تو مزہ ہو شراب کا

پانی کے مزے کو شراب کے مزے سے تشبیہ دی ہے پانی کا مزہ مشبہ اور شراب کا مزہ مشبہ بہ ہے یہ مثال متعلق ذائقہ ہے۔

قلق

پیٹ نرمی میں صورتِ مخمل اور صفائی میں تختۂ صندل

پیٹ کی نرمی کو مخمل سے اور چکنا ہٹ کو تختۂ صندل سے تشبیہ دی ہے۔ پیٹ مشبہ ہے اور مخمل اور تختۂ صندل مشبہ بہ یہ مثال متعلق لامسہ ہے۔

مثال مشبہ و مشبہ بہ دونوں عقلی کی۔ غالب

مت مردمک دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں ہیں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں

نگاہ کو آہ سے تشبیہ دی ہے نگاہ مشبہ اور آہ مشبہ بہ ہے اور یہ دونوں عقلی ہیں۔

نسیم

ہو تجھسی پری جو خصم جانی انکی ان کی ہے موت زندگانی

زندگی کو موت سے تشبیہ دی ہے زندگانی مشبہ اور موت مشبہ بہ ہے اور دونوں عقلی ہیں۔

مثال[۵۱] مشبہ حسّی اور مشبہ بہ عقلی کی۔ نسیم

جب نام خدا جواں ہوا وہ — مانند نظر رواں ہوا وہ

ظفر

قیامت قامت و رفتار آفت — زبانِ سحر و بیان نورٌ اعلیٰ نور

پہلے شعر میں وہ شخص یعنی تاج الملوک مشبہ حسّی اور نظر مشبہ بہ عقلی ہے اور دوسرے شعر میں مقصود بالتمثیل مصرع اول ہے قامت کو قیامت سے اور رفتار کو آفت سے تشبیہ دی ہے قامت اور رفتار مشبہ حسّی ہیں اور قیامت اور آفت مشبہ بہ عقلی ہیں

مثال مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسّی کی۔ غالب

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے — رُکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

وزیر

ہوں وہ بلبل جو کرے ذبح خفا تو ہو کر — روح میری گل عارض میں رہے بو ہو کر

۵۱۔ سوال۔ تشبیہ محسوس کی معقول کے ساتھ ممنوع ہے اس لئے کہ محسوس معقول سے قوی ہے وجہ یہ ہے کہ وہ معقول کے لئے اصل ہے کیونکہ علوم عقلیہ حواس سے مستفاد ہوتے ہیں اور انہیں کی طرف یہ منتہی ہوتے ہیں پس محسوس کو معقول کے ساتھ تشبیہ دینا فرع کو اصل بنانا ہے اور یہ ناجائز ہے۔ جواب علماء بلاغت نے ایسے موقع پر معقول کو بھی محسوس مان لیا ہے اور بطور مبالغہ کے اسکو محسوس کی اصل قرار دیدیا ہے پس اس صورت میں تشبیہ تقدیری طور پر دونوں محسوسوں میں ہوتی ہے۔

پہلے شعر میں طبیعت کو نالہ سے تشبیہہ دی ہے طبیعت مشبہ عقلی اور نالہ مشبہ بہ حسّی اور دوسرے شعر میں روح کو بو سے تشبیہہ دی ہے روح مشبہ عقلی اور بو مشبہ بہ حسّی۔

مشبہ بہ خیالی داخل حسّی ہے اور وہمی ووجدانی داخل عقلی ہیں۔

علاوہ حسّی وعقلی کے تین قسم کے مشبہ بہ اور ہوتے ہیں ایک **خیالی** دوسرے **وہمی** تیسرے **وجدانی** گو یہہ تینوں چیزیں بنفسہ علٰحدہ علٰحدہ ہیں لیکن علماء بیان نے خیالی کو حسّی میں اور وہمی ووجدانی کو عقلی میں بنظر اختصار کے داخل کردیا ہے تاکہ قسمیں زیادہ نہ ہوجائیں اور طالبین کو یاد رکھنا اُنکا دشوار نہ ہو۔

مشبہ بہ خیالی کی تعریف اور اُسکی مثالیں۔

(الف) **خیالی** سے تشبیہہ کی بحث میں وہ مرکب مراد ہے کہ وہ خود تو حواس خمسہ ظاہری سے مدرک نہ ہو لیکن جن اجزا سے اُسکی ترکیب فرض کی ہو وہ تمام اجزا خارج میں موجود ہوں اور حواس خمسہ ظاہری سے محسوس ہوں اسی لئے اسکو حسّی میں داخل کیا ہے کہ حسی سے مراد وہ چیز ہے کہ یا تو خود حواس سے مدرک ہو یا اُسکا مادہ۔ **ناسخ**

مسّی[۱] بالیدہ لب پر رنگ پان ہے تماشا ہے نہ آتش دہوان سے ہے

---

[۱] اس مثال میں یہ بات نہیں ہے کہ مسی کو دہوئیں سے اور پان کے رنگ کو آگ سے تشبیہہ دی ہے بلکہ مجموع کی تشبیہہ مجموع سے ہے اسلئے کہ مشبہ و مشبہ بہ دونوں مرکب ہیں اور وجہ شبہ بھی مرکب ہے یہی حال اور شعروں کا بھی ہے اسکا بیان وجہ شبہ مرکب کے حال میں آئیگا۔

سی مالیدہ لب پر پان کا رنگ ہونا مشبہ ہے اور آگ کے نیچے دھواں کا ہونا مشبہ بہ ہے آگ کے نیچے دھواں کا ہونا خارج میں معدوم ہے اور ناممکن ہے لیکن آگ اور دھواں خارج میں موجود ہیں اور محسوس ہوتے ہیں صرف ترکیب خیالی ہے یعنی مشبہ بہ ایک خیالی مرکب ہے جسکو حسی میں داخل کردیا ہے۔

پڑا انکی چوٹی میں جالی کا موباف   نظر آئے دو سانپ اک کیچلی میں

چوٹی میں جالی کا موباف ہونا مشبہ اور دو سانپ کا ایک کیچلی میں نظر آنا مشبہ بہ ہے۔ ایک کیچلی میں دو سانپ کا ہونا خارج میں نہیں پایا جاتا اور معدوم ہے لیکن متخیلہ نے جن چیزوں سے مرکب کیا ہے وہ سانپ اور کیچلی ہے یہ چیزیں خارج میں موجود ہیں اور حواس سے مدرک ہوتی ہیں۔ آتش

چھٹے ہیں گیسوئے مشکیں جو اُس رخسارِ روشن سے   بغل میں ظلمت شب نے لیا ہی نور کا تڑکا

مشبہ بہ وہمی کی تعریف اور اسکی مثالیں	(ب) وہمی سے مراد وہ چیز ہے کہ متخیلہ اپنی طرف سے کوئی چیز اختراع کرلے کہ اُسکی کچھ اصل نہ ہو اور یہی فرق

خیالی اور وہمی میں ہے کہ خیالی کو حس مشترک اقتباس کرتی ہے اور متخیلہ اُنکو ترکیب دیتی ہے اور وہمی کو حس مشترک اقتباس نہیں کرتی بلکہ متخیلہ اپنی طرف سے ایک ایسی چیز اختراع کرتی ہے کہ جس کی کچھہ اصلیت نہ ہو اسکو عقلی میں اس لئے داخل کیا ہے کہ وہ بھی مثل

معقولات کے حواس سے مدرک نہیں ہوتی لیکن ایسی ہے کہ اگر پائی جائے تو البتہ حواس سے مدرک ہو اور اسی وجہ سے عقلی اور وہمی میں امتیاز ہوتا ہے۔

دیدہ افعی اجل بن گیا　　زلف کے افشاں کا ستارا ہمیں

زلف کے افشاں کا ستارا مشبہ اور دیدہ افعی اجل مشبہ بہ ہے۔ افعی اجل کے دیدے کی کچھ اصلیت نہیں ہے متخیلہ نے اپنی طرف سے اختراع کیا ہے۔

امانت

صندل اُسکی ہے مانگ میں کیا خوب　　راہ ظلمات میں یہ دلدل ہے

مانگ میں صندل کا ہونا مشبہ اور راہ ظلمات میں دلدل کا ہونا مشبہ بہ ہے۔ظلمات کی راہ میں دلدل تصور کرنا وہم کا کام ہے یہ چیز حس مشترک کے ذریعہ سے خیال میں نہیں پہونچی ہے۔

تری اس مانگ سے کیا معنیٰ دلخواہ پیدا ہے　　شب معراج کی اس خط سے گویا راہ پیدا ہے

مانگ کے خط کو شب معراج کی راہ سے تشبیہ دی ہے اور یہ ایسی چیز ہے جسکا تصور کرنا وہم کا کام ہے خیال اس قسم کے تصور سے عاجز ہے۔

مشبہ بہ وجدانی کی تعریف اور اُسکی مثالیں

(ج) بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اُنکو انسان دل میں پاتا ہے۔ مثلاً شیریں چیز کے کھانے سے یا ملائم شئے کے چھونے سے یا آواز ملائم اور پسندیدہ کے سننے سے یا خوش نما چیز کے دیکھنے سے یا خوشبو کے سونگھنے سے دل میں ایک لذت

حاصل ہوتی ہے یا ان چیزوں کے اضداد سے دلمیں ایک الم پہونچتا ہے یا مثلاً بھوکا ہونے یا سیر ہونے کو ادراک کرنا ان سب چیزوں کو وجدانیات کہتے ہیں۔علماء بیان نے انکو بھی مثل وہمیات کے عقلیات میں داخل کر دیا ہے اور یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ادراک انکا نفس کی اُن قوتوں سے ہوتا ہے جنکو وجدان کہتے ہیں پس وجدان اندرونی قوتیں ہیں جو نفس کے ساتھ قائم ہیں اور وہ یہ قوتیں ہیں۔مثلاً وہ قوت جو بھوک کو دریافت کرتی ہے اور وہ قوت جو سیری کو ادراک کرتی ہے اور وہ قوت جس سے خوف معلوم ہوتا ہے اور وہ قوت جس سے غم و رنج مدرک ہوتے ہیں۔پس لذت۔ الم۔ بھوک۔ سیری۔خوف۔غم و رنج کے دریافت کرلینے کی قوتوں کا نام وجدان ہے اور لذت۔الم۔بھوک۔ سیری۔خوف۔غم و رنج وجدانیات کہلاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہہ ایسے معانی ہیں کہ نہ تو حواس ظاہرہ ان کا ادراک کرسکتے ہیں اور نہ محض عقلیات ہیں کیونکہ محض عقلیات معانی کا کلیہ ہوتے ہیں اور لذت۔ الم۔خوشی۔غم۔خوف۔غضب۔بھوک اور سیری ایسے جزئیات ہیں جو حواس باطنہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

یہاں لذت والم سے وہ لذت والم مراد ہیں جو حس سے پیدا ہوتے ہیں نہ وہ لذت و الم جو عقلی ہیں کیونکہ وجدانیات سے نہیں ہیں بلکہ محض عقلیات میں داخل ہیں جو حس سے پیدا ہوتے ہیں اُنکا

شمار وجدانیات میں ہے۔

عبث دیتا ہے لالچ جنت الفردوس کا واعظ — مئے گلگوں میں آتا ہے ہمیں یاں لطف کوثر کا

مئے گلگوں کا لطف۔ وہ لذت ہے کہ اسکے پینے کے بعد دل میں حاصل ہوتا ہے۔

ذوق

ذائقہ چاشنیٔ عشق کا کامل ہو تو دیں — شادیٔ وصل کی لذت غم فرقت کے مزے

وصل کی لذت اور غم کے مزے کو دل ہی محسوس کر سکتا ہے۔

دوسری تقسیم بلحاظ تعدد طرفین تشبیہ

بلحاظ تعدد کے مشبہ و مشبہ بہ تین قسم کے ہوتے ہیں ایک مفرد دوسرے مرکب۔ تیسرے متعدد۔

طرفین تشبیہ مفرد | **مفرد** سے مراد یہ ہے کہ ایک چیز ہو اسکی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ بلا کسی قسم کی قید کے صرف ایک چیز ہو جیسے چاند۔ آفتاب۔ چشم۔ گل وغیرہ دوسرے یہ کہ اسمیں صفت یا مضاف وغیرہ کی کوئی قید ہو جیسے ماہ روشن۔ آفتاب محشر۔ چشم خونفشاں برگ گل وغیرہ۔

طرفین تشبیہ مرکب | **مرکب** سے مراد وہ چیز ہے کہ جو کئی چیزوں سے مل کر ایک حیثیت پر ہو گئی ہو۔ جیسے ابر سیاہ سے چاند کا نکلنا آفتاب کا شفق صبح میں نظر آنا۔ چشم مخمور میں سیاہ سرمہ کی لکیر ہونا۔ پھول پر شبنم کے قطروں کا دکھائی دینا وغیرہ۔

طرفین تشبیہ متعدد | متعدد سے مراد یہ ہے کہ کئی چیزیں ہوں جو بجائے خود علیحدہ علیحدہ ہوں۔

لہذا تعدد طرفین تشبیہ کی تقسیم تین قسم پر ہوئی ہے (۱) بہ لحاظ مفرد ہونے مشبہ و مشبہ بہ کے (۲) بہ لحاظ مفرد و مرکب ہونے مشبہ و مشبہ بہ کے (۳) بہ لحاظ متعدد ہونے مشبہ و مشبہ بہ کے۔

مشبہ و مشبہ بہ مفرد کی صورتیں اور اُنکی مثالیں | (۱) بہ لحاظ مفرد ہونے مشبہ و مشبہ بہ کے چار صورتیں ہوتی ہیں **ایک** یہ کہ مشبہ و مشبہ بہ دونوں صرف مفرد ہوں۔ دوسرے یہ کہ مشبہ و مشبہ بہ دونوں مفرد مقید ہوں تیسرے یہ کہ مشبہ صرف مفرد ہو اور مشبہ بہ مفرد مقید چوتھے یہہ کہ مشبہ مفرد مقید ہو اور مشبہ بہ صرف مفرد ہو۔ مثالیں اسی ترتیب سے لکھی جاتی ہیں۔

رند

توڑیں چوڑی کی طرح ہتکڑیاں کیا ہی زور و نیہ دست وحشت ہے

مومن

یہہ حالت قامتِ خمیدہ جیسے شجر خزاں رسیدہ

آتش

واہ ری شانے کی قسمت کسکو یہ معلوم تھا پنجۂ شل سے کھلیں گے عقدہ ہائے موے دوست

میر

جس کفِ پا کو برگ گل ہو خار حیف ہے خار سے وہ ہوے فگار

پہلے شعر میں ہتکڑیاں مشبہ اور چوڑی مشبہ بہ ہے اور یہ دونوں صرف مفرد ہیں۔ دوسرے شعر میں قامت خمیدہ مشبہ اور شجر خزاں رسیدہ مشبہ بہ ہے اور یہ دونوں مفرد مقید ہیں تیسرے شعر میں شانہ صرف مفرد مشبہ ہے اور پنجہ شل مشبہ بہ مفرد مقید ہے اور چوتھے شعر میں برگ گل مشبہ مفرد مقید ہے اور خار مشبہ بہ صرف مفرد ہے۔

مشبہ و مشبہ بہ مرکب کی صورتیں

(۲) بلحاظ مفرد و مرکب ہونے مشبہ و مشبہ بہ کے تین صورتیں ہوتی ہیں **یا** دونوں مرکب ہوتے ہیں **یا** مشبہ مفرد اور مشبہ بہ مرکب ہوتا ہے **یا** اسکے برعکس یعنی مشبہ مرکب اور مشبہ بہ مفرد ہوتا ہے۔ مثالیں اسی ترتیب سے درج ہیں۔ اس میں اور تیسری قسم میں (جو آگے بیان کیجائیگی) مفرد کے مقید و غیر مقید ہونے کے لحاظ سے قسمیں نہیں کی گئیں اس سبب سے کہ قسمیں زیادہ ہو جائیں گی۔

ذوق

ہوا پہ دوڑتا ہے اسطرح سے ابر سیاہ
کہ جیسے جائے کوئی پیل مست بے زنجیر

میر حسن

وہ دست حنا بستہ خوبی کا باب
شفق میں ہو جوں پنجۂ آفتاب

نطق

چوٹیوں پہ جو نہالوں کے ہجوم گل ہے
دور سے یوں نظر آتے ہیں وہ جیسے مشعل

پہلے شعر میں ابر سیاہ کا ہوا پر دوڑنا مشبہ اور پیل مست کا بے زنجیر

جانا مشبہ بہ ہے اور یہ دونوں مرکب ہیں دوسرے شعر میں دست حنا بستہ مشبہ مفرد اور شفق میں پنجۂ آفتاب کا ہونا مشبہ بہ مرکب ہے اور تیسرے شعر میں درختوں کی چوٹیوں پہ ہجوم گل مشبہ مرکب اور مشعل مشبہ بہ مفرد ہے۔

مشبہ و مشبہ بہ متعدد کی صورتیں	(۳) بہ لحاظ متعدد ہونے مشبہ و مشبہ بہ کے دو حالتیں ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ جتنے مشبہ ہوں اوتنے ہی مشبہ بہ بھی ہوں (خواہ وہ سب مفرد ہوں یا مرکب یا اسکے برعکس ہوں کہ کوئی مفرد ہو اور کوئی مرکب ہو) اسکی دو صورتیں ہیں۔

تشبیہ ملفوف کی تعریف اور اسکی مثالیں	(**الف**) جتنے مشبہ ہوں اُنکو ایک جگہ ذکر کریں اُسکے بعد اُنکے مشبہ بہ کا ذکر کریں اُسکو **تشبیہ ملفوف** کہتے ہیں۔

ناسخ

بُندہ کانوں میں نہیں تعویذ بازو میں نہیں   وہ ستارہ صبح کا ہے یہ ستارا شام کا

کانوں میں بُندہ کا ہونا اور بازوں میں تعویذ کا ہونا دونوں مشبہ ہیں اور ایک جگہ مذکور ہوے ہیں اُسکے بعد اسکے مشبہ بہ لائے ہیں یعنی صبح کا ستارہ کانوں میں بندہ کا مشبہ بہ ہے اور شام کا ستارہ بازوں میں تعویذ کا مشبہ بہ ہے۔

ظفر

ذرا جبینِ عرق فشاں پر تو اپنی افشاں دکھا دے چن کر
کہ تا نظر آویں ماہ پیکر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

آشفتہ

ہے ہجوم داغ سوزاں اور دل مایوس ایک
ہر طرف جلوہ چراغاں کا ہے اور فانوس ایک

شباب

یہ زلف و چشم غیرت شمشاد دیکھنا نرگس کے پھول یہ ہیں وہ نافۂ غزال کا

تشبیہ مفروق کی تعریف اور اسکی مثالیں	(ب) ایک مشبہ و مشبہ بہ کا ذکر کریں اُسکے بعد پھر ایک مشبہ و مشبہ بہ بیان کریں اسی طور سے

باہم بیان کرتے جائیں اسکو **تشبیہ مفروق** کہتے ہیں۔

ذوق

سرو قامت سمن اندام گلستاں رخسار ہونٹ گلبرگ دہن غنچہ و بینی زنبق

یعنی قامت مشبہ سرو مشبہ بہ اور اندام مشبہ اور سمن مشبہ بہ اور رخسار مشبہ اور گلستان مشبہ بہ اسی طرح سے دوسرے مصرع میں بھی مشبہ و مشبہ بہ ساتھ ہی بیاں ہوتے چلے گئے ہیں۔

مرزا دبیر تلوار کی تعریف میں کہتے ہیں۔

پھل وزن میں تھا پھول تجلی میں نخل طور گرمی میں محض نار تو نرمی میں صاف نور

آسیب سایہ چال پری قبضہ چشم حور   خود نہر آب زہر تڑپ قہر شور صور

کبھی تشبیہہ مفروق کو سلسلہ بہ سلسلہ کر دیتے ہیں یعنی ایک مشبہ کے لئے کوئی مشبہ بہ لاتے ہیں پھر اوسی مشبہ بہ کو مشبہ قرار دیکر اُسکے واسطے دوسرا مشبہ بہ لاتے ہیں۔

ذوق

ہر ایک دشتِ چمن ہر چمن بہشت نظیر   ہر ایک خار ہے گل ہر گل ایک ساغر عیش

ہراک گہر گہر شب چراغ پر تنویر   ہر ایک قطرۂ شبنم گہر کی طرح خوش آب

دوسرے یہ کہ مشبہ ایک ہو اور مشبہ بہ کئی ہوں یا اسکے برعکس یعنے مشبہ کئی ہوں اور مشبہ بہ ایک ہو۔

تشبیہہ تسویہ کی تعریف اور اُسکی مثالیں | جب مشبہ کئی ہوں اور مشبہ بہ ایک ہو تو اُس تشبیہہ کو **تشبیہہ تسویہ** کہتے ہیں۔

حالی

تاج جمشید و راج ریحانی   بے حقیقت ہے شکل موج شراب

تاج جمشید اور راج ریحانی دو مشبہ ہیں اور مشبہ بہ صرف ایک موج شراب ہے۔

ذوق

حنائی پنجہ ہوں تاک و حنا رو بید انجم   عجب نہیں ہے کہ آرایش زمانہ سے

حسرت

غم فراق مرے گھر کے گھر کو آگ لگی   بدن کو جان کو دل کو جگر کو آگ لگی

تشبیہہ جمع کی تعریف اور اُسکی مثالیں | (ب) جب مشبہ ایک ہو اور مشبہ بہ

کئی ہوں تو اُس تشبیہہ کو تشبیہہ جمع کہتے ہیں۔

آباد

دل میں چبھ جاتی ہیں اُس حور کی اکثر پلکیں
کبھی خنجر کبھی ناوک کبھی نشتر پلکیں

مشبہ صرف ایک پلکیں ہے اور مشبہ بہ خنجر اور ناوک اور نشتر تین ہیں۔

مومن

خنجر تھا الٰہی یا زباں تھی
خنجر سے زیادہ تر رواں تھی
تھی یا کوئی تیغ آتشیں دم
یا شعلۂ آتش جہنم

ظفر

کیا وصف جبیں میں کہوں اُس ماہ جبیں کا
اک تختہ برابر ہے وہ فردوس بریں کا
یا صبح ہے یا آئینہ یا ہے یدِ بیضا
یا صفحۂ رخسار کسی شوخ حسیں کا
یا مشتری و زہرہ ہے یا مہر درخشاں
یا جلوۂ پرنور ہے یہ ماہ مبیں کا
یا تختۂ بلوریں ہے کہ ہے لوح یہ سیمیں
یا صفحۂ سادہ کسی انمول نگیں کا

ذیل کی مثالوں میں راکب و مرکب دو مشبہ ہیں اور ہر ایک کے مشبہ بہ کئی ہیں یہ بھی تشبیہہ جمع ہے۔

انیس

تھا زیں فرس رحل تو قرآن شہ والا
وہ تخت ہوا تھا تو سلیماں شہ والا
وہ دوش صبا بوے گلستاں شہ والا
وہ برج شرف نیرِ تاباں شہ والا
بو گل کی نسیمِ سحری لیکے چلی ہے
غل تھا کہ سلیماں کو پری لیکے چلی ہے

فرع دوم وجہ شبہ کے بیان میں

وجہ شبہ وجہ مشابہت وجہ تشبیہہ وہ معنی ہیں کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں آپس میں شریک ہوں اور وہ معنی مقصود بھی ہوں۔ رستم اور شیر کی تشبیہہ میں گو دونوں میں بہت سی باتیں شریک ہیں مثلاً حیوانیت اور جسمیت اور وجود وحدوث دونوں میں پائے جاتے ہیں مگر انمیں سے کوئی شے وجہ شبہہ نہیں ہے بلکہ شجاعت وجہ شبہہ ہے کیونکہ مقصود یہی ہے۔ ایک عابد کو فقط جنگل میں رہنے کی وجہ سے شیر کے ساتھ تشبیہہ دی گئی ہے پس یہاں پر یہی وجہ شبہ ہے مصرع۔ وہ جنگل میں رہتا تھا مانند شیر۔ اگر حقیقت میں مشبہ و مشبہ بہ شریک ہوں تو چاہئیے کہ صفت میں جدا ہوں اور اگر صفت میں شریک ہوں تو چاہئیے کہ حقیقت میں جدا ہوں اگر دونوں کی حقیقت وصفت ایک ہوگی یا دونوں کی حقیقت وصفت مغائر ہوگی تو تشبیہہ بیکار و باطل ہوجائیگی۔

مثال شریک حقیقت کی۔ یہہ کتا شیر کی طرح ہے۔ کتا اور شیر حقیقت میں شریک ہیں یعنی دونوں حیوان ہیں لیکن صفت میں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

مثال شریک صفت کی۔ زید گھوڑے کی طرح تیز دوڑتا ہے زید اور گھوڑا حقیقت میں جدا ہیں یعنی ایک انسان ہے دوسرا حیوان لیکن صفت یعنی تیز دوڑنے میں دونوں شریک ہیں۔

مثال حقیقت وصفت میں متحد ہونے کی - زید کا ایک کتا جو رات بھر بھونکتا ہے ایسا ہے جیسا کہ زید کا دوسرا کتا جو رات بھر بھونکتا ہے - اس مثال میں دونوں کی حقیقت وصفت ایک ہے یعنے دونوں کتے حقیقت میں جانور ہیں اور صفت میں بھی یکساں ہیں یعنی رات بھر بھونکتے ہیں پس تشبیہ کا کچھ فائدہ نہیں ہے -

مثال حقیقت وصفت میں غیر ہونے کی - وہ ذہین لڑکا مثل برگد کے درخت کے ہے - ذہین لڑکا اور برگد کا درخت حقیقت میں جدا ہیں اور صفت میں بھی شریک نہیں ہیں لہذا تشبیہ باطل ہے -

پہلی تقسیم بلحاظ تعدد و نوعیت وجہ شبہ

بلحاظ تعدد و نوعیت کے وجہ شبہ تین طرح کی ہوتی ہے -

(۱) وجہ شبہ واحد - یعنی مشبہ و مشبہ بہ ایک امر میں شریک ہوں اور ایک امر سے یہ مراد ہے کہ عرف میں اسکو واحد سمجھتے ہوں نہ یہ کہ مطلقاً اسکے اجزا نہوں -

(۲) وجہ شبہ بمنزلہ واحد - یعنی مشبہ و مشبہ بہ کئی چیزوں میں شریک ہوں لیکن وہ سب چیزیں ملکر ایک ہیئت ہوگئیں ہوں اور ایک چیز کے حکم میں داخل ہوں اسکو **وجہ شبہ مرکب** کہتے ہیں -

(۳) وجہ شبہ متعدد - یعنی مشبہ و مشبہ بہ دو یا زیادہ

چیزوں میں شریک ہوں اور ہر ایک چیز علیحدہ علیحدہ بجائے خود ایک مستقل چیز ہو۔

وجہ شبہ کی سات قسمیں پہلی دونوں قسموں میں سے ہر ایک دو حال سے خالی نہیں یعنی یا وہ وجہ حسی ہوتی ہے یا عقلی اور تیسری قسم کے تین حال ہیں یا سب وجہیں حسی ہوتی ہیں یا سب وجہیں عقلی ہوتی یا مختلف ہوتی ہیں یعنی بعض وجہیں حسی ہوتی ہیں اور بعض عقلی۔ اسطرح پر وجہ شبہ کی سات قسمیں ہوجاتی ہیں۔ (۱) وجہ شبہ واحد حسّی (۲) وجہ شبہ واحد عقلی (۳) وجہ شبہ مرکب حسّی (۴) وجہ شبہ مرکب عقلی (۵) وجہ شبہ متعدد جسمیں سب وجہیں حسّی ہوتی ہیں (۶) وجہ شبہ متعدد جسمیں سب وجہیں عقلی ہوتی ہیں (۷) وجہ شبہ متعدد جسمیں بعض وجہیں حسّی ہوتی ہیں اور بعض وجہیں عقلی۔

وجہ شبہ حسی میں مشبہ مشبہ بہ دونوں حسّی ہوتے ہیں اور وجہ شبہ عقلی میں عقلی وحسّی دونوں ہوتے ہیں۔ وجہ شبہ حسّی میں خواہ وہ واحد ہو یا مرکب یا متعدد مشبہ ومشبہ بہ دونوں ہمیشہ حسّی ہوتے ہیں انمیں سے کوئی عقلی نہیں ہوتا اس لئے کہ وجہ شبہ مشبہ ومشبہ بہ سے ماخوذ ہوتی ہے اور عقلی چیزوں سے جو چیز ماخوذ ہوگی وہ عقلی ہی ہوگی حسّی نہیں ہوسکتی۔ اور وجہ شبہ عقلی میں مشبہ ومشبہ بہ کا عقلی ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ جائز ہے کہ وہ دونوں عقلی ہوں یا دونوں حسّی ہوں یا ایک عقلی ہو اور ایک حسّی ہو اس لئے کہ یہ

امر ممکن ہے کہ کسی شے حسّی میں بعض وصف عقلی بھی ہوں جیسے شجاعت کہ
ایک وصف عقلی ہے اور زید اور شیر دونوں میں پائی جاتی ہے باوجودیکہ دونوں حسّی ہیں۔

اب ہم ساتوں اقسام مذکورۂ بالا کی مثالیں لکھتے ہیں

(۱) مثال وجہ شبہ واحد حسّی کی - اس میں جیساکہ بیان
کیا گیا مشبہ و مشبہ بہ دونوں حسّی ہوتے ہیں۔

سودا

خوش نہوں دولت دنیا سے زمانے والے　　روئیں گے صورت فوارہ خزانے والے

رونا وجہ شبہ ہے اور خزانے والے مشبہ اور فوارہ مشبہ بہ ہے
اور تینوں حسی ہیں اسکی اکثر مثالیں مشبہ و مشبہ بہ دونوں حسّی کے
مثالوں میں لکھی گئیں ہیں۔

(۲) وجہ شبہ واحد عقلی - اسمیں جیساکہ بیان کیا گیا ہے
مشبہ و مشبہ بہ کبھی دونوں عقلی ہوتے ہیں کبھی دونوں حسی ہوتے ہیں
کبھی مختلف ہم مثالیں علٰحدہ علٰحدہ لکھے دیتے ہیں۔

(الف) وجہ شبہ واحد عقلی اور مشبہ و مشبہ بہ
دونوں حسّی - جیسے شجاعت زید و شیر کی تشبیہ میں وجہ شبہ عقلی ہے

امیر

دیکھا نہیں ہے بسکہ کئی دن سے روئے پاک　　بلبل کی طرح باغ میں ہے بیقرار گل

گل مشبہ اور بلبل مشبہ بہ اور یہ دونوں حسی ہیں اور بیقراری وجہ شبہ واحد عقلی ہے۔

(ب) وجہ شبہہ واحد عقلی اور مشبہ و مشبہ بہ دونوں عقلی۔ جیسے علم کو زندگی سے اور جہل کو موت سے تشبیہہ دیں اول میں وجہ شبہہ با خبری ہے اور دوسرے میں بے خبری ہے اور یہہ دونوں عقلی ہیں۔

احسن اللہ بیان

جادو تھی کہ سحر تھی بلا تھی ظالم یہہ تری نگاہ کیا تھی

نگاہ مشبہہ ہے اور جادو اور سحر اور بلا مشبہ بہ ہیں اور یہہ سب عقلی ہیں وجہ شبہہ نگاہ اور جادو و سحر کی تشبیہہ میں اثر ہے اور نگاہ اور بلا کی تشبیہہ میں ایذا ہے اور یہ دونوں بھی عقلی ہیں۔

(ج) وجہ شبہہ واحد عقلی اور مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی۔ جیسے خلق کو عطر سے تشبیہہ دیں کہ اسمیں وجہ شبہہ طبیعت کا خوش کرنا ہے جو عقلی ہے۔

سودا

بس اب جہاں میں کوئی ہو جو تجھسے کا بدخواہ ہو زہر مرگ ملال آسیہ شہد زیست حرام

موت کو زہر سے اور زندگی کو شہد سے تشبیہہ دی ہے۔ مرگ و زیست مشبہ عقلی ہیں اور زہر و شہد مشبہہ بہ حسی ہیں اول میں وجہ شبہہ فنا کرنا اور دوم میں رغبت ہے اور یہ دونوں عقلی ہیں۔

(۲) وجہ شبہ واحد عقلی - اور مشبہ حسّی اور مشبہ بہ عقلی - جیسے معشوق کو جان سے تشبیہ دیں کہ وجہ شبہ اس میں مدار حیات ہے جو عقلی ہے۔

نسیم

تختہ ہے زمردیں کہ مینو　　گلشن ہے جواہریں کہ جادو

تختہ زمردیں اور گلشن جواہرین دونوں مشبہ حسّی ہیں اور بہشت اور جادو دونوں مشبہ بہ عقلی ہیں اور تختہ زمردیں کی تشبیہ بہشت کے ساتھ جو ہے اُس میں وجہ شبہ فرحت طبع ہے اور گلشن جواہریں کی تشبیہ جادو کے ساتھ جو ہے اُس میں وجہ شبہ حیرانی عقل ہے اور یہہ دونوں چیزیں عقلی ہیں۔

(۳) وجہ شبہ مرکب حسّی - اسمیں بھی جیسا کہ بیان کیا گیا مشبہ و مشبہ بہ ہمیشہ دونوں حسی ہوتے ہیں لیکن اسکی تقسیم بہ لحاظ مفرد و مرکب ہونے مشبہ و مشبہ بہ کے کی گئی ہے لہذا اُسکی بھی چار صورتیں ہو جاتی ہیں۔

(الف) مشبہ و مشبہ بہ دونوں مفرد اور وجہ شبہ مرکب حسّی -

سودا

رنجک ہی بھر مشق اوڑایا کرے ہے برق　　گولی ہی ڈہالتا ہے سحاب تگرگ بار

برق کو رنجک سے اور تگرگ کو گولی سے تشبیہ دی ہے یعنے برق و تگرگ

مشبہ ہیں اور رنجک اور گولی مشبہ بہ ہیں اور یہ سب مفرد حسی ہیں اور وجہ شبہ برق اور رنجک کی تشبیہ میں ایک ایسی ہیئت ہے جو پانچ چیزوں سے مرکب ہوئی ہے اور وہ پانچ چیزیں یہ ہیں۔ روشنی اور دفعتاً چمکنا اور پھر بعد اُسکے جلتے رہنا اور اُسکا انعکاس فضا میں اور اُس سے دیکھنے والوں کی آنکھوں کا جھپکنا۔ اور تگرگ اور گولی کی تشبیہ میں دو چیزوں سے مرکب ہو کر وجہ شبہ ایک ہیئت ہوئی ہے یعنی مدور ہونا اور مقدار مخصوص اور دونوں وجہ شبہ دونوں تشبیہوں میں مرکب حسی ہیں۔

امیر

یہی دو چار دانے حاصل کشت محبت ہیں نہیں اشک مسلسل بالیاں ہیں خرمن دل کی

اشک مسلسل مشبہ اور خرمن دل کی بالیاں مشبہ بہ اور یہ دونوں مفرد حسی ہیں (کیونکہ قید و مقید کا مجموعہ ہیں) اور وجہ شبہ ایک ہیئت ہے جو کئی ایسی صفات سے حاصل ہوتی ہے جو اشک مسلسل اور بالیوں کے ساتھ قائم ہیں وہ یہ ہیں۔ دراز اجسام میں گول گول اجسام کا واقع ہونا اور اُن گول گول اجسام کا چھوٹا چھوٹا نظر آنا اور اُن گول اجسام کا نہ تو بالکل پیوستہ ہونا اور نہ زیادہ منفصل ہونا اور یہ سب مرکب حسی ہیں۔

امیر

دار و بست تاک میں خوشے نظر آنے لگے جس طرح جھرمٹ ستاروں کا فراز آسماں

(ب) وجہ شبہ اور مشبہ و مشبہ بہ مرکب حسی۔

کاکلِ مشکیں نہیں ہیں چہرۂ گلنار پر ہے بچھا یا جال کاہی رنگ کا گلزار پر

کاکل مشکیں کا چہرۂ گلنار پر ہونا مشبہ اور کاہی رنگ کے جال کا گلزار پر بچھا ہونا مشبہ بہ اور یہ دونوں مرکب حسی ہیں اور وجہ شبہ ایک رنگیں اور خوشنما چیز پر ایک سیاہ چیز کا جسکے اجزا میں کشادگی ہو پھیل جانا ہے اور یہ بھی مرکب حسّی ہے اس شعر میں یہ نہیں ہے کہ کاکل مشکیں کی تشبیہ کاہی رنگ کے جال سے اور چہرۂ گلنار کی تشبیہ گلزار سے ہو بلکہ مجموعی حالت کی تشبیہ مجموعی حالت سے ہے اور جب وجہ شبہ مرکب ہوتی ہے تو اوسوقت ہمیشہ مجموعی حالت کی تشبیہ مجموعی حالت سے ہوتی ہے۔

سودا

سایۂ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر ساغرِ لعل میں جوں کیجئے زمرد کو حل

پھول پر پتوں کا سایہ ہونا مشبہ اور ساغر لعل میں زمرد کا حل کرنا مشبہ بہ ہے اور وجہ شبہ ایک سبز[1] چیز کا ایک سرخ چیز میں واقع ہونا ہے جو اسمیں پھیلی ہو اور اسمیں سب چیزیں یعنے مشبہ و مشبہ بہ و وجہ مرکب حسیّ ہیں۔

امانت

دیوانہ تیرا سوکھ کے کانٹا ہوا ہے کیا سر تن پہ یوں ہے آبلہ ہو جیسے خار پر

---

[1] سوال سایہ سیاہ ہوتا ہے پھر پھول پر سبز چیز کیسے نظر آئیگی۔ جواب شاعر نے جوش بہار میں مبالغہ کیا ہے اور مرکوز یہ ہے کہ ہوائے بہار کی تازگی سے پتوں کا سایہ تک سبز ہو گیا تھا جسکو زمرد محلول کی تشبیہ سے ظاہر کیا ہے۔ منیر

یہ رنگت سبز پتوں کی تھی افصل زمیں پر جنکا سایہ سبز مخمل

صبا

سبزۂ خط سے یہ خوش رنگ ترا گال ہوا
لوگ کہنے لگے کندن پہ چڑھا ہے مینا

(ج) مشبہ مفرد حسّی اور مشبہ بہ و وجہ شبہ مرکب حسّی

برق

کھینچا ہے آفتاب پہ نقشہ ہلال کا
ابرو بھی اک نمونہ ہے اُسکے کمال کا

ابرو مشبہ مفرد حسّی ہے اور آفتاب پر ہلال کا نقشہ کھینچنا مشبہ بہ مرکب حسّی اور وجہ شبہ وہ ہیئت ہے جو ایک روشن اور مدور چیز میں ایک باریک اور خمدار چیز کے واقع ہونے سے حاصل ہوتی ہے اور یہ مرکب حسّی ہے۔

ظفر

تنور چرخ میں یارب یہ کیوں ہے نان سفید
سفید قرص قمر دیکھ شب خیال آیا

(د) مشبہ و وجہ شبہ مرکب حسی اور مشبہ بہ مفرد حسّی

ذوق

بنگیا کثرتِ شبنم سے نمکداں کی مثال
شور بلبل بھی یہ رکھتا ہے نمک آج کہ گل

گل پر شبنم کے قطروں کا کثرت سے ہونا مشبہ مرکب حسّی اور نمکداں مشبہ بہ مفرد حسی اور وجہ شبہ ایک ہیئت ہے جو کہ چھوٹے چھوٹے گول اور سفید رنگ کے دانوں کے کسی شے پر نظر آنے سے حاصل ہوتی ہے اور یہ مرکب حسّی ہے۔

امانت

ہے کیچلی کا شبہ چنبیلی کے ہار پر
چوٹی میں متصل جو لپیٹا ہے یار نے

داغ

ہے سیہ ابر میں اس روپ پہ بگلونکی قطار　　انجم کہکشاں کی ہو لڑی جیسے بہم

(۴) وجہ شبہ مرکب عقلی کی مثال

مشبہ و مشبہ بہ دونوں عقلی۔

ذوق

مطلب سے اپنے کون ہے آگاہ جز خدا　　جوں خط سرنوشت ہیں پیشانیوں میں ہم

متکلم نے اپنی حالت کو یعنی اس ہیئت کو کہ ہم مطلب نور کہتے ہیں مگر سوائے خدا کے اسکو کوئی جان نہیں سکتا اس خط سے تشبیہہ دی ہے جو قضا و قدر کی طرف سے پیشانیوں پر لکھا جاتا ہے اور وجہ شبہ دونوں میں یہ ہے کہ باوجود موجود اور متعین ہونے کے کوئی حال کو معلوم نہیں کرسکتا اور یہ وجہ شبہ مرکب عقلی ہے۔

مشبہ و مشبہ بہ دونوں حسّی

مہر

اے مہر شیخ مثل ہے جو عالم ہے بے عمل　　گویا وہ اک گدھا ہے کتب سے لدا ہوا

اس شعر میں عالم بے عمل کو اس گدھے سے تشبیہہ دی ہے کہ جسپر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا اور وجہ شبہ دونوں میں یہ ہے کہ باوجود تحمل مصائب اور تعب کھینچنے کے ایک بڑی نفع کرنے والی چیز سے فائدہ مند نہوتا اور یہ مرکب عقلی ہے۔

مشبہ عقلی مشبہ بہ حسّی

غالب

مثال یہ مرے کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر   کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

وجہ شبہ یہاں کوشش کا ایسے طور سے واقع ہونا ہے کہ وہ کوشش کرنے والے کے حق میں فضول اور غیر مفید ثابت ہو اور یہہ عقلی ہے۔

مشبہ حسّی و مشبہ بہ عقلی

امانت

لڑکر رقیب یار کے گھر سے نکل گیا   مریخ آج برج قمر سے نکل گیا

وجہ شبہ ایک منحوس اور بد وجود سے ایک مبارک اور اچھے وجود کا پاک و صاف ہو جانا ہے۔

جب وجہ شبہ کوئی ہیئت ہو کئی چیزوں سے مرکب عام اس سے کہ وہ اجزا حسّی ہوں یا عقلی تو اگر انمیں سے بعض اجزا کو لیں اور بعض کو چھوڑ دیں تو تشبیہہ میں غلطی ہو جاتی ہے اس لئے تمام اجزا میں مشبہ کو مشبہ بہ سے تشبیہہ دینا چاہیئے۔

(۵) وجہ شبہ متعدد جن میں سب وجہیں حسّی ہوں۔ جیسے رخسارے کی تشبیہہ پھول کے ساتھ کہ اسمیں رنگ و نرمی دو چیزیں وجہ شبہ ہیں یا زلف کی تشبیہہ سنبل سے کہ اسمیں درازی

اور باریکی اور پیچیدگی وجہ شبہ ہیں اور یہ سب چیزیں بجائے خود علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اور سب حسّی ہیں۔

وزیر

مر ہی جاؤنگا اگر صبح کا تارا چمکا یاد آئیگا کسی مہ کا دُرِ گوش مجھے

صبح کے تارے اور دُرِ گوش میں گولائی اور چمک وجہ شبہ ہے اور دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور حسّی ہیں۔

(۶) وجہ شبہ متعدد جسمیں سب وجہیں عقلی ہوں

ضیاالدین ضیا استاد میر حسن

جوں چنار اسجا نہ پھولے ہیں پھل لاتے ہیں ہم جب مراد اپنی کو پہونچے ہیں تو جل جاتے ہیں ہم

وجہ شبہ اس میں دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ ان چیزوں کا حاصل نہ ہوسکنا جو موجب کمال وعزّت ہیں اور دوسرے سرحد کمال کے قریب پہونچکر ایسا نقصان اٹھانا کہ جس کی تلافی ممکن نہیں اور یہ دونوں باتیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور اپنے کام کے دونوں حال کو چنار کے دونوں حال سے جدا جدا تشبیہ دی ہے۔

امیر

دلمیں ہے مثل ہیزم و آتش جو گھٹائے اُسے بڑھائیں ہم

وجہ شبہ اسمیں دو چیزیں ہیں ایک تو مخالف کے ہاتھ سے تنزل حاصل کرنا

پہلی دفعہ۔ اس کے بعد اپنے تنزل کے ذریعہ سے مخالف کو ترقی پہونچانا اور یہ دونوں باتیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور اپنے دونوں حالوں کو ہیزم و آتش کے دونوں حالوں سے تشبیہ دی ہے نہ مجموع کو مجموع سے۔

(۷) وجہ شبہ متعدد جسمیں بعض وجہ حسی اور بعض وجہ عقلی ہو۔ جیسے معشوق کی تشبیہ آفتاب سے کہ اس میں دو چیزیں وجہ شبہ ہیں ایک منھ کی خوبصورتی اور یہ حسی ہے دوسرے شان کا شرف اور یہ عقلی ہے۔

سودا

آفتاب صبح محشر داغ پر دل کے مرے　　حکم رکھتا ہے طبیبو مرہم کافور کا

اسمیں وجہ شبہ رنگ کی سفیدی اور گول ہوتا ہے کیونکہ جب داغ پر مرہم لگاتے ہیں تو پہا گول تراشتے ہیں اور یہ دونوں امر حسی ہیں اور تیسری وجہ شبہ راحت کا پہونچانا ہے اور یہ عقلی ہے۔

چتونوں میں جان لیلیٰ عاشق ناشاد کی
تیغ ابرو یار کی تلوار ہے جلّاد کی

جس تشبیہ میں وجہ شبہ مرکب عقلی ہو اسکو تشبیہ تمثیل کہتے ہیں مگر بغیر قید تشبیہ کے صرف تمثیل نہیں کہتے ہیں اور جس تشبیہ میں کہ وجہ شبہ واحد یا متعدد ہو اسکو تشبیہ غیر تمثیل کہتے ہیں۔

دوسری تقسیم باعتبار ذکر و حذف وجہ شبہ

باعتبار حذف و ذکر وجہ شبہ کے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تشبیہ

مفصل دوسرے تشبیہہ مجمل۔

تشبیہہ مفصل کی تعریف اور آسکی مثالیں

تشبیہہ مفصل ۔ اسکو کہتے ہیں جس میں وجہ شبہ مذکور ہو جیسے زید شجاعت میں شیر کے مانند ہے۔

نسیم

وہ طفل بھی گر پڑا قدم پر مانند سرشک چشم مادر

ذوق

ہوا میں ہے یہ طراوت کہ دود گلخن بھی برستا اٹھتا ہے آتش سے مثل ابر مطیر

پہلے شعر میں یعنی طفل اور آنسو کی تشبیہہ میں گر پڑنا وجہ شبہ مذکور ہے اور دود گلخن اور ابر مطیر کی تشبیہہ میں بھی برسنا وجہ شبہ ذکر کی گئی ہے اسی قبیل سے وہ تشبیہہ بھی ہے جس میں وہ چیز مذکور ہو جسکو وجہ شبہ لازم ہو جیسے۔

ذوق

عقل میں شمس ہے تو علم میں کان گوہر فضل میں کعبہ ہے تو حلم میں کوہ رحمت

انسان کی تشبیہہ میں شمس کے ساتھ عقل وجہ شبہ نہیں ہے بلکہ انکشاف ہے جو عقل کو لازم ہے اور یہ انسان و شمس دونوں میں موجود ہے اور عقل وجہ شبہ اس لئے نہیں ہے کہ وہ انسان سے مخصوص ہے اور اجرام فلکی غیر ذی روح ہیں۔ اسی طرح انسان کی تشبیہہ میں کان گوہر کے ساتھ وجہ شبہ کثرت منفعت ہے جو علم کو لازم ہے اور یہ ذی علم انسان اور کان گوہر میں مشترک ہے اور علم وجہ شبہ نہیں ہے کیونکہ وہ ذی روح کی

شان سے ہے پس علم کان گوہر میں موجود نہ ہوگا۔ اور کوہ رحمت کے تشبیہ میں وجہ شبہ برداشت کرنا ہے اور یہ امر انسان اور کوہ میں مشترک ہے اور علم کے لئے برداشت کرنا لازم ہے ورنہ حلم کوہ میں نہیں پایا جاتا۔

ناسخ

حرف جانیکا زباں پر لانہ اے جاناں مگر
ہے وہ میرے حق میں جیسے موت کا پیغام تلخ

تشبیہ مجمل کی تعریف اور اسکی صورتیں اور مثالیں

تشبیہ مجمل۔ اسکو کہتے ہیں جس میں وجہ شبہ مذکور نہو اور یہ کئی طرح پر ہے۔

(۱) یہ کہ وجہ شبہ غیر مذکور اسمیں ایسی ہو کہ ہر ایک کو بے تامل معلوم ہو سکتی ہو۔

مہر

بھویں تلوار ہیں تو تیری نگاہیں ہیں تیر
موے مژگاں جنہیں سب کہتے ہیں وہ بھالے ہیں

(۲) وجہ شبہ غیر مذکور پوشیدہ ہو اور ہر ایک آدمی پر فوراً نہ ظاہر ہو بلکہ خواص معلوم کر سکیں۔

مومن

ہے رگ خواب سے غفلت محسوس
ہو گئی طرز تجاہل کا بوس

وجہ شبہ تشبیہ تجاہل میں کابوس کے ساتھ نیند میں ڈر کر چونک پڑنا اور چلاّنا اور آواز میں اختلال آجاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ امور ہر آدمی پر فوراً ظاہر نہیں ہو سکتے۔

ذوق

پاس دیں تیرا جو زنار کی چاہے تبدیل
دوش گردونپہ خط منطقہ ہو خط نطاق

خط منطقہ ایک دائرہ ہے کہ بارون برج اسی دائرے پر واقع ہیں اور نطاق کمربند یعنے پٹکے کو کہتے ہیں دائرہ منطقۃ البروج کا اپنی حمائلی شکل جو پہنی ہوئی زنار سے مشابہت رکھتی ہے چھوڑ کر ایسے خط کی شکل اختیار کر لینا جو کمر سے بند ہے ہوے پٹکے کی طرح ہو جس میں زنار کی شکل نہیں ہوتی وجہ شبہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ باتیں عوام کی سمجھ سے دور ہیں۔

واہ واہ کیا معتدل ہے باغ عالم کی ہوا مثل نبض صاحب صحت ہے ہر موج صبا

(۳) تشبیہ میں مشبہ و مشبہ بہ کا وصف مذکور نہ ہو اور مراد وصف سے وہ چیز ہے جس سے وجہ شبہ پہ دلالت ہوتی ہو۔

صبا

ہلال ابروے قاتل نے معرکہ مارا نیام شب میں نہاں تیغ آفتاب ہوئی

ابرو کو ہلال کے ساتھ اور شب کو نیام کے ساتھ اور آفتاب کو تیغ کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور کسی کے ساتھ کوئی لفظ ایسا مذکور نہیں ہے کہ جس سے وجہ شبہ پر ایما ہوتا ہو۔

امانت

بیچتا ہے دانت سوتے میں وہ دریا کا مراد خواب میں دیکھے نہ تجھے ہمنے تو گوہر بولتے

(۴) صرف مشبہ کا وصف مذکور رہو۔

امیر

دل یہ کہتا ہے بدخشاں میں شفق پھولی ہے سرخ جب ہونٹ ترے پان سے ہم دیکھتے ہیں

ہونٹ مشبہ ہے اور شفق مشبہ بہ ہے اور سرخی اور پان وصف مشبہ کے ہیں جن سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ وجہ شبہ یہاں سرخی ہے۔

(۵) فقط مشبہ بہ کا وصف مذکور ہو۔

امیر

تجھکو قاتل ہی کے لعل لب خندا کی قسم نیم جاں چھوڑ نہ اے تیغ تبسم مجھکو

تبسم مشبہ اور تیغ مشبہ بہ ہے اور نیم جاں چھوڑنا صفت مناسب مشبہ بہ کے ہے اس سے معلوم ہوا کہ تبسم کی تشبیہ میں تیغ کے ساتھ وجہ شبہ قتل ہے۔

(۶) مشبہ و مشبہ بہ دونوں کا وصف مذکور ہو۔

ذوق

سچ کہا ہے آگے کالے کے نہیں جلتا چراغ چھپ گیا مہرخ پہ تیرے زلف شبگوں دیکھکر

زلف کی مناسب شبگوں ہے اور سانپ کے مناسب چراغ کا نہ جلنا اور کالا ہونا ہے یہ چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وجہ شبہ سیاہی ہے۔

تیسری تقسیم باعتبار قرب و بعد وجہ شبہ

اسکی دو قسمیں ہیں ایک تشبیہ قریب دوسرے تشبیہ بعید۔

تشبیہ قریب کی تعریف اور اسکے اسباب اور مثالیں

تشبیہ قریب۔ وہ ہے کہ

وجہ شبہ اسمیں جلد سمجھ میں آجائے ایسے تشبیہ مبتذل ہوتی ہے اور اسکے کئی سبب ہوتے ہیں۔

(۱) وجہ شبہ واحد ہوتی ہے۔

امیر

لب شیریں کے وصف کرتے ہیں بات گویا نبات ہے اپنی

بات اور نبات کے تشبیہ میں وجہ شبہ صرف رغبت ہے۔

(۲) مشبہ کو مشبہ بہ سے نسبت قریب کی ہوتی ہے۔

جیسے ناسپاتی کی تشبیہ بہی سے یا بہی کی تشبیہ سیب سے۔

نسیم

شہزادے نے کر کے پاس انکا خلعت سا دیا لباس انکا

امیر

ہے سپر پشت مبارک پہ کہ حمزہ کی سپر ذوالفقار اسد اللہ کہ شمشیر دودم

(۳) مشبہ بہ اکثر ذہن میں گذرتا ہے۔

میر حسن

تری چشم اور لب پیارے تری زلف اور رخسارے

وہ نرگس ہے یہ برگ گل وہ سنبل ہے یہ لالہ ہے

تشبیہ بعید کی تعریف اور اسکے اسباب و مثالیں

تشبیہ بعید۔ وہ ہے کہ وجہ شبہ بعد تامل کے معلوم ہو اسکو تشبیہ غریب کہتے ہیں اسکے بھی

کئی سبب ہوتے ہیں۔

(۱) وجہ شبہ متعدد ہوتی ہے۔

آتش

سرمۂ منظورِ نظر ٹھہرا ہے چشم یار کو　　نیلگوں گنڈا پہنا یا مردمِ بیمار کو

سرمے کی تحریر کو نیلگوں گنڈے سے تشبیہہ دی ہے اور وجہ شبہ دو چیزیں ہیں ایک رنگ دوسری باریکی۔

(۲) وجہ شبہ مرکب ہوتی ہے۔

سودا

یوں عکس صفائے عمارت سے ہی چمن　　جو ایک رو مکاں ہو تو معلوم ہو دورو

چادر تلے ہے آب کے یوں سنگ آبشار　　جیسے بر جبیں نقاب تلے جو رخ نکو

یوں جلوہ گر ہے سرو کا سایہ کہ جیسے طرح　　کوئی سیاہ مست پڑا ہو کنا رجو

انیس

یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے

جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

(۳) مشبہ کو مشبہ بہ سے دور کی نسبت ہوتی ہے۔

آتش

سرمے کا چشم یار کے دل کشتہ ہو گیا　　مارا ہوا ہے زنگی ابلق سوار کا

(۴) مشبہ بہ ذہن میں ندرت کے ساتھ آتا ہے بسبب اسکے

کہ خیالی ہو یا وہمی ہوتا ہے۔

آتش رنگ حنا کا ہے دہواں ہر گیسو پاؤں میں یار کے مہندی ہے تو سر پر گیسو

تشبیہ میں وجہ شبہ جسقدر ترکیب زیادہ رکھتی ہوگی اوسی قدر اسمیں بعد و غرابت زیادہ ہوگی اور جتنی کم تفصیل اور ترکیب رکھتی ہوگی اتنی ہی زیادہ قریب و مبتذل ہوگی اور جسقدر بعد و غرابت زیادہ ہوگی اسی قدر زیادہ بلیغ ہوگی اور بہ نسبت قریب و مبتذل کے اسمیں زیادہ لطف ملیگا کیونکہ جو چیز دقت سے حاصل ہوتی ہے وہ زیادہ لذت دیتی ہے۔

تصرف شاعرانہ سے تشبیہ قریب بعید ہوجاتی ہے اسکی مثالیں

کبھی تشبیہ قریب تصرف شاعرانہ سے غریب ہوجاتی ہے۔ اور بہت لطف حاصل ہوتا ہے اسکی مثال میں اکثر علم بیان کی کتابوں میں تشبیہ مشروطہ سے کام لیا گیا ہے مثل اسکے کہ تیرا قد سرو تھا اگر سرو میں رفتار بھی ہوتی یا وہ آنکھ نرگس ہے مگر نرگس میں بینائی نہیں لیکن اصل میں تصرف شاعرانہ جدت ادا کا نام ہے اور وہ غیر محدود چیز ہے یہاں پر زیادہ مثالوں کے لکھنے کی وجہ یہی ہے کہ یہ معلوم ہوجائے کہ تصرف شاعرانہ کوئی محدود ہونے کی چیز نہیں ہے اور اس قسم میں محض تشبیہ مشروطہ داخل نہیں ہے۔

کہا دل سے کہ چل تجھکو تماشا ایک دکھلاؤں

تہ کاکل عرق آلودہ وہ گردن جھلکتی ہے

سلہ موازنہ میں علامہ شبلی کی یہ رائے کہ تشبیہ قریب الفہم بہتر ہوتی ہے تحقیق کے خلاف ہے۔

لگا کہنے تپش ہیں گھر سے باہر کس طرح نکلوں
اندھیری رات ہے برسات ہے بجلی چمکتی ہے

اگرچہ تنہا کاکل کی تشبیہہ اندھیری رات سے اور عرق کی برسات سے اور جھلکتی ہوئی گردن کی چمکتی ہوئی بجلی سے عامیانہ ہے مگر تینوں کے ایک جا جمع ہونے سے غرابت آگئی ہے۔

تسلیم

موسیٰ کا عصا تھا لٹھ جوان کا ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانکا

لٹھ کی تشبیہہ عصائے موسیٰ کے ساتھ غریب نہ تھی کیونکہ نسبت قریب کی ہے مگر جب یہ کہا کہ ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانکا تو اسمیں غرابت آگئی۔

آباد

شک ہے کمر یار کے اوپر رگِ جاں کا کیسی رگِ گل رشتۂ باریک کہاں کا

کمر کی تشبیہہ رگ گل اور رشتۂ باریک کے ساتھ غریب نہ تھی مگر استفہام انکاری کے طور پر بیان کرنے سے غرابت آگئی۔

عاشق

دانتوں میں زلف کو جو دباتے ہو بار بار کاٹے گا خاک سانپ کا جب سر کچل گیا

زلف کی تشبیہہ سانپ کے ساتھ اس شعر میں محض تصرف شاعرانہ سے غریب ہوئی ہے۔

ممنو

مصحفِ رخسار پہ رکھتی قدم ہے بار بار زلف کافر کو عبث سر پہ چڑھایا آپ نے

رخسار کی تشبیہ مصحف کے ساتھ اگرچہ مبتذل ہے مگر کافر کے ذکر نے اسے نادر کر دیا۔

الہام

نگہ وہ دشنہ کہ طعنہ کٹار پر مارے
مژہ وہ تیر کہ خنجر کو دہار پہ مارے

اگرچہ نگاہ کی تشبیہ دشنے کے ساتھ اور مژہ کی تشبیہ تیر کے ساتھ بلیغ نہیں مگر کٹار پر طعنہ مارنے اور خنجر کو دہار پہ مارنے کے ذکر سے غرابت آگئی۔

عشقی

خدا جلائے ہے اے بت کیا بلا چاہِ زنخداں
نہ مانگا اسنے پانی جو گرا چاہِ زنخداں میں

پانی نہ مانگا کے ذکر نے اس تشبیہ میں ندرت پیدا کر دی ہے۔

سلام

حدیثِ زلف چشم یار سے پوچھ
درازی رات کی بیمار سے پوچھ

زلف کی تشبیہ رات سے اور آنکھ کی تشبیہ بیمار سے علیحدہ علیحدہ نادر نہ تھی مگر انکے اجتماع سے ندرت آگئی۔

میر انیس گھوڑے کی تعریف میں

گردن ہلال ہے مہ تاباں سے پوچھ لو
خوش چشم ہے غزال بیاباں سے پوچھ لو

ضیغم شیم ہے شیر نیستاں سے پوچھ لو
پرواز میں پری ہے سلیماں سے پوچھ لو

شواہد کے ذکر نے تشبیہوں میں لطف پیدا کر دیا ہے۔

تشبیہ مشروطہ کے ساتھ مثالیں۔

شباب

برگ گل کی طرح ہیں لب اُنکے　　اُسمیں اعجاز کا اثر ہو اگر
اُسکی آنکھیں ہیں صورت نرگس　　اُسمیں بینائی کا گذر ہو اگر

اسی قبیل سے یہ اشعار بھی ہیں۔

وقار

اُس صبح رخ کے ناخن پا کا جواب تھا　　ہوتیں بلندیاں اگر ابروے شام میں

وحشت

دل ترا سنگ ہے پر آگ نہ نکلی گا ہے　　رخ ترا آئینہ ہے پر کبھی حیراں نہ ہوا

دبیر

رو دار ہے خورشید پہ ابرو نہیں رکھتا　　ابرو مہ نو رکھتا ہے پر رو نہیں رکھتا
قد رکھتا ہے طوبیٰ پہ یہ گیسو نہیں رکھتا　　سنبل کے ہیں گیسو قد دلجو نہیں رکھتا
گر آنکھ ہے نرگس کے تو بینائی نہیں ہے　　غنچے کے دہن تو ہے پہ گویائی نہیں ہے

انیس

رخسار کو قمر جو کہوں اُسمیں داغ ہے　　خورشید ہے تو کیا ہے وہ دن کا چراغ ہے

ناسخ

مشک میں خوشبو ہے پیچ و تاب مثل مو نہیں　　پیچ ہیں سنبل میں مثل مو مگر خوشبو نہیں

تشبیہ کو تضاد سے حاصل کرنا

کبھی وجہ شبہ تضاد سے حاصل ہوتی ہے اور طریقہ اُسکا یہ ہے کہ دو ضد کو باہم تشبیہ دیتے ہیں اور اُن دونوں میں جو معنی متضاد و مشترک ہوتے ہیں اونہیں وجہ شبہ اعتبار کرلیتے ہیں اور ضدیت کو بمنزلہ تناسب کے سمجھتے ہیں اور اس قسم کی تشبیہ سے غرض دل لگی اور خوش طبعی یا تمسخر اور استہزا ہوتا ہے جیسے نامرد کو شیر سے تشبیہ دیں۔

میر

کیونکہ ہو سخی ہے جنکو امرائی — سب وہ اولاد حاتم طائی

امراء بخیل کو حاتم طائی کی اولاد سے تشبیہ دی ہے اور اسمیں ظرافت واستہزا دونوں کی صلاحیت ہے اور فرق شاعر کے قصد پر منحصر ہے۔

حالی

نہ بدخواہ سمجھو بس اب یاوروں کو — لٹیرے نہ ٹھہراؤ تم رہبروں کو

رہبروں کی تشبیہ لٹیروں کے ساتھ بطریق استہزا کے واقع ہوئی ہے۔

تشبیہات مستعملہ کی تفصیل

وجہ شبہ کے بحث ختم کرنے پر ہم چند تشبیہات کو جو فصحا کے استعمال میں ہیں لکھے دیتے ہیں اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چیزوں کو سوائے لکھی ہوئی چیزوں کے

اور کسی چیز سے تشبیہ دینا درست نہیں ہے بلکہ صرف اس کے جاننے کے لئے کہ ان چیزوں کو شعرا نے کس کس چیز سے تشبیہ دی ہے اگر کسی جدید چیز سے کسی چیز کو تشبیہ دیں جو کہ ابتک استعمال میں نہ آئی ہو اور اسمیں وجہ شبہ کافی ہو تو وہ تشبیہ نئی ہوگی اور بہت بہتر ہوگی۔

تشبیہ محسوسات کی محسوسات سے

تشبیہ قامت ۔سرو۔صنوبر۔شمشاد۔سرو رواں۔ سرو خراماں۔سرو ناز۔سرو سہی۔طوبیٰ۔شاخ طوبیٰ۔شاخ گل۔ نخل۔نہال وغیرہ۔

تشبیہ زلف و کاکل و گیسو و موے سر ۔شب۔نیم شب۔ شب دیجور۔شب یلدا۔شب فرقت۔مشک۔عنبر۔دام۔شام۔ ابر سیاہ۔سنبل۔دستہ سنبل۔بنفشہ۔ریحاں۔کمند۔زنجیر۔ طناب۔تازیانہ۔مار سیاہ۔رشتہ۔رسن۔لام۔چلیپا۔ ہندو۔کافر۔ہند۔خطا۔ختن۔تاتار۔چین وغیرہ۔

تشبیہ مانگ ۔خط کہکشاں۔برق درخشاں وغیرہ۔

تشبیہ رخ ۔ماہ۔آفتاب۔شمع۔چراغ۔مصحف۔کعبہ۔ گل۔شعلہ۔مشعل۔صبح۔روز۔گلستاں۔آئینہ۔حلب۔ وادی ایمن وغیرہ۔

تشبیہ خال - ہندو - مشکدانہ - سپند - مردمک - حجر الاسود -
تخم سیب - حبشی زادہ - زنگی بچہ - دانہ بارود - لفظ سویدا وغیرہ -
تشبیہ جبین - آئینہ - لوح سیمیں - ماہ - بدر - خورشید -
زہرہ - مشتری - سہیل - صبح وغیرہ -
تشبیہ ابرو - محراب - ہلال - کمان - قوس قزح -
ذوالفقار - شمشیر - خنجر - حلقہ کمند - طاق - کلید - مخزن وغیرہ -
تشبیہ چشم معشوق - بادام - نرگس - ہندو - کافر -
سامری - ساحر - فسوں ساز - جام - ساغر - غزال - آہو - بیمار -
صاد - عین وغیرہ -
تشبیہ چشم عاشق - دریا - ابر - حباب وغیرہ -
تشبیہ مژگاں - سنان - نیزہ - تیر - خار - سوزن - پنجہ -
پیکاں - نیش - نشتر وغیرہ -
تشبیہ گردن - صراحی - دستہ عاج - بیاض صبح - ہلال وغیرہ
تشبیہ لب - غنچہ - برگ گل - سوسن - پستہ - موج شراب -
مسیحا - شہد - شکر - نبات - قند - لعل - یاقوت - عقیق - مرجان -
ہلال - عناب وغیرہ -
تشبیہ خط - بنفشہ - ہندو - ریحاں - زمرد - خط ریحاں -
خطِ غبار - خضر - پر طاؤس - سبزہ - مورچہ - ہالہ - مینا - زنگ -

حبش۔ عنبر۔ مشک۔ جدول مشکیں۔ جدول زنگاری۔

تشبیہہ دہن۔ غنچہ۔ پستہ۔ انگشتری۔ صفر۔ صدف۔ قطرہ۔ تنگ شکر۔ حقہ مروارید۔ حقہ مرجان۔ حقہ یاقوت۔ میم۔ کوزہ نبات وغیرہ۔

تشبیہہ دنداں۔ گوہر۔ ژالہ۔ الماس۔ انجم۔ دانہ انار۔ موتی کی لڑی وغیرہ۔

تشبیہہ تبسم۔ برق۔ لمعہ برق۔ غنچہ نیم شگفتہ۔ تیغ۔ خندہ گل وغیرہ۔

تشبیہہ سرانگشت حنائی۔ غنچہ۔ گل۔ خندق۔ گل اورنگ وغیرہ۔

تشبیہہ پنجہ حنائی۔ آفتاب۔ پنجہ مرجان۔ پنجہ گل وغیرہ۔

تشبیہہ شکم۔ قاقم۔ حریر۔ دیبا۔ مخمل۔ تختہ صندل۔ ملائی۔ چشمہ کافور۔ آئینہ۔

تشبیہہ کمر۔ بال۔ رگِ گل۔ رشتہ باریک وغیرہ۔

تشبیہہ دل معشوق۔ سنگ۔ آہن۔

تشبیہہ دل عاشق۔ آئینہ۔ صحرا۔ خزانہ۔ کعبہ۔ لنگر۔ ساغر۔ شیشہ۔ جام جم۔ وغیرہ۔

تشبیہہ خرام۔ بہار۔ برق۔ نسیم سحر۔ بادِ صبا

شمیم گل وغیرہ۔

تشبیہ عرق جسم۔ عطر۔ گلاب۔ شراب۔

تشبیہ شراب۔ آتش۔ آفتاب۔ تیزاب۔ نوشدارو۔ کفِ مارِ سیاہ۔

تشبیہ محسوسات کی معقولات سے

تشبیہ قامت۔ قیامت۔ آفت۔ فتنہ۔

تشبیہ زلف۔ ظلمات۔ روزِ حشر۔ بلا۔

تشبیہ مانگ۔ راہ ظلمات۔ خط استوا۔ راہ شبِ معراج۔

تشبیہ رخ۔ شعلہ طور۔ تجلی طور۔ شمع طور۔ چراغ طور بہشت۔

تشبیہ جبین۔ لوح محفوظ۔

تشبیہ زبان۔ موج کوثر۔ موج نسیم۔ جادو۔

تشبیہ ذقن۔ چشمہ حیواں۔ چاہ بابل۔

تشبیہ لب۔ آب حیات۔ موج کوثر۔ موج شبنم۔ اعجاز۔ کرامات۔ شفا۔

تشبیہ دہن۔ جوہر فرد۔ نقطہ موہوم۔ عدم۔ عنقا۔

تشبیہ خرام۔ محشر۔ فتنہ۔ آفت۔ سحر مجسم۔

تشبیہ کمر۔ عنقا۔ عدم۔

تشبیہ شراب۔ لال پری۔ آب حیات۔

تشبیہ معقولات کی معقولات سے

تشبیہ نگاہ - سحر - بلا - آہ - قضا -
تشبیہ علم و عقل - نور -
تشبیہ قہر و غضب - صور -
تشبیہ لطف و سخا - چشمہ بہشت - آب حیات - کوثر -

تشبیہ معقولات کی محسوسات سے

تشبیہ نگاہ - مست - تیر - تیغ - زہر - دزد وغیرہ -
تشبیہ غم - کاررواں - بوے گل -
تشبیہ طبیعت - بحر - ابر - گنج - معدن -
تشبیہ علم و عقل - چراغ - شمع - آفتاب -
تشبیہ قہر و غضب - آتش - شعلہ - تیغ - برق - باد خزاں -
باد سموم -
تشبیہ موت - گرگ - شہباز - زہر -
تشبیہ حیات - شہد - رشتہ -
تشبیہ لطف و سخا - ابر - دریا - باران رحمت -
تشبیہ خلق - عطر - شمیم گل - باد بہار - نسیم سحر - مشک -
کافور وغیرہ -

فرع سیوم غرض تشبیہ کے بیان میں

غرض تشبیہ وہ ہے کہ تشبیہ ایک چیز کی دوسری چیز سے اُسکے واسطے ہو اس لئے کہ اگر غرض تشبیہ کچھ نہ ہو تو تشبیہ فعل عبث ہو جاے تشبیہ کی غرض دو چیزونکی طرف رجوع کرتی ہے۔

غرض تشبیہ مشبہ کے لئے اور اُسکے سات حال

ایک ۔ مشبہ کی طرف یعنی اکثر غرض اُس سے یہ ہوتی ہے کہ مشبہ کا حسن و قبح یا دوسرا حال بیان کیا جاوے اور تشبیہ میں زیادہ تر یہی ہوتا ہے اور اسکے کئی حال ہیں۔

(**الف**) تشبیہ سے یہ غرض ہوتی ہے کہ بیان کیا جاوے کہ مشبہ کا وجود ممکن ہے اور یہ بات وہاں ہوتی ہے جہاں اُسکے ممتنع ہونیکا بھی دعویٰ کر سکتے ہیں اور اس صورت میں یہ ہونا چاہیئے کہ مشبہ بہ وجہ شبہ کے ساتھ مشہور ہو اور امکانیت میں مسلم ہو تاکہ مشبہ کے ممکن ہونے پر دلیل ہو۔

ذوق

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے ۔ لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

شاعر نے دعویٰ کیا ہے کہ آدمیت کا حاصل کرنا علم کی تحصیل پر موقوف نہیں ہے اور یہ دعویٰ ظاہر میں ممتنع ہے اس لئے کہ ممکن نہیں کہ علم کی تحصیل سے آدمیت حاصل نہو لیکن جب شاعر نے طوطے کے ساتھ تشبیہ دی تو یہ امر ممکن ہو گیا کیونکہ طوطے کو کتنا ہی پڑھایا جاے مگر وہ آدمی نہیں ہو سکتا۔

آتش

برنگ شمع ہم دل سوختوں نے بزم عالم میں زباں کھولی نہ لیکن بات کرنے کا محل پایا

(ب) تشبیہ سے غرض مشبہ کا حال بیان کرنا ہوتا ہے یعنی یہ دکھانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ کس صفت کے ساتھ متصف ہے۔

انیس

لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیس جو مشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

جوانی کے بالوں کو سیاہی میں مشک سے اور بڑھاپے کے بالونکو سفیدی میں کافور سے تشبیہہ دی ہے اور غرض اس سے دونوں عمروں کے بالوں کا حال بیان کرتا ہے۔ سودا آسمان کی مذمت میں کہتا ہے۔

سودا

رکھتا ہے پرغرور کو جوں نیزہ سربلند جوں جادہ خاکسار کو دی ہے زمیں پہ ڈال

پُرغرور کو سربلند رکھنے کا اور خاکسار کو زمین پر ڈالنے کا حال نیزہ اور جادے کی تشبیہہ سے ظاہر ہو گیا۔

(ج) غرض تشبیہہ کی مشبہ کی مقدار حال بیان کرنا ہوتی ہے تاکہ مشبہ کا حال ضعف وقوت وکمی وزیادتی میں معلوم ہو جائے۔ اس صورت میں چاہیئے کہ مقدار حال مشبہ اور مشبہ بہ کی شہرت میں برابر ہو مثلاً دہن معشوق کو نقطہ سے اور کمر کو بال سے اور زلف کو روز حشر سے تشبیہہ دیں تو ان میں غرض تشبیہہ اول سے نایابی میں اور دوسرے سے باریکی اور تیسرے سے

درازی میں مبالغہ ہے۔

رشک

لفظ دہن سے جب نہ دہن کا پتہ ملا   نام دہن کے نقطے کو سمجھا ترا دہن

(د) غرض تشبیہہ کی یہ ہوتی ہے کہ مشبہ کا حال سننے والے کے ذہن نشین ہو جائے۔ اسمیں مشبہ سے مشبہ بہ اکمل واشہر ہوتا ہے۔

میر

لے گئے ہیں جہاں کو سیلاب   نقش عالم کا نقش تھا بر آب

عالم کی چیزوں کو پانی کے نقش کے ساتھ تشبیہہ دینے سے انکا سریع الزوال اور فانی ہونا دل نشیں ہو گیا۔

سودا

نہیں ہوں طالب رزق آسماں سے کہ مجھے   یقیں ہے کا سۂ واژوں میں کچھ نہیں ہوتا

آسمان کا نعمت سے خالی ہونا کاسہ واژوں کی تشبیہہ سے دل نشین ہو گیا۔

اسمیں اور دوسری قسم میں یہ فرق ہے کہ اسمیں مطلقاً بیان ہوتا ہے اور اسمیں بیان خاطر نشیں کرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔

(ہ) تشبیہہ سے غرض یہ ہوتی ہے کہ مشبہ سننے والوں کی نظر میں اچھا معلوم ہو۔ جیسے روے سیاہ کو آنکھ کی پتلی سے تشبیہہ دی جائے۔

آباد

نظر آتے ہیں تبخالے لب نگین جاناں میں | گہر پیدا ہوے ہیں پارۂ لعل بدخشاں میں
چیچک کا ستمگر ترے ابرو پہ یہ ہے داغ | یا قبضۂ شمشیر میں چتّی یہ جڑی ہے

(و) غرض تشبیہہ کی یہ ہوتی ہے کہ مشبہ سننے والوں کی نظر میں برا یا حقیر و ذلیل معلوم ہو۔

نسیم

زنبور سیاہ خال اُسکے | برگد کی جٹائیں بال اُسکے

سودا

آگے تجھ بحر کرم کے صدف پرگوہر | مٹھی اُسکی ہے جبے نکلے بشدت چیچک

تشبیہ سے صدف پُر گوہر کی بد نمائی و تحقیر منظور ہے۔

(ز) تشبیہہ سے غرض یہ ہوتی ہے کہ مشبہ کا نادر اور طرفہ ہونا ثابت ہو اسکی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

ا۔ مشبہ فی نفسہ نادر و طرفہ ہو۔ یہ بیشتر تشبیہہ خیالی و وہمی ہوتا ہے۔

نصیر

ہے عجب جھومر کا عالم اپنے رشک حور کا | سر و میں خوشہ لگا دیکھا نہ تھا انگور کا

سودا

چہرۂ مہروش ہے ایک سنبل مشک فام دو | حسن بتاں کے دور میں ہے سحر ایک شام دو

شاداب

عارض و پیشانی ابروے قاتل دیکھنا　　زیر خنجر چاند ہے بالاے خنجر آفتاب

سر دیں انگور کا خوشہ لگنا۔ ایک سحر اور دو شام کا ایک جگہ نظر آنا۔ خنجر کے نیچے چاند اور اوپر آفتاب کا ہونا فی نفسہ نادر ہے۔

۲۔ مشبہ بہ فی نفسہ نادر اور طرفہ نہو بلکہ جسوقت مشبہ کا تصور ہو اُسوقت مشبہ بہ کی ندرت محقق ہو۔

اسیر

تری آنکھوں کی گردش دیکھکر سب لوگ کہتے ہیں　　یہ پتلی پھر رہی ہے واہ کس انداز سے کل پر

پتلی کا کل پر پھرنا کوئی عجیب بات نہیں ہے لیکن جب آنکھوں کی گردش کا اور پتلی کے کل پر پھرنے کا تصور ہوا تو ان متباعد صورتوں کے متصل ہونے سے ندرت حاصل ہو گئی۔

سودا

زلفیں یوں چہرے پہ بکھری ہوئی مانگے تھے دل　　جسطرح ایک کھلونے پہ ہٹیں دو بالک

مژدۂ وصل ترا یار سے مجھے یوں پہونچا　　جوں مہ عید کی صائم کو خبر آخر شب

ان پچھلی تین صورتوں میں مشبہ بہ کا وجہ شبہ میں نہ اکمل ہونا لازم ہے اور نہ بہت مشہور ہونا۔

غرض تشبیہ مشبہ بہ کی طرف اور اُسکی دو قسمیں

دوسرے۔ تشبیہ کی غرض مشبہ بہ کی طرف رجوع کرتی ہے اور اُسکی دو قسمیں ہیں۔

(الف) جس میں صفت کم ہوتی ہے اسکو مشبہ بہ قرار دیکر بطور ادعا کے اسکی زیادتی قرار دیتے ہیں جیسے غالب کے ان اشعار میں

صبح آیا جانب مشرق نظر اک نگار آتشیں رخ سر کھلا
تھی نظر بندی کیا جب ردِ سحر بادۂ گلرنگ کا ساغر کھلا

اوپر سے آفتاب کا ذکر ہے۔ پہلے شعر میں آفتاب کو نگار آتشیں رخ سے اور دوسرے شعر میں ساغر بادہ گلرنگ سے تشبیہہ دی ہے اور یہ دونوں حقیقتاً اپنے اپنے وصف میں آفتاب سے کم ہیں لیکن بطور ادعا کے ان کو صفت میں زیادہ مان کر مشبہ بہ قرار دیا ہے۔

(ب) جس شے کی شان کا اہتمام منظور ہو اسکو مشبہ بہ بناتے ہیں اور اسکو اظہار المطلوب کہتے ہیں۔ جیسے ہلال عید کو روٹی کے ٹکڑے سے تشبیہہ دیں۔

صورت وہی عظمت وہی گردش وہی کیسی حیراں ہو کہ یہ چرخ ہے یا آبلہ پا
ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام مہر گردوں ہے چراغ رہگذار باد یاں

پہلے شعر میں چرخ مشبہ اور آبلہ پا مشبہ بہ ہے اور دوسرے شعر میں آفتاب مشبہ اور چراغ رہگذار باد مشبہ بہ ہے یہاں مشبہ بہ کے شان کا اہتمام مقصود ہے۔

تشبیہہ مقبول و مردود۔ جس تشبیہہ کی غرض اچھی طرح ظاہر ہو اور اسمیں مشبہ بہ ایسا ہو کہ وجہ شبہ میں وہ مشہور اور کامل ہو اور اسکا حکم

مسلم ہو اور بیان امکان میں مخاطب کے نزدیک معروف ہو تو ایسی تشبیہ مقبول ہے ورنہ مردود تشبیہہ مقبول کی مثال وہ سب شعر ہیں جو مذکور ہوئے اور تشبیہہ مردود کی مثال ناسخ کا یہ شعر ہے۔

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں ہم اپنا دہن ان روز ولی　　دہن یار کے مانند ہوا ہے معدوم

اس میں غرض تشبیہہ اچھی طرح نہیں معلوم ہوتی کہ ناسخ کا دہن معشوق کے دہن کے مانند کیوں ہو گیا یا مثلاً یہ کہیں کہ زید سخاوت میں رستم ہے چونکہ رستم جو مشبہ بہ ہے سخاوت میں مشہور نہیں ہے لہذا تشبیہہ مردود ہے۔

فرع چہارم اداۃ تشبیہہ کے بیان میں

اداۃ تشبیہہ اور اسکی مثالیں

اداۃ لغت میں آلہ کو کہتے ہیں۔ یہاں وہ چیز مراد ہے جو ایک دوسرے سے مشابہ کرنے کا واسطہ ہو خواہ اسم ہو یا فعل یا حرف۔ اداۃ تشبیہہ اردو میں یہ ہیں۔

سا وایسا وجیسا۔ مفرد کے لئے۔ سے وایسے مجموع کے لئے۔ جیسے۔ مفرد و مجموع دونوں کے لئے۔ سی جیسی۔ مونث کے لئے مستعمل ہیں طرح اور جوں بھی کثرت سے آئے ہیں لیکن اب جوں فصیح نہیں سمجھتے۔ عربی و فارسی اداۃ تشبیہہ میں سے۔ مثل۔ مثال۔ تمثال۔ شکل۔ عدیل۔ مثیل۔ نظیر۔ مشابہ۔ صفت۔ صورت۔ آسا۔ ساں۔ رنگ۔ برنگ۔ بشکل۔ نمط۔ وش۔ روش۔ وار۔ گویا۔ یساں وغیرہ

اُردو میں لائے گئے ہیں چند مثالیں لکھی جاتی ہیں۔

قلق

سرو سا قد تو گل سے رخسارے
شانے بازو بھرے بھرے سارے

نسیم

آغوش کی موج سے وہ مضطر
مچھلی سی نکل گئی تڑپ کر

حالی

کنیز اور بانو نہیں آپس میں ایسی
زمانے میں ماں جائے بہنیں ہوں جیسی

سودا

غرض انساں نہ کبھی پہونچے ہم تجھ جیسا
آسماں گرکرے خلقت کو چھانکی غربال

انیس

تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

بو کی طرح اشارے میں سو بار پھیر لو
بجلی ہے جس طرف دم پیکار پھیر لو

کاوے میں شکل گنبد دوار پھیر لو
نقطے کے گرد صورت پرکار پھیر لو

گھوڑوں سے گونجتا تھا وہ سب وادی نبرد
گردوں میں مثل شیشۂ ساعت بھری تھی گرد

کانپے طبق زمیں کے ہلا چرخ لاجورد
مانند کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد

یہ شوق شہادت کا تھا اس عاشق رب کو
یعقوب ترستے تھے یوسف کی طلب کو

ذوق

زلف افعی وش کو دھوئے گر وہ پر فن آب میں
ہو بجائے موج پیدا مار رہزن آب میں

اب بھی گریہ سے مجھے فرصت نہیں فوارہ وار — گو کہ میں ڈوبا کھڑا ہوں تا بہ گردن آب میں

ہر ایک خار ہے گل ہر گل ایک ساغر عیش — ہر ایک دشت چمن ہر چمن بہشت نظیر

جلال

سبزہ بختی نے مری مجھکو دکھایا اک خواب — باغ ہے ایک بہ رنگ رخ گلگوں شاداب

متحرک لب نازک تھے مثال گلبرگ — تبسم صفتِ غنچہ وہاں خاموش

گویا

حروف سے خط سطر ہوں جیسے پوشیدہ — اسی روش سے روش زیر سبزہ پنہاں ہے

منیر

بہت سے سوے دوزخ مڑ کے بھاگے — شرر آسا ہزاروں اوڑ کے بھاگے

مومن

گاہ آوازِ خوش سنا دینا — جوں سحر گاہ مسکرا دینا

نسیم

ٹوپی جو بنائے چھیل کر چھال — دکھلائی ندے نظر کی تمثال

انشا

لبسان بند مرے بند بند جکڑے ہیں — وفورِ درد بیاں تک کہ ہوں بشکل سطیح

محشر دہلوی

نرگس کی طرح شوق میں سب تن میں دیدہ ہوں — حسرت سے گل کے رنگ گریباں دریدہ ہوں

ظفر علی خان

میرے جدامجد شہنشاہ بیٹر عدیلِ فریدوں مثیل سکندر

شاداب

کہیں کیونکر نہ شاہ حسن تمکو مشابہ زلف سے بال ہما ہے

ناسخ

حقہ جو ہے حضور معلےٰ کے ہاتھ میں گویا کہ کہکشاں ہے ثریا کے ہاتھ میں

آتش

شمع ساں اظہار کا یارا نہ آتش کو ہوا سرگذشت اپنی زماں تک اپنی لاکر رہگیا

ماناسودا وغالب نے حرف ایک ایک جگہ استعمال کیا ہے لیکن اب خلاف محاورہ ہے

سودا

یاسمن رنگ جو رکھتی ہے سمن سے مانا چاہتی ہے ہولیا جت کرے سبزے سے بدل

کبھی تنہا کاف جو حروف معنوی میں سے ہے حرف تشبیہہ کا کام دیتا ہے۔

محمد اسمٰعیل

جب ستارہ طلوع ہو دمدار دم ہوا یسی کہ چھوٹتا ہوا انار

یہاں کاف جیسے کے معنی میں ہے۔

کبھی کسی دوسری عبارت کو اداۃ تشبیہہ کا قائم مقام بنا دیتے ہیں۔

ظفر

کوئی کہتا ہے بینی کو کہ ہے رشک گل زنبق کوئی کہتا ہے چشم سرگیں ہم چشم عنبر ہے

کوئی کہتا ہے اک سیف کشیدہ ہے وہ وبنالہ   کوئی کہتا ہے جو فر گان ہے وہ ناوک سے ہمسر ہے

سودا

بلبل خوش نغمہ ہوں لیک اُس گلستاں میں جہاں   نالۂ مرغ چمن سے کم نہیں فریاد زاغ

اصغر

مضمون دقیق وصف سراپا میں ہے رقم   تار نظر کو باندھا ہے موے کمر کے ساتھ

طوبیٰ

چہرۂ یار پہ بکھری ہوئی کیا خوب ہے زلف   دستۂ سنبل گلشن سے یہ منسوب ہے زلف

تشبیہ مرسل و تشبیہہ موکد۔ | جس تشبیہہ میں حرف تشبیہہ مذکور ہوتا ہے اُسکو تشبیہہ مرسل کہتے ہیں جیسا کہ ادات تشبیہہ کی مثالوں میں اشعار ہیں

اور جس تشبیہہ میں حرف مذکور نہیں ہوتا اُسکو تشبیہہ موکد کہتے ہیں

اسکی دو صورتیں ہیں۔

الف۔ حرف حرف تشبیہہ محذوف ہو۔

ناسخ

لاغر ایسا ہوں کہ میں اکثر ہوا سے اُڑ گیا   میرے پیکر میں ہے عالم کاغذی تصویر کا

اپنے جسم کو کاغذی تصویر سے تشبیہہ دی ہے اور حرف تشبیہہ محذوف ہے۔

ب۔ مشبہ بہ مشبہ کی طرف مضاف ہو۔ جیسے

ناسخ

ہوا سے بال اُڑ کر آئے ہیں جو اسکے عارض پر
غزال چشم شوخی کر رہے ہیں چین گیسو میں

چشم کو غزال سے تشبیہ دی ہے چشم مشبہ ہے اور مشبہ بہ مضاف ہے مشبہ کی طرف یہی حال چین گیسو کا ہے۔

فرع پنجم۔ احوال مراتب تشبیہ باعتبار ضعف و قوت کے

تشبیہ کی آٹھ حالتیں

تشبیہ کا استعمال عموماً آٹھ طور پر ہوتا ہے۔

اول۔ یہ کہ مشبہ و مشبہ بہ اور وجہ شبہ اور حرف تشبیہ چاروں کو ذکر کریں اسکو تشبیہ مطلق کہتے ہیں۔ جیسے زید جراءت میں شیر کے مانند ہے۔

ولی

نہ ہوے چرخ کی گردش سے اسکی چال میں گردش
بجا ہے قطب کے مانند استقلال عاشق کا

عاشق مشبہ قطب مشبہ بہ استقلال وجہ شبہ مانند حرف تشبیہ۔

دوم۔ یہ کہ چاروں میں سے حرف تشبیہ کو حذف کردیں۔ جیسے کہیں کہ زید جراءت میں شیر ہے۔ ذوق

عقل میں شمس ہے تو علم میں کان گوہر
فضل میں کعبہ ہے تو حلم میں کوہ رفعت

سیوم۔ یہ کہ وجہ شبہ کو حذف کردیں۔ جیسے زید شیر کے مانند ہے۔

اسیر

گھٹا کے بدر کو مہر ماہ میں ہلال کیا
تمہارے چاند سے چہرہ نے بھی کمال کیا

چہارم - یہ کہ استخبار کے جواب میں مشبہ کو حذف کر دیں یعنی کوئی پوچھے کہ زید کیسا ہے جواب دیں کہ شجاعت میں شیر کے مانند ہے۔

پنجم - یہ کہ وجہ شبہ اور حرف تشبیہ دونوں کو حذف کر دیں۔ جیسے زید شیر ہے۔

ناسخ

روز نوروز جبیں ہے شب معراج ہے زلف ذوالفقار ابروے محبوب ہے قرآن عارض

ششم - یہ کہ استخبار کے حالت میں مشبہ اور حرف تشبیہ کو حذف کر دیں۔ جیسے کوئی پوچھے کہ زید کون ہے - جواب دیں۔ شیر ہے شجاعت میں۔

ہفتم - یہ کہ مشبہ اور وجہ شبہ کو حذف کر دیں استخبار کی حالت میں۔ مثلاً دریافت کریں کہ زید کیسا ہے - تو کہیں شیر کی طرح ہے۔

ہشتم - یہ کہ استخبار کی حالت میں حرف تشبیہ اور وجہ شبہ اور مشبہ تینوں کو حذف کر دیں۔ مثلاً کوئی پوچھے کہ زید کون ہے - جواب دیں شیر ہے۔

ضعف و قوت تشبیہ اقسام مذکورہ میں ان اقسام میں سے جن قسموں میں کہ وجہ شبہ و حرف تشبیہ دونوں محذوف ہیں (یعنی پانچویں اور آٹھویں قسم) وہ بہت قوی ہیں اور جن قسموں میں کہ انہیں سے صرف ایک چیز حذف ہے (یعنی دوسری و تیسری و چھٹی و ساتویں) وہ متوسط ہیں اور جن

قسموں میں کہ ان دونوں میں سے کوئی حذف نہیں (یعنی پہلی اور چوتھی) وہ بہت ضعیف ہیں اور سبب اسکا یہ ہے کہ جسوقت حرف کو حذف کردیا۔ مثلاً یہ کہا کہ زید شجاعت میں شیر ہے تو گویا زید کو بعینہ شیر فرض کیا اور جسوقت وجہ شبہ کو بھی حذف کیا اور یہ کہا کہ زید شیر ہے تو عمومیت حاصل ہوگئی پس جہاں پر یہ دونوں ترک ہوجائیں گی وہ تشبیہہ بہت قوی ہوگی اور جن قسموں میں ان دونوں میں سے کوئی مذکور ہوگا تو وہ تشبیہہ بہ نسبت اول کے ضعیف ہوگی اور جہاں یہہ دونوں مذکور ہونگی وہ تشبیہہ بہت زیادہ ضعیف ہوگی۔

فصل دوم استعارہ کے بیان میں

حقیقت ومجاز کی قسمیں۔

استعارہ چونکہ مجاز کی قسم ہے (جیساکہ بیان کیا گیا) لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مجاز وحقیقت کی قسمیں بیان کردی جائیں۔

حقیقت ومجاز دونوں چار چار قسم پر ہیں۔ لغوی۔ شرعی۔ عرفی خاص۔ عرفی عام۔ یعنی کوئی لفظ اگر لغت میں کسی معنی کے واسطے وضع کیا گیا ہے تو اُسکو حقیقت لغوی کہتے ہیں اور اگر شرع میں وضع کیا گیا ہے تو اُسکو حقیقت شرعی کہتے ہیں اور اگر کسی خاص فرقہ کی اصطلاح میں وضع کیا گیا ہے جیسے نحوی یا صرفی یا منطقی وغیرہ

تو اُسکو حقیقت عرفی خاص یا حقیقت اصطلاحی کہتے ہیں اور اگر کسی خاص فرقے کی اصطلاح میں وضع نہیں کیا گیا بلکہ عام اشخاص اُس لفظ سے وہ معنی سمجھتے ہیں تو اُسکو حقیقت عرفی عام کہتے ہیں اسی طرح مجاز کی قسمیں ہیں یعنی اگر لفظ لغت کی اصطلاح میں موضوع تھا ایک معنی کے لئے اور اُسکو استعمال کیا اور معنی میں تو وہ مجاز لغوی ہے اور اگر شرع کی اصطلاح میں موضوع تھا ایک معنی کے لئے اور اُسی اصطلاح میں کسی اور معنی میں استعمال کیا گیا تو وہ مجاز شرعی ہے اور اگر اصطلاح خاص میں کسی معنی کے لئے موضوع تھا اور اُسی اصطلاح میں اُسکے غیر میں مستعمل ہوا تو وہ مجاز عرفی خاص ہے اور اگر عام کی اصطلاح میں موضوع تھا کسی اور معنی کے واسطے اور اُسی اصطلاح میں مستعمل ہوا دوسرے معنی میں تو وہ مجاز عرفی عام ہے مثال اسکی یہ ہے کہ شیر لغت میں جانور درندہ مشہور کے واسطے وضع کیا گیا ہے اسی معنی میں استعمال کرنے کو حقیقت لغوی کہتے ہیں اور مرد بہادر کے معنی میں استعمال کرنے کو مجاز لغوی کہتے ہیں اور لفظ صلوٰۃ شرع کی اصطلاح میں نماز کے واسطے موضوع ہے اور لغت میں دعا کے معنی میں آیا ہے شرع کی اصطلاح میں نماز کے معنی میں استعمال کرنا حقیقت شرعی ہے اور اُسی اصطلاح میں دعا کے معنی میں

مجاز شرعی[1] ہے اور لفظ فعل علم نحو میں اُس لفظ خاص کے لئے موضوع ہے جو مسند ہونے کی صلاحیت رکھے اور معنی مستقل پر دلالت کرے اور علاوہ معنی مصدر کے جو اسکے جوہر ہیں تین زبانوں میں سے کوئی زمانہ اسکے ساتھ پایا جاے لیکن لغت میں لفظ فعل کے معنی کرنا ہیں پس نحو کی اصطلاح میں لفظ خاص کے معنی میں حقیقت عرفی خاص ہے اور اُسی اصطلاح میں کرنے کے معنی میں مجاز عرفی خاص ہے اور لفظ تعزیہ عام کے نزدیک اُس چیز کے معنی میں ہے جو نقل بنائی جاتی ہے روضۂ امام حسین کی اور لغت میں ماتم پرسی کرنے کے معنی میں ہے لہذا نقل روضۂ امام کے معنی میں حقیقت عرفی عام ہے اور اُسی اصطلاح میں ماتم پرسی کے معنی میں مجاز عرفی عام۔

حقیقت و مجاز دراصل الفاظ کے عوارض میں سے ہیں کبھی معنی اور استعمال کو بھی حقیقت و مجاز کے ساتھ متصف کر دیتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ یہ معنی حقیقی ہیں اور وہ مجازی ہیں اور یہ استعمال حقیقت ہے اور وہ استعمال مجاز۔

استعارہ مجاز لغوی ہے یا مجاز عقلی	علماے فن بلاغت کا اسمیں اختلاف ہے کہ استعارہ کون سا مجاز ہے آیا مجاز لغوی ہے یا عقلی[2] یہاں عقلی سے

[1] مجاز شرعی مجاز عرفی خاص میں داخل ہے علماء نے محض شرع کی تعظیم و شرف کی وجہ سے اسکو جداگانہ قسم قرار دیدیا ہے [2] مجاز عقلی سے بحث علم معانی میں کی جاتی ہے

مراد یہ ہے کہ ایک امر عقلی میں تصرف کیا گیا ہو۔ جمہور کا یہ مذہب ہے کہ استعارہ مجاز لغوی ہے یعنی وہ ایسا لفظ ہے کہ جس معنی کے واسطے بنایا گیا ہے اُس معنی کے غیر میں مستعمل ہوا ہے مشابہت کے علاقہ سے اور اس بات پر دلیل یہ ہے کہ ہمنے کسی آدمی کو شجاعت کی وجہ سے شیر کہا تو اُس سے یہ مراد نہوگی کہ ہیکل مخصوص کا استعارہ اُسکے لئے ہے بلکہ مشبہ یعنی مرد شجاع کو مشبہ بہ یعنی شیر کی جنس میں بطریق تاویل کے داخل کر لیا جاتا ہے اور تاویل کی یہ صورت ہے کہ مشبہ بہ کے افراد کو دو قسم پر مقرر کیا جاتا ہے۔

(۱) ایک قسم متعارف و مشہور ہے یعنی جانور درندہ جو نہایت شجاعت کے ساتھ ہیکل مخصوص میں پایا جاتا ہے۔

(۲) دوسرے قسم غیر متعارف اور وہ ایسا شیر ہے کہ جسکو درندہ معروف کی سی شجاعت حاصل ہے لیکن اُس ہیکل خاص میں ہو کہ حاصل نہیں ہے۔ مرد شجاع اسی قبیل سے ہے مگر لفظ شیر اصل لغت میں قسم دوم کے لئے موضوع نہیں ہے پس اس لفظ کا استعمال قسم ثانی میں باعتبار مجاز کے ہے اور یہ اطلاق اس شے پر ہے جو معنی لغوی کے غیر ہے لہذا مجاز لغوی ہوا اور صحیح یہی مذہب ہے۔ لیکن بعضوں کا قول ہے کہ وہ مجاز عقلی ہے کیونکہ استعارہ امر عقلی میں تصرف کرنے کا نام ہے اس لئے کہ استعارہ میں جب کسی کو شیر کہتے ہیں تو اُسکو بعینہ شیر (جانور درندہ

معروف) ٹھرا لیتے ہیں نہ مثل شیر کے (کیونکہ مثل شیر کے سمجھنے میں تشبیہہ ہو جاتی ہے استعارہ نہیں رہتا) اس صورت میں گویا شیر کے لفظ کا وہ شخص موضوع لہٗ ہوا پس یہ دعویٰ کرنا عقل سے تعلق رکھتا ہے نہ لغت سے حاصل یہ ہے کہ مرد شجاع واقع میں شیر نہیں ہے اور اسکو اپنے نزدیک شیر ٹھرا لیا اور جو چیز کہ واقع میں نہو اسکو واقعی ٹھرا لینے کو مجاز عقلی کہتے ہیں پس استعارہ مجاز لغوی نہوا بلکہ مجاز عقلی ہوا مثلاً۔ آتش

وعدۂ شب نکرائے مہ لقا جھوٹ نہ بول جلوہ گر رات کو خورشید کہاں ہوتا ہے

اگر قائل معشوق کو بعینہ خورشید نہ سمجھ لیتا تو معشوق کی دروغ گوئی اس جگہ صحیح نہ ہو سکتی کیونکہ جلوہ گر ہونا ایسے آدمی کا جو کہ حسن میں مشابہت خورشید سے رکھتا ہو شب میں ناممکن نہیں ہے بلکہ طلوع خورشید ہی ناممکن ہے اس سے معلوم ہوا کہ مشبہ کو مشبہ بہ اس طور سے استعارے میں فرض کر لیتے ہیں کہ مشبہ گویا مشبہ بہ کے لئے موضوع ہو جاتا ہے اور یہی مجاز عقلی ہے۔

محققین نے اس مذہب کو اس طرح رد کیا ہے کہ مشبہ کو مشبہ بہ ٹھرا لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مشبہ موضوع لہٗ ہو جائے کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ لفظ خورشید جرم روشن فلکی کے لئے بنایا گیا ہے اور شخص حسین کے معنی میں استعمال کر لیا گیا ہے اور مشبہ کو مشبہ بہ ٹھرا لینا اس لئے ہے کہ گویا مشابہت کو قطعاً فراموش کر دیا ہے تاکہ مبالغہ کما حقہٗ ادا ہو جائے لہذا استعارہ مجاز لغوی ہے یعنی موضوع لہٗ کے

تشبیہ میں استعمال کیا گیا ہے۔

استعارے کی تعریف	جب کوئی لفظ مجازی معنی میں اسطرح سے استعمال کیا جائے کہ معنی حقیقی مراد لینا صحیح نہ ہوں اور ان

دونوں (حقیقی ومجازی) معنی میں علاقہ تشبیہہ کا ہو تو اسکو استعارہ کہتے ہیں۔

استعارے میں مشبہ کو بالکل مشبہ بہ فرض کر لیتے ہیں۔	استعارے میں جیسا کہ بیان کیا گیا مشبہ کو بالکل مشبہ بہ فرض کر لیتے ہیں۔

ناسخ

ہو گئی ہے بارہا شامِ شبِ دیجور صبح ‏ وقت بے وقت آ گیا ہے بسکہ وہ آفتاب

یہاں پر آفتاب اپنے حقیقی معنی (جرم روشن فلکی) میں استعمال نہیں کیا گیا (اس لئے کہ معنی حقیقی مراد لینے سے شعر کے معنی صحیح نہیں ہوتے کیونکہ آفتاب کا وقت بے وقت نکلنا ممکن نہیں) بلکہ معشوق کے معنی میں (جو مجازی ہیں) مستعمل ہوا ہے اور دونوں معنی کے درمیان علاقہ تشبیہہ کا ہے یعنی معشوق کو بوجہ چہرہ کی روشنی اور جولبصورتی کے آفتاب کہا ہے اور معشوق کے ذکر کو ترک کر کے اسکو بالکل آفتاب فرض کر لیا ہے لہذا یہ استعارہ ہے اگر یوں کہتے کہ وقت بے وقت وہ شخص آ گیا ہے جو مثل آفتاب کے ہے تو یہ تشبیہہ ہوتی لہذا معلوم ہوا کہ استعارہ میں مشبہ بالکل مشبہ بہ فرض کر لیا جاتا ہے

اور تشبیہ میں مشبہ و مشبہ بہ دونوں مذکور ہوتے ہیں اور استعارے میں ایک محذوف ہوتا ہے اگر مشبہ بہ مذکور ہو اور مشبہ محذوف ہو تو اسکو **استعارہ بالتصریح** کہتے ہیں اور اگر مشبہ مذکور ہو اور مشبہ بہ محذوف ہو تو اسکو **استعارہ بالکنایہ** کہتے ہیں جس کا دوسرا نام **استعارہ مکنیہ** بھی ہے۔

استعارے کے ارکان

استعارے میں مشبہ کے معنی کو **مستعار منہ** کہتے ہیں اور اس لفظ کو جو مشبہ بہ کے معنی پر دلالت کرے **مستعار** کہتے ہیں اور مشبہ کے معنی کو **مستعار لہ** کہتے ہیں اور وجہ شبہ کو **وجہ جامع** کہتے ہیں پس مثال مذکورۂ بالا میں آفتاب کے معنی (جرم روشن فلکی) **مستعار منہ** ہے اور لفظ آفتاب **مستعار** ہے اور معشوق کے معنی یعنی شخص خاص **مستعار لہ** ہے اور وجہ شبہ یعنی چہرہ کے روشنی **وجہ جامع** ہے۔

استعارے کی بحث کو ہم پانچ فروع میں تقسیم کرکے بیان کرتے ہیں۔

فرع اول طرفین استعارہ کے بیان میں

استعارۂ وفاقیہ کی تعریف اور اسکی مثال

طرفین استعارہ دو چیزیں ہیں ایک مستعار منہ دوسرے مستعار لہ۔ اگر مستعار منہ و مستعار لہ اس قسم

سکے ہوں کہ اُنکا باہم جمع کرنا ایک جگہ ممکن ہو تو اُسکو **استعارہ وفاقیہ** کہتے ہیں کیونکہ دونوں طرفوں میں موافقت اور اتفاق ہوتا ہے۔

حالی

یہہ راعی نے للکار کر جب پکارا   یہہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا

ولہ

گرہ میں لیا باندہ حکم پیمبر   گرے مثل پروانہ ہر روشنی پر

پہلے شعر میں پیمبر کا استعارہ راعی سے کیا ہے بکریاں چرانا **مستعار منہ** اور پیمبری **مستعار لہ** ہے اور ایک شخص میں پیغمبر ہونا اور راعی ہونا دونوں جمع ہوسکتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ نے بکریاں چرائی تھیں۔ اسی طرح دوسرے شعر میں علم و حکمت کا استعارہ روشنی سے کیا ہے روشنی **مستعار منہ** اور علم و حکمت **مستعار لہ** ہے اس میں بھی مستعار منہ اور مستعار لہٗ دونوں کا باہم ایک جگہ جمع ہونا ممکن ہے۔

مشتاق

چشم نرگس کی طرح سے کور ہے چشم غزال   اس زمانے میں اِن اندھوں کی نظر میں لبر

جاہل کا استعارہ اندھے سے کیا ہے اور جہالت اور نابینائی کا ایک شخص میں جمع ہونا ممکن ہے۔

استعارہ عنادیہ کی تعریف اور اُسکی صورتیں اور مثالیں

اور اگر دونوں کا جمع ہونا محال ہو تو اُسکو **استعارہ عنادیہ** کہتے ہیں کیونکہ دونوں

طرفوں کا اجتماع اسمیں ممتنع ہوتا ہے جیسے کسی شخص زندہ کو کہ وہ کسی وجہ سے کاروبار دنیا سے عاجز ہو مردہ کہیں۔

وحید

نمرود سے خلیل سدا دردناک تھے   فرعونیوں کے ظلم سے موسیٰ ہلاک تھے

پریشانی کا استعارہ ہلاکت سے کیا ہے اس میں مستعار منہ اور مستعار لہ کا اجتماع محال ہے کیونکہ پریشانی کے لئے زندگی لازم ہے اور موت و زندگی کا ایک شخص میں جمع ہونا ناممکن ہے۔

اور عنادیہ کے قبیل سے ہے کہ ظرافت یا خوش طبعی یا استہزا کے طور پر دو ضدوں یا دو نقیضوں کا باہم استعارہ کریں ضدین اور نقیضین میں یہ فرق ہے کہ ضدین ایسی وجودی چیزوں کو کہتے ہیں کہ وہ جمع نہیں ہوسکتیں مگر مرتفع ہوسکتیں ہیں۔ جیسے معشوق اور آفتاب اور دو نقیض باہم نہ جمع ہوسکتے ہیں اور نہ مرتفع ہوسکتے ہیں کیونکہ اسمیں ایک وجودی ہوتا ہے اور ایک عدمی جیسے موت و زندگی۔ اور اس قسم کے استعارے میں بوجہ ظرافت و استہزا وغیرہ کے تضاد و تناقض کو تناسب کی جگہ سمجھہ لیا جاتا ہے۔ مثلاً نامرد کو شیر یا رستم کہا جاوے اور بخیل کو حاتم اسی قبیل سے ہیں یہہ اشعار

میر حسن

تم ہی کچھہ ایسے نہ دنیا میں جفا کار ملے   جو ملے مجکو سو ایسے ہی وفادار ملے

درد

اٹھ گئے شیخ جی تم محفل رنداں سے شتاب ہم سے کچھ خوب مدارات نہونے پائی

سودا

نہ کیونکر ہووے مرا رتبہ شعر میں یاں تک میں کیسے پیر کی کرتا ہوں اب ثنا خوانی

پہلے شعر میں بیوفا کا استعارہ وفادار سے بطور طنز کے کیا ہے اور دوسرے شعر میں مدارات اپنے خلاف سے استعارہ بطور خوش طبعی کے ہوا ہے اور تیسرے شعر میں ہجو و مذمت کا استعارہ ثنا سے بطور استہزا کے کیا ہے ۔

فرع دوم وجہ جامع کے بیان میں

تقسیم وجہ جامع بہ لحاظ دخال و اخراج معنویت

اسکی دو صورتیں ہیں

کبھی وجہ جامع طرفین استعارہ کے معنی کا جزو ہوتی ہے	ا ۔ وجہ جامع مستعار منہ اور مستعار لہ کے مفہوموں کا جزو ہوتی ہے ۔

حالی

چھوڑو افسردگی کو ہوش میں آؤ بس بہت سوئے اٹھو ہوش میں آؤ

غافل رہنے کا استعارہ سونے کے ساتھ کیا ہے اور غفلت

و بے پروائی وجہ جامع ہے جو دونوں کے مفہوم میں داخل ہے۔

تقدیر لڑنے کی مدد شتابی　　　اغیار کٹے بصد خرابی

کٹنا جو موضوع ہے اون اجسام کا اتصال زائل کرنے کے لئے جن میں سے بعض بعض کے ساتھ متصل اور پیوستہ ہوں اُس کا استعارہ اجتماع اغیار کے متفرق ہو جانے اور اُن میں سے بعض کے بعض سے جدا ہو جانے کے لئے کیا ہے اور وجہ جامع دونوں میں اجتماع اور اتصال کا زائل ہو جانا ہے اور یہ کٹنے اور متفرق ہو جانے کے مفہوموں میں داخل ہے گو کٹنے کے مفہوم میں زوال اجتماع شدید ہے اور متفرق ہونے کے مفہوم میں کم ہے۔

کبھی وجہ جامع طرفین استعارہ کے معنی کا جزو نہیں ہوتی۔

۲۔ وجہ جامع مستعار منہ و مستعار لہ کے معنی کا جزو نہیں ہوتی۔ جیسے منور چہرے کو آفتاب کہیں اور بہادر آدمی کو شیر کہیں ظاہر ہے کہ نورانیت سورج اور خوبصورت چہرے کو عارض ہے انکے مفہوم میں داخل نہیں ہے اسی طرح شجاعت شیر اور بہادر آدمی کو عارض ہے دونوں کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔

پس وجہ جامع دونوں مثالوں میں طرفین سے خارج ہے۔

جب چلا چاند مدینے کا سوئے رب جلیل　　　بجھ گئی مہر درخشاں کی فلک پر قندیل

خواب غفلت سے ہو بیدار کہ آئی پیری　　　نہیں مہتاب یہ ہے روشنی صبح رحیل

پہلے شعر میں پیغمبر خدا کا استعارہ چاند کے ساتھ کیا ہے اور وجہ جامع چہرے کی نورانیت ہے اور دوسرے شعر میں مہتاب یعنی چاندنی کا استعارہ بڑھاپے کے بالوں سے کیا ہے اور وجہ جامع سفیدی ہے اور دونوں وجہ جامع اپنے اپنے مستعار منہ و مستعار لہ کے مفہوموں سے خارج ہیں۔

تقسیم وجہ جامع بہ لحاظ قریب الفہم و بعید الفہم کے

اسکی بھی دو صورتیں ہیں۔

استعارہ عامیہ یا مبتذلہ کی تعریف اور اسکی مثالیں	۱۔ وجہ جامع ایسی ہوتی ہے کہ بہت جلد سمجھ میں آجاتی ہے جیسے محبوب کے رخسارے کو چاند یا پھول سے استعارہ کریں یہ بات ظاہر ہے کہ چاند کے

استعارے میں روشنی وجہ جامع ہے اور پھول کے استعارے میں رنگینی وجہ جامع ہے ایسے استعارے کو عامیہ کہتے ہیں اس لئے کہ بہ سبب ظہور کے عامتہ الناس جانتے ہیں اور اسکو مبتذلہ بھی کہتے ہیں کیونکہ ابتذال بہت صرف کرنے کے معنی میں ہے اور ایسا استعارہ بہت مستعمل ہوتا ہے کچھ نادر نہیں ہوتا۔

مومن

دُرِ نایاب تو کیا خاک سے بھی منہ نہ بھرے   جسکے در پر میں کروں لولوے شہوار نثار

انشا

بیکلی سے ترے کچھ دل کو سروکار نہ ہو　　تیری نرگس کہیں الٰہی کبھی بیمار نہ ہو

آباد

واللہ کیا ہے حسن بتِ پر غرور کا　　بندوں کو شک ہوا ہے خدا کے ظہور کا

اشعار بلیغ کا استعارہ لولوے شہوار سے اور آنکھ کا استعارہ نرگس سے اور معشوق کا استعارہ بت سے کیا گیا ہے اور وجہ جامع اسمیں ہر ایک پر ظاہر ہے اور یہ استعارے بہت مستعمل ہوے ہیں۔

استعارہ غریبہ کی تعریف اور اسکی مثالیں

۲۔ وجہ جامع ایسی ہوتی ہے کہ بوجہ نادر ہونے کے ہر ایک پر ظاہر نہیں ہوتی بلکہ بدقت سمجھ میں آتی ہے اور سواے خواص کے عامۃ الناس اسکے سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اسکو استعارہ غریبہ کہتے ہیں۔

سودا

ہوا یہ جوش میں سودا کہ میری آنکھوں سے　　بجاے لعل نکلتے ہیں اب سلیمانی

جوش سودا سے سیاہ ہونے کے سبب اشک خونی کو دانہ سلیمانی سے استعارہ کیا ہے۔ سودا ایک غلط ہے کہ رنگ اسکا سیاہ ہے اور چونکہ دانہ سلیمانی قدرے سفیدی بھی رکھتا ہے اور اشک خونیں میں بھی تھوڑی سفیدی متنبہ ہے لہذا سودا کی سیاہی اور اشک خونیں کی سرخی اور سفیدی ملکر دانہ سلیمانی کے ساتھ استعارہ میں وجہ جامع ہوئی

ہے اور یہ بات سوائے خواص کے عوام کو معلوم نہیں ہو سکتی۔

استعارہ متبذلہ میں تصرف شاعرانہ سے غرابت آجاتی ہے

کبھی استعارہ عامیہ میں تصرف کرنے سے غرابت حاصل ہو جاتی ہے۔

علم شمشیر زہر آلود سر پر چشم فتاں کے
نجانے قصد ہے کس خوں گرفتہ کا کہ رہتی ہے

ابرو کا استعارہ شمشیر سے مبتذل ہے لیکن زہر آلودہ کہنے سے ایک قسم کی غرابت آگئی کیونکہ زہر کو سبزی سے مناسبت ہے اور سبزی و سیاہی میں چنداں تفاوت نہیں ابرو کو بہ سبب سیاہی کے شمشیر زہر آلودہ سے استعارہ کرنا امر غریب ہو گیا۔

نسیم

اک جانب و برہمن کو دیکھا
آنکھوں سے اُس انجمن کو دیکھا
شمس و قمر ایک برج میں ہے
لعل و گہر ایک ورج میں ہے

تاج الملوک کا استعارہ برہمن سے اور بکاولی کا بت سے کیا ہے اسی طرح لعل و گہر و شمس و قمر سے ان دونوں کا استعارہ ہے اور محل کا استعارہ ورج و برج سے کیا ہے اور یہ استعارے اگرچہ اپنے مفردات کے اعتبار سے نادر نہیں ہیں مگر بہ سبب ترکیب کے غرابت آگئی ہے۔

فرع سیوم مستعار منہ و مستعار لہ و وجہ جامع تینونکا بیان

وجہ جامع کی تقسیم بہ لحاظ حسی و عقلی ہونے کے۔

مستعار منہ و مستعار لہ دونوں حسی ہوتے ہیں یا دونوں عقلی یا ایک انمیں سے حسی اور ایک عقلی ہوتا ہے اگر دونوں عقلی ہوں یا ایک عقلی اور دوسرا حسی ہو تو وجہ جامع ہمیشہ عقلی ہوگی کیونکہ وجہ شبہ جسکا نام وجہ جامع ہے وہ طرفین کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور طرفین میں سے جب کوئی عقلی ہوگا تو اُسکا بھی عقلی ہونا ضروری ہے اس لئے کہ عقلی کا قیام حسی کے ساتھ مستحیل ہے اور جب مستعار منہ و مستعار لہ دونوں حسی ہوتے ہیں تو وجہ جامع کبھی حسی ہوتی ہے اور کبھی عقلی اور کبھی مختلف یعنی بعض حسی اور بعض عقلی (جیسا کہ تشبیہ کی بحث سے ظاہر ہے) اس طرح پر مستعار لہ و مستعار منہ و وجہ جامع کی چھہ صورتیں ہوجاتی ہیں جسکی مثالیں ذیل میں درج ہیں۔

۱۔ مستعار لہ و مستعار منہ و وجہ جامع تینوں حسی۔ چونکہ حواس پانچ ہیں لہذا اسکی بھی پانچ حالتیں ہوتی ہیں۔

غالب

بجلی اک کوند گئی سامنے آنکھوں کی تو کیا — بات کرتے کہ میں لب تشنہ تقریر بھی تھا

معشوق کے صرف آنکر اپنی صورت دکھا دینے کو بجلی کے آنکھوں

کے سامنے کوند جانے سے استعارہ کیا ہے معشوق کا صرف آن کر صورت دکھا دینا مستعار لہ اور بجلی کا آنکھوں کے سامنے کوند جانا مستعار منہ اور وجہ جامع بہت کم ٹھہرنا ہے اور تینوں حسی متعلق باصرہ ہیں۔

ذوق

گر ترے فریادیوں کے نالۂ پیچیدہ کو   منہ پہ رکھکر پھونکئے پیدا ہو نالہ صور کا

دہن کی آواز کو صور کے نالہ سے استعارہ کیا ہے۔ یہ مثال متعلق سامعہ ہے۔

امانت

صحن گلشن میں پریشاں جو وہ سنبل ہو جائے   نافۂ مشک ختن غنچۂ ہر گل ہو جائے

سنبل سے بالوں کا استعارہ کیا ہے اور وجہ جامع درازی یا باریکی یا پیچیدگی نہیں ہے بلکہ خوشبو ہے کیونکہ بالوں کی خوشبو کی تحصیل سے ہر غنچہ کے نافہ ہو جانے کا دعویٰ کیا ہے یہ مثال متعلق شامہ ہے۔

معبود شاہ رند

کدھر ہے شتابی سے آ ساقیا   مجھے نوشدارو پلا ساقیا

شراب کا نوشدارو سے استعارہ کیا ہے اور وجہ جامع مزہ ہے جو حسی متعلق ذائقہ ہے۔

انیس

اک پھول سے رکھتے ہیں خلش خار ہزاروں   اک سر ہے فقط اور خریدار ہزاروں

یہاں پھول سے جسم اطہر امام کا استعارہ کیا ہے اور نرمی و نزاکت

وجہ جامع ہے اس لئے کہ خار کا ذکر موجود ہے یہ مثال متعلق لامسہ ہے اگر سرخی رنگ کی وجہ سے استعارہ ہوتا تو یہ مثال متعلق باصرہ کے ہو جاتی۔

۲۔ طرفین حسّی اور وجہ جامع عقلی۔

مومن

ہے مجھے بھی خیالِ طوف حرم　　قصر رہ گر ہو فضل ربّانی

ممدوح کے قصر کا حرم سے استعارہ کیا ہے یعنی طرفین حسّی ہیں اور وجہ جامع عظمت ہے جو عقلی ہے۔

۳۔ مستعار لہٗ حسّی اور مستعار منہ و وجہ جامع عقلی۔

جیسے معشوق کو جان یا آفت جان وغیرہ سے استعارہ کریں۔

میر

آیا تھا خانقہ میں وہ نور دیدہ گاں کا　　تہہ کر گیا مصلےٰ عزلت گزیدگاں کا

معشوق مستعار لہٗ حسّی اور نور دیدہ گاں مستعار منہ اور لطافت وجہ جامع دونوں عقلی۔

۴۔ مستعار منہ حسی اور مستعار لہ و وجہ جامع عقلی۔

درد

میرے غبار کا کچھ پایا نشاں نہ ہرگز　　صحرا میں جا صبا نے ہر چند خاک چھانی

خاک چھاننا مستعار منہ حسّی جستجو کرنا مستعار لہٗ عقلی اور محنت

و پریشانی وجہ جامع ہے جو عقلی ہے۔

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں　　جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

مشکلات کو رشتہ سے اور اُنکی دفع کرنے کی قوت کو ناخن گرہ کشا سے استعارہ کیا ہے۔ رشتہ مستعار منہ حسّی مشکلات مستعار لہٗ عقلی ناخن گرہ کشا مستعار منہ حسّی۔ دفع کرنے کی قوت مستعار لہٗ عقلی۔ تردد و تشویش و محنت وجہ جامع عقلی۔

۵۔ طرفین و وجہ جامع تینوں عقلی۔

میر

کیا کہیے کہ خوباں نے اب ہم میں ہے کیا رکھا　　ان چشم سیاہوں نے بہتوں کو سلا رکھا

یعنی بہت آدمیوں کو فنا کر دیا۔ سلا رکھنا مستعار منہ اور فنا کر دینا مستعار لہٗ اور وجہ جامع ان میں افعال کا نہ ظاہر ہونا ہے اور تینوں عقلی ہیں اس لئے کہ فنا کرنے اور افعال کے ظاہر نہ ہونے کا عقلی ہونا تو ظاہر ہے اور سلا رکھنے سے مراد حس احساس کا منتفی کر دینا ہے جو بیداری کی حالت میں ہوتا ہے نہ اُسکے آثار جیسے خرّاٹے لینا اور آنکھوں کا بند ہو جانا قسم ۳ و ۴ و ۵ میں وجہ جامع کا عقلی ہونا ضروری ہے کیونکہ ان میں طرفین میں سے ایک یا طرفین عقلی ہیں اور محسوس کا قیام معقول کے ساتھ ممکن نہیں۔

۶۔ طرفین حسّی اور وجہ جامع مرکب یعنی بعض امر حسّی

اور بعض عقلی۔ ایسا استعارہ[۱] کم واقع ہوتا ہے کیونکہ اصل میں دو استعارے ہوتے ہیں۔ انیس

اُس مہر کو تو دیکھو یہ ذرّے ہیں جسکے سب سرتاج آسمان و زمیں نورِ عرش رب

امام حسین کا استعارہ مہر سے کیا ہے وجہ جامع ایک تو چہرہ کی نورانیت ہے جو حسّی ہے دوسرے علوے شان ہے جو عقلی ہے۔

فرع چہارم استعارے کے قسمونکے بیان میں

۱۔ تقسیم استعارہ بہ لحاظ لفظ مستعار

استعارہ اصلیہ اسم جنس و مصدر میں ہوتا ہے۔	جس استعارے میں لفظ مستعار اسم جنس ہو اُسکو **استعارہ اصلیہ** کہتے ہیں اور جس استعارے میں لفظ مستعار فعل یا شبہ فعل یا حرف ہو اُسکو

استعارہ تبعیہ کہتے ہیں اس لئے کہ مجاز بالذّات صرف اسم جامد میں ہوتا ہے۔ فعل یا شبہ فعل میں مشتق منہ (مصدر) کی تبعیت سے اور حرف میں معنی کے متعلق کی وجہ سے ہوتا ہے اور علم میں مجاز اُسوقت جاری ہوتا ہے جبکہ اُسکو بہ سبب کسی وصف کے تاویل کرکے اسم جنس میں داخل کرلیں۔ مثلاً حاتم اور رستم کہ اول کو سخی کے معنی میں اور

---

[۱] اسی سبب سے سکاکی نے صرف پانچ قسمیں مذکورہ بیان کی ہیں اور چھٹی قسم کا ذکر نہیں کیا۔

دوسرے کو بہادر کے معنی میں استعمال کریں اور بغیر اس تاویل کے جائز نہیں کیونکہ علمیت جنسیت کے منافی ہے اسم جنس میں اصالتاً مجاز کے داخل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مجاز کی بنا تشبیہ پر ہے یعنی مستعار لہ کو مستعار منہ کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ تشبیہ مشبہ کا وصف ہوتا ہے اس واسطے کہ وہ مشبہ بہ کے ساتھ وجہ شبہ میں شریک ہے اور موصوف ہونے میں حقائق اور ذاتیں اصل ہوتی ہیں مثلاً جسم سفید اور آب صاف اور چونکہ اسم جنس جیسے شیر اور گل اور سرو وغیرہ ذاتیں ہیں اور تشبیہ کے وصف سے موصوف ہوتی ہیں اس لئے مجاز اسمیں اصالتاً داخل ہوتا ہے اور اسی کے قبیل میں مصدر بھی داخل ہے مثلاً قتل اور ضرب جیسے ایذاے شدید کو مجازاً قتل کہیں۔

اسم جنس میں استعارے کی مثالیں

دبیر

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

نسیم

بلبل اوسی رشک گل کی ہوں میں
تم کیا ہو ہزار میں کہوں میں

انیس

کیوں فاطمہ زہرا کو رولاتا ہے کفن میں
دو پھول تو رہنے دے محمدؐ کے چمن میں

پہلے شعر میں حضرت عباس کا استعارہ شیر سے اور دوسرے شعر میں عاشق کا استعارہ بلبل سے اور تیسرے شعر میں صاحبزادگان حضرت مسلم کا استعارہ دو پھول سے کیا ہے اور شیر اور بلبل اور پھول سب اسم جنس ہیں۔

مصدر میں استعارہ کی مثالیں۔

امیر

بے وجہ نہیں ابر بہاری کا یہ رونا دکھلاتا ہے داغ اپنے چمن میں پڑے وطاہر

اسیر

دہر میں نیکوں کی صحبت سی بدوں کو بھی گریز عدل ہو جس ملک میں فتنہ وہاں رہتا نہیں

پہلے شعر میں برسنے کا استعارہ رونے سے کیا ہے اور رونا مصدر ہے اور دوسرے شعر میں اجتناب کا استعارہ گریز سے کیا ہے جو گریختن کا حاصل مصدر ہے۔

علم میں استعارے کی مثالیں

حالی

وہ جو کچھ کہ ہیں کہہ سکے کون آنکو بنایا ندیموں نے فرعون آنکو

میر

زال دنیا کو جس نے چھوڑ دیا وہی نزدیک اپنے رستم ہے

پہلے شعر میں شخص ظالم و متکبر کا استعارہ فرعون سے اور دوسرے میں بہادر کا استعارہ رستم سے کیا ہے یعنی بہ سبب صفت

ظلم و تکبر و بہادری کے علم کو تاویل کرکے اسم جنس میں داخل کرلیا ہے۔

یہہ سب مثالیں استعارہ اصلیہ کی ہیں۔

فعل و شبہ فعل و حرف میں استعارہ تبعیہ ہوتا ہے۔

فعل اور شبہ فعل (یعنی اسم فاعل اسم مفعول صفت مشبہ اسم تفضیل) اور حرف میں مجاز بالاتباع داخل ہوتا ہے کیونکہ فعل ماضی یا مضارع یا امر یا نہی یا اسم فاعل یا اسم مفعول وغیرہ یا حرف کے معنی کو یہ صلاحیت نہیں کہ تشبیہہ کے وصف سے موصوف ہوسکیں یعنی نہ فعل اور شبہ فعل کے معنی مشبہ ہوتے ہیں اور نہ حرف کے معنی بلکہ فعل کا مصدر اور حرف کے معنی کا متعلق مشبہ ہوتا ہے اور حرف کے معنی کا متعلق وہ شئے ہے کہ حرف کے معنی بیان کرنے کے وقت اُس معنی کو اُس چیز سے تعبیر کریں مثلاً کہتے ہیں کہ حرف سے ابتدا کے لئے ہے اور میں واسطے ظرف کے اور تک انتہا کے واسطے اور تو تائے مفتوح سے غرض کے واسطے پس ابتدا اور ظرف اور انتہا اور غرض ان حرفوں کے معنی کے متعلق ہیں یعنی اُسکے معنی ان سے تعلق رکھتے ہیں پس فعل اور شبہ فعل اور حرف کو مستعار رکھنا بطور تبعیت کے ہے نہ بطریق اصالت کے یعنی فعل اور شبہ فعل اور حرف مستعار ہونے میں مصدر اور متعلق کے تابع ہیں اور خود مستعار نہیں ہوسکتے تفصیل فعل اور شبہ فعل اور حرف

کے مستعار ہونیکی یہ ہے کہ کبھی فعل ماضی یا مضارع یا امر ونہی یا اسم فاعل یا مفعول وغیرہ کے ساتھ کسی معنی کو تعبیر کرلیتے ہیں اور مقصود اُس سے وہ معنی نہیں ہوتے جن معنی کے واسطے وہ بنائے گئے ہیں بلکہ اُنکا غیر مقصود ہوتا ہے اور اُن لفظوں سے غیر معنی موضوع لہ کا مستعار ہونا باعتبار اُنکے مصدر کے ہوتا ہے جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہوجائیگا۔ بہرحال فعل اور حرف کے مستعار ہونے کو استعارہ تبعیہ کہتے ہیں۔

لفظ مستعار کے فعل ہونے کی مثالیں

امیر

بسی گورِ غریباں جبکسی کا گھر ہوا ویراں　　مسافر پڑکے سوئے جاگ اُٹھی تقدیر منزل کی

ظفر

وہ رشکِ گل چمن میں اگرائے صبا ہنسے　　پھر منہ ہے کیا جو غنچہ کوئی کھل کھلا ہنسے
صراحی قہقہہ بھرتی ہے مینا مسکراتا ہے　　ہمارا یار جسدم جانبِ میخانہ آتا ہے

سودا

سودا تری فریاد سے آنکھوں نہیں کٹی رات　　آئی ہے سحر ہونے کو ظالم کہیں مر بھی

پہلے شعر میں سوئے صیغہ ماضی کا ہے اور اپنے حقیقی معنی میں نہیں مستعمل ہوا بلکہ مرے کے معنی میں جو مجازی ہیں مستعمل ہوا ہے اور سوئے اور مرے میں استعارہ اصالتاً نہیں ہے بلکہ دراصل استعارہ سونے اور مرنے میں ہے جو مصدر ہیں اُسکی تبعیت سے سوئے

اور مرے صیغہ ماضی میں بھی استعارہ جاری ہو گیا۔ اسی طرح دوسرے شعر میں ہنسے صیغہ مضارع ہے لیکن استعارہ دراصل غنچے کے کھلنے اور ہنسنے میں ہے جو مصدر ہیں اور تیسرے شعر میں قہقہہ بھرتی ہے اور مسکراتا ہے دونوں صیغے حال کے ہیں اور استعارہ اصل میں صراحی سے شراب کے بہ آواز نکلنے اور قہقہہ بھرنے اور شراب کے مینا سے آہستہ نکلنے اور مسکرانے میں ہے جو مصدر ہیں اور چوتھے شعر میں مر صیغہ امر ہے اور استعارہ اصل میں مرنے اور سونے میں ہے۔

لفظ مستعار کی مثالیں شبہ فعل میں

میر

گل ہرس بے ثباتی پہ خندہ زناں ہے
چمن زار عالم کی خوبی پہ مت جا

کشتۂ ناز یا تغافل تھا
شہر میں جو نظر پڑا اس کا

پہلے شعر میں خندہ زناں صیغہ اسم فاعل ہے اور استعارہ اصل میں پھول کے کھلنے اور ہنسنے میں ہے جو مصدر ہیں دوسرے شعر میں کشتہ صیغہ اسم مفعول ہے اور استعارہ صدمہ رسیدہ ہونے اور کشتہ ہونے میں ہے جو مصدر ہیں۔ صفت مشبہ کے صیغے کی شعر ذیل مثال ہو سکتا ہے کیونکہ رفتہ یہاں صیغہ اسم مفعول نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اسم مفعول فعل لازم سے نہیں آتا۔

میر

ایسا ہوئے ہیں زندہ جاوید
رفتہ یار تھا جب آئی ہے

حرف میں استعارے کی مثال۔

درد

ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا کہیں کیا۔ جی کو رو بیٹھے
بس اب اک ساتھ ہم دونوں جہاں سے ہاتھ دھو بیٹھے

یہاں استعارہ حرف سے میں ہے اور اصل میں قطع تعلق کر دینا مستعار لہٗ ہے جو متعلق ہے حرف سے کا اور ہاتھ دھو بیٹھنا مستعار منہ ہے مراد اس جگہ یہ ہے کہ ہم نے دونوں جہان سے قطع تعلق کیا۔ اگرچہ بظاہر حرف سے مستعار لہٗ معلوم ہوتا ہے اور ہاتھ دھو بیٹھنا مستعار منہ لیکن واقع میں سے مستعار لہٗ نہیں بلکہ اسکا متعلق یعنی قطع تعلق کرنا مستعار لہٗ ہے پس واقع میں استعارہ ان دونوں میں واقع ہوا ہے اور حرف سے متعلق کی اتباع سے مستعار لہٗ کہا گیا۔

ظفر

کھانا اگر ہے زخم تو پانی ہے آب تیغ
مہمان کربلا کی ضیافت کے واسطے

اس شعر میں واسطے کا حرف غرض کے لئے موضوع ہے پس مستعار لہٗ ظاہر میں واسطے کا حرف ہے اور واقع میں غرض کے معنی ہیں جو واسطے کا متعلق ہے اس لئے کہ غرض زخم اور آب تیغ سے ضیافت نہ تھی بلکہ بھوکا اور پیاسا قتل کرنا تھی اور مستعار منہ ضیافت ہے یہ استعارہ بطریق طنز کے واقع ہوا ہے۔

اختلاف درمیان علامہ جاحظ و علامہ تفتازانی حرف میں استعارہ تبعیہ ہونے کی بابتہ۔

دونوں امثلہ مذکورۂ بالا یا حرف میں استعارہ کی کوئی مثال صاحب تلخیص المفتاح کی رائے کے بموجب استعارہ تبعیہ نہیں ہیں اس لئے کہ اُنہوں نے متعلق کو جو کہ متروک ہوتا ہے مشبہ اور اُس لفظ کو جو کہ مذکور ہے مشبہ قرار دیا ہے اور اُنکے مذہب کے موافق استعارہ بالتصریح میں خواہ اصلیہ ہو خواہ تبعیہ مشبہ متروک ہوتا ہے اور مشبہ بہ مذکور ہوتا ہے صرف فرق یہ ہے کہ استعارہ تبعیہ میں لفظ کے مفہوم میں تشبیہ نہیں ہوتی اور اصلیہ میں ہوتی ہے چنانچہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے پس متعلق متروک کو مشبہ قرار دینے میں استعارہ بالتصریح متصور نہیں ہوتا اس لئے کہ استعارہ بالتصریح میں جیسا کہ بیان کیا گیا مشبہ متروک ہوتا ہے اور مشبہ بہ مذکور البتہ استعارہ بالکنایہ ہوسکتا ہے کیونکہ استعارہ بالکنایہ میں برخلاف استعارہ بالتصریح کے مشبہ مذکور ہوتا ہے اور مشبہ بہ متروک اور وہ چیز کہ مشبہ بہ کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے اُسکو مشبہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اسی طرح یہاں ہے کہ مشبہ بہ یعنی متعلق متروک ہے اور مشبہ یعنی ما تحد ہو بینطحنا اور ضافت مذکور ہے اور جو چیز کہ مشبہ بہ کے واسطے مخصوص ہے یعنی حرف سے اور واسطے کہ اُس مشبہ بہ پر دلالت کرتے ہیں مشبہ کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں اس صورت میں یہ استعارہ

تبعیہ نہ ہوا بلکہ بالکنایہ ہوا اور یہی مذہب سکاکی صاحب مفتاح العلوم کا ہے لیکن علامہ تفتازانی نے مطول میں اسکو تبعیہ میں داخل کرنے کے واسطے ایک بحث کی ہے اسکا بیان مثالوں کے موافق یہ ہے کہ مثلاً دونوں جہان سے ہاتھ دہو بیٹھنا مشبہ ہے اور دونوں جہان سے قطع تعلق کرنا مشبہ بہ ہے یعنی دونوں جہان سے اس طرح ہاتھ دہو بیٹھے جس طرح قطع تعلق کرتے ہیں پھر مشبہ یعنی ہاتھ دہو بیٹھنے کے ساتھ وہ حرف ذکر کیا جو مشبہ بہ یعنی دونوں جہان کو چھوڑ بیٹھنے پر دلالت کرتا ہے یعنی حرف سے جو دور کرنے اور اعراض کرنے کے معنی میں ہے نہ ابتدا کے معنی میں (جیسا کہ فارسی میں از اور عربی میں عن اعراض کے لئے آتے ہیں) اس صورت میں اول استعارہ اعراض اور دور کرنے میں جاری ہوا یعنی دونوں جہان کے تعلقات سے اعراض کرنا اور ترک کردینا مشبہ بہ ہے بعد اسکے اس استعارے کی اتباع سے حرف میں استعارہ ہوا یعنی حرف سے کو ایسی شے کے واسطے استعارہ کیا ہے جسکو قطع تعلق کرنے اور اعراض کرنے سے تشبیہہ دی گئی ہے یعنی ہاتھ دہو بیٹھنا حاصل کلام یہ ہے کہ حرف سے سے موضوع لہ نہ سمجھا گیا بلکہ وہ چیز سمجھی گئی جو اس سے مشابہت رکھتی ہے جیسے شیر کے لفظ سے

*

استعارہ میں جانور درندہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ وہ چیز سمجھی جاتی ہے جو اُس سے مشابہت رکھتی ہے یعنی مرد بہادر۔ غرض یہ ہے کہ اگر تشبیہ اُس چیز میں فرض کریں کہ جس سے حرف سے متعلق ہے اور وہ قطع کرنا ہے تو استعارہ بالکنایہ ہوا کیونکہ مشبہ بہ وہی ہے ور حرف سے کا ہاتھ دھو بیٹھنے کے ساتھ کہ مشبہ ہے مذکور ہونا استعارہ بالکنایہ کا قرینہ ہو جائیگا اور اگر اس حرف کے معنی میں کہ وہ دور کرنا اور اعراض کرنا ہیں اور یہاں متروک ہیں تشبیہ فرض کریں تو استعارہ تبعیہ ہوگا۔

استعارہ تبعیہ میں قرینے کا مدار کبھی فاعل کبھی مفعول کبھی مضاف الیہ پر ہوتا ہے اسکی مثالیں

استعارہ تبعیہ میں جہاں مستعار فعل یا شبہ فعل ہو قرینے کا مدار کبھی فاعل پر ہوتا ہے اور کبھی مفعول پر اور کبھی مضاف الیہ بھی اس استعارے کا قرینہ ہوتا ہے۔

فاعل کی مثال۔ انیس

تھم گیا طبل دغا کے بھی وہ آواز کا جوش ہو گیا جوڑ کے ہاتھوں کو جلاجل خاموش

حقیقی طور پر خاموش ہو جانا جلاجل کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا لہٰذا اس استعارے نے اس بات پر دلالت کی کہ خاموش ہو جانے سے یہاں وہ چیز مراد ہے جسکی اسناد جلاجل کی طرف صحیح ہو سکتی ہے اور معلوم ہے کہ وہ بند ہو جاتا ہے جو خاموش ہو جانے کے ساتھ سکون میں مشابہت

رکھتا ہے اور جلا جل یہاں فاعل ہے۔

مفعول کی مثال۔ حالی

ارسطو کے مردہ فنوں کو جلایا فلاطوں کو پھر زندہ کر کے دکھایا

ظاہر ہے کہ جلانا حقیقتاً فنوں کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتا کیونکہ اُسکے روح ہے نہ جسم مگر چونکہ علم کا پھیلانا جلانے کے ساتھ ظاہر کرنے میں مشابہ ہے اس لئے جلانے کا استعارہ پھیلانے کے لئے کیا پس فنون کو جلانا استعارہ ہے فنوں کو پھیلانا سے اور قرینہ اسمیں فنون کے ساتھ جلانے کا تعلق ہے اور ظاہر ہے کہ فن مفعول ہے۔

مضاف الیہ کی مثال

حالی

ہر اک شہر و قریہ کو یونان بنایا مزہ علم و حکمت کا سب کو چکھایا

اس مثال میں مزہ علم و حکمت کی طرف مضاف ہے اور نسبت چکھایا کی علم و حکمت کی طرف ظاہر ہے کہ باعتبار حقیقت کے ممکن نہیں مگر استعارے کے طور پر ممکن ہے پس مزہ چکھایا کا لفظ سکھایا کی جگہ واقع ہوا ہے اور قرینہ اُسکے استعارہ ہونے پر مزے کا علم و حکمت کی طرف مضاف ہونا ہے۔

اگر کہا جائے کہ ان مثالوں میں حاصل قرینہ یہ ہے کہ مسند کا قیام مسند الیہ کے ساتھ محال ہے اور یہ مجاز عقلی کے قراین سے ہے

جس کا مذکور علم معانی میں ہوتا ہے نہ کہ علم بیان میں تو ہم جواب دینگے کہ اس سے کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ مقصود قرینے سے وہ چیز ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معنی حقیقی مراد نہیں اور یہاں ایسا ہی ہے گو وہ مجاز عقلی کی بھی صلاحیت رکھتا ہے پس چونکہ ہاتھ جوڑ کر خاموش ہوجانے کی صلاحیت جلاجل میں نہیں ہے اور زندہ ہونے کی صلاحیت فن میں نہیں ہے اور ذائقہ (کھٹا میٹھا وغیرہ ہونا) کی صلاحیت علم و حکمت میں نہیں ہے لہذا معلوم ہوا کہ ان فعلوں میں استعارہ واقع ہوا ہے۔

۲۔ تقسیم استعارہ باعتبار تجرید و ترشیح

استعارہ مطلقہ کی تعریف اور اُسکی مثالیں

الف۔ جس استعارے میں مستعار لہ و مستعار منہ کے مناسبات کچھ نہ ذکر کئے جاویں اُسکو استعارہ مطلقہ کہتے ہیں۔

ناسخ

ہیں یاد وہ بے مثال آنکھیں کیا ہیں تری او غزال آنکھیں

انیس

بڑھتے تو کبھی صورت شمشیر نہ رکتے غصہ میں کسی طور سے وہ شیر نہ رکتے

معشوق کا استعارہ غزال سے اور آدمی کا استعارہ شیر سے ہے اور مناسبات کسی کے مذکور نہیں۔

استعارہ مجردہ کی تعریف اور اُسکی مثالیں

ب۔ اگر صرف مستعار لہ کے مناسبات

کچھ مذکور رہوں تو اُسکو **استعارہ مجردہ** کہتے ہیں۔

انیس

ان پھولونکو مقتل سے اُٹھا لینے دے مجکو
مٹی میں ستارونکو چھپا لینے دے مجکو

آدمیوں کو پھولوں اور ستاروں سے استعارہ کیا ہے اور مقتل و مٹی کا لفظ جو مناسب آدمی کے ہے ذکر کیا ہے۔

ناسخ

بھیجنا خط کا کیا اُس بُت نے بند
اب خدایا موت کا پیغام بھیج

معشوق کا استعارہ بت سے کیا ہے اور خط نہ بھیجنا جو مناسب معشوق کے ہے ذکر کیا ہے۔

استعارہ مرشحہ کی تعریف اور اُسکی مثالیں

ج۔ اگر صرف مستعار منہ کے مناسبات کچھ ذکر کریں تو اُسکو **استعارہ مرشحہ** کہتے ہیں۔

انیس

نانا سے چھٹے قبر حسن چھوڑ کے آئے
اس دشت کے کانٹوں میں چمن چھوڑ کے آئے

نسیم

فریاد نہ کرنے پایا مضطر
تاباں ہوئی راکھ میں وہ اخگر

پہلے شعر میں وطن کو چمن سے استعارہ کیا ہے اور اُسکے مناسب کانٹوں کا لفظ مذکور ہے دوسرے شعر میں اخگر استعارہ بکاولی سے ہے اور مستعار منہ کے مناسب راکھ اور تاباں مذکور ہیں۔

استعارہ مجردہ و مرشحہ کی تعریف اور اُسکی مثالیں۔ | د۔ اگر مستعار منہ و مستعار لہ دونوں کے مناسبات مذکور ہوں تو اُسکو استعارہ مجردہ و مرشحہ کہتے ہیں۔

ناسخ

جان بچنے کی کوئی صورت نظر آتی نہیں — لے چلی فردوس کو فرقت مجھے اک حور کی

معشوق کا استعارہ حور سے کیا ہے معشوق کی مناسب فرقت ہے اور حور کی مناسب فردوس ہے۔

سودا

چمن میں آتے سنکر تجکو باد سحر یہ گھبرائی — ساغر جبتک لادیں ہی لاویں تو ز سبو کو جام کیا

مستعار لہ غنچہ و گل اور مستعار منہ سبو و جام ہے اون کے مناسب چمن و باد سحر اور دوم کے مناسب ساغر و معشوق کا آنا کہ شراب نوشی اُسکو لازم ہے مذکور ہیں۔

ان اقسام میں استعارہ مرشحہ بہتر ہے اس لئے کہ استعارہ تشبیہہ میں مبالغہ کرنے اور مشبہ کے عین مشبہ بہ ادعا کرنے کو کہتے ہیں پس اُن اوصاف کے ذکر سے جو مشبہ بہ کے مناسب ہوتے ہیں اس مبالغہ میں قوت آجاتی ہے۔

۳۔ استعارہ تمثیلیہ

استعارہ تمثیلیہ کی تعریف اور اُسکی مثالیں | استعارے کی ایک صورت اور ہے

کہ اس میں مستعار لہٗ اور مستعار منہٗ اور وجہ جامع کئی چیز سے حاصل ہوتی ہیں اسکو استعارہ تمثیلیہ اور تمثیل بطریق استعارہ اور تمثیل اور مجاز مرکب کہتے ہیں اس میں اور تشبیہہ تمثیلی میں اس طرح فرق کیا جاتا ہے کہ اسکو تمثیل مطلقاً بھی کہتے ہیں اور اسکو تشبیہہ تمثیلی یا تشبیہہ تمثیل کہتے ہیں (یعنی بغیر قید تمثیل کے صرف تمثیل نہیں کہتے) اسمیں چونکہ وجہ جامع کئی چیز سے حاصل ہوتی ہے اس لئے تمثیل ہے اور چونکہ ذکر مشبہ بہ کا اور ارادہ مشبہ کا ہوتا ہے اور یہی طریقہ استعارے کا ہے اس لئے استعارہ ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی فعل کے ارتکاب کا کبھی اقرار کرے اور کبھی انکار اور اُسمیں متردد ہو تو کہتے ہیں کہ فلاں اس کام میں پس و پیش کرتا ہے اس کے قبول و انکار اور شک و تردد کی مجموعی حالت کو ایسی حالت مجموعی سے استعارہ کیا ہے کہ کوئی شخص کسی جگہ جانے میں یا چلنے میں کبھی آگے بڑھے اور کبھی پیچھے آئے۔

پی بھی جا ذوق نکر پیش و پس جام شراب لب تو یہ ترے دل میں ہوس جام شراب

ایسی ہی جس شخص کو ادنےٰ تکلیف و سختی برداشت نہ ہو اور نہایت نازک یا ضعیف ہو تو کہتے ہیں کہ اسکی ناک پکڑنے سے نکسیر پھوٹتی ہے۔

کیا کوئی چھیڑے انھیں اور کیا لگائے انکو ہاتھ
ناک کے پکڑے سے جن کی پھوٹتی نکسیر ہو

اسی قبیل سے ہیں یہ چند اشعار

مذاق

دنیا و دیں میں رہتا ہے آلودہ جو فقیر ‏ دھوبی کا کتا ہے نہ وہ گھر کا نہ گھاٹ کا

ظفر

مونگ چھاتی پر جو دلتے ہیں کسی کی دیکھنا ‏ جوتیوں میں دال انکی اے ظفر بٹ جائیگی

وجیہ الدین منیر

فرہاد سے کہتی تھی تیشے کی زباں ہردم ‏ مغموم نہو نادان سنگ آمد و سخت آمد

نسیم

جس کف میں وہ گل ہو داغ ہو جائے ‏ جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے

انسان و پری کا سامنا کیا ‏ مٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا

جہاں مرکب اپنے موضوع لۂ کے غیر میں مستعمل ہو اور علاقہ دونوں میں مشابہت کا ہو تو وہ استعارہ تمثیلیہ ہے ورنہ مجاز مرسل مرکب ہے۔

۴۔ استعارہ بالکنایہ و استعارہ تخئیلیہ کا بیان

اختلاف علمارِ بیان در تحقیق استعارہ بالکنایہ و استعارہ تخئیلہ۔

ان دونوں کی تحقیق میں تین مذہب ہیں ایک صاحب تلخیص المفتاح کا دوسرا قدما کا تیسرے سکاکی کا

تلخیص المفتاح کا مولف کہتا ہے کہ استعارہ بالکنایہ اور

استعارہ تخئیلیہ دونوں امر معنوی ہیں کیونکہ متکلم کے فعل ہیں جو اُسکی ذات کے ساتھ قایم ہیں اسواسطے مجاز میں داخل نہیں کیونکہ مجاز الفاظ کے عوارض میں سے ہے استعارے میں جو ان دونوں کو بیان کرتے ہیں تو اُسکی وجہ یہ ہے کہ استعارے کا اطلاق جن جن معانی پر ہوتا ہے اُن سب کا ایک جگہ ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور وجہ اُسکے افعال متکلم سے ہونے کی یہ ہے کہ استعارہ بالکنایہ یہ ہے کہ ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ دل میں تشبیہہ دی جاے اور استعارہ تخئیلیہ یہ ہے کہ مشبہ بہ کے بعض خواص و لوازم کو مشبہ کے لئے ثابت کیا جاوے پس تشبیہہ دینا اور ثابت کرنا نفس کے افعال ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ استعارہ بالکنایہ یہہ ہے کہ نفس میں تشبیہہ دیجاتی ہے اور سواے مشبہ کے کوئی چیز ذکر نہیں کیجاتی اور بعض چیزیں جو مشبہ بہ کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں وہ مشبہ کے لئے ثابت کی جاتی ہیں پس ان کا ثابت کرنا اُس تشبیہہ پر جو نفس میں مضمر ہے دلالت کرتا ہے اس تشبیہہ مضمر کو استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں یعنی ایسا استعارہ جو کنائے کے ساتھ ہو کیونکہ اس میں مشبہ بہ کی تصریح نہیں ہوتی اور وہ چیز جو مشبہ بہ سے خصوصیت رکھتی ہے اُسکو مشبہ کے لئے ثابت کرنے کا نام استعارہ تخئیلیہ ہے کیونکہ جب کوئی ایسی چیز جو مشبہ بہ سے خصوصیت رکھتی ہے مشبہ کے لئے مانگی جاتی ہے

تب ہی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مشبہ جنس سے مشبہ بہ کے ہے۔ مثلاً

میر

روشن ہے جیکے مرنا پروانے کا تو لیکن   اے شمع کچھ تو تو کہہ تیرے بھی تو زباں ہے

شمع کو شخص متکلم سے نفس میں تشبیہہ دی ہے اور مشبہ بہ کا ذکر ترک کر دیا ہے یہ تشبیہہ دینا استعارہ بالکنایہ ہے اور لفظ زباں کو جو مشبہ بہ شخص متکلم سے خصوصیت رکھتی ہے مشبہ کے ثابت کرنے کے لئے مانگ کر لائے ہیں اسکا نام استعارہ تخئیلیہ ہے کیونکہ لفظ زبان ہی سے یہ خیال پیدا ہوا کہ شمع (مشبہ) شخص متکلم (مشبہ بہ) کے جنس سے ہے وہ چیز جو مشبہ بہ سے خصوصیت رکھتی ہے اور مشبہ کے لئے مانگی جاتی ہے

تین حال سے خالی نہیں ہوتی۔

ثبوت لوازم مشبہ بہ در استعارۂ تخئیلیہ	۱۔ وجہ مشبہ بغیر اُس لازم کے مشبہ بہ میں قائم نہیں ہوسکتی جیسا کہ شعر مذکورہ بالا میں ہے کیونکہ زبان

شخص متکلم کے لوازم مفہوم میں سے ہے۔

امیر

قتل عشاق سے باز آئینگی کھاتی ہیں قسم   طاق ابرو کی طرف ہاتھ اُٹھا کر پلکیں

پلکوں کو شخص قاتل سے تشبیہہ دی ہے یہ تشبیہہ استعارہ بالکنایہ ہے اور پلکوں کے لئے ہاتھ کا ثابت کرنا جسکے ساتھ شخص قاتل مشبہ بہ کو قیام ہے (کیونکہ اگر ہاتھ نہ ہوگا تو قتل کیسے کریں) استعارہ

تخئیلہ ہے۔

نسیم

نرگس کی کھلی نہ آنکھ یک چند
سوسن کی زباں غدا نے کی بند

نرگس کو دیکھنے والے شخص سے اور سوسن کو بولنے والے شخص سے تشبیہہ دی ہے اور مشبہ بہ کا ذکر چھوڑ دیا ہے پس نفس میں یہ تشبیہہ دینا استعارہ بالکنایہ ہے اور دونوں کے لوازم کو کہ آنکھ اور زبان ہے مشبہ کے لئے ثابت کیا ہے اور یہ استعارہ تخئیلیہ ہے اور دیکھنے والے شخص اور بولنے والے شخص کے قوام میں آنکھ اور زبان کو دخل ہے۔ یہاں پر آنکھ کی تشبیہہ نرگس سے اور زبان کی تشبیہہ سوسن سے نہیں ہے۔ جیسا کہ ماہرین فن پر ظاہر ہے۔

جرأت

گردست قضا تو دل عاشق نہ بناتا
تو پھر یہ غم عشق کسی جا نہ سماتا

ذوق

حق تو یہ ہے یہ نانیت عجب غماز ہے
قصہ ہو گیا یا زباں دار تک منصور کا

عشقی

روشن ہے مہر سے تری اے مہ جبیں جبیں
چشم فلک نے دیکھی نہ ایسی کہیں جبیں

ثبوت لوازم مکملہ مشبہ بہ در استعارہ تخئیلیہ	۲- وجہ شبہ بغیر اُن لازم کے مشبہ بہ میں کامل نہیں ہو سکتی۔ مثلاً کہیں کہ موت کے چنگل سے بچنا

محال ہے۔ موت کی تشبیہ جانور درندہ کے ساتھ منظور ہے اور جو چیز کہ درندے کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے یعنی چنگل اُسکو موت کے واسطے ثابت کیا ہے اور چنگل ایسی چیز ہے کہ آمیز حیوان درندہ کا کمال موقوف ہے کیونکہ جب تک درندہ کے چنگل نہ ہونگے شکار اچھی طرح پکڑ اور داب نہیں سکتا موت کو جانور درندہ کے ساتھ تشبیہ دینا نفس میں یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور چنگل موت کے لئے ثابت کرنا استعارہ تخئیلیہ ہے۔

غالب

ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا　　عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

شاعر نے اپنے کو پرند سے تشبیہ دی ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور مشبہ کے لئے پر و بال ثابت کرنا جو مشبہ بہ کے تکمیل کا موجب ہوتے ہیں استعارہ تخئیلیہ ہے۔

مومن

لطف سے اُسکے زمین غیرت باغ فردوس　　خلق سے اُسکے زماں رشک دکان عطار

اس بیت میں لطف کو مینہ سے اور خلق کو مشک وعنبر سے تشبیہ دی ہے اور مشبہ بہ کو ذکر نہیں کیا یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور زمین کو غیرت باغ فردوس اور زماں کو رشک دکان عطار بنانا کہ مشبہ بہ کے لوازم مکملہ میں سے ہے ان کو لطف اور خلق کی طرف منسوب کیا ہے یہ استعارہ تخئیلہ ہے۔

ذوق

سنوارتی ہے جو شام اپنے زلف مشکیں کو　　سواد مشک ختن پہ ہیں لاکھ آہو گیر

شوق

عقدۂ دل نہ کھلا ناخن تدبیر کے ساتھ　　آخرش کام پڑا پنجۂ تقدیر کے ساتھ

ثبوت لوازم غیر مقومہ وغیر مکملہ مشبہ بہ در استعارہ تخئیلیہ۔

۳۔ ان لوازم کو نہ وجہ شبہ کے کامل کرنے میں کچھ دخل ہو اور نہ قائم کرنے میں۔

رند

کھلی ہے کنج قفس میں مری زباں صیاد　　میں ماجرائے چمن کیا کروں بیاں صیاد

میر

ہمنے بھی سیر کی تھی چمن کی پر اے نسیم　　اٹھتے ہی آشیاں سے گرفتار ہو گئے

ان اشعار میں شعرا نے اپنے کو پرند سے تشبیہہ دی ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور قفس اور آشیاں کا اپنے لئے ثابت کرنا استعارہ تخئیلیہ ہے اور ظاہر ہے کہ قفس اور آشیاں پرند (مشبہ بہ) کے لوازم غیر مقومہ وغیر مکملہ سے ہیں۔

میر

جو پہونچی قیامت تو آہ و فغاں ہے　　مرے ہاتھ میں دامن آسماں ہے

آسمان کو آدمی سے تشبیہہ دیکر اُسکے لئے دامن ثابت کیا ہے جو مشبہ بہ کے ایسے لوازم سے ہے جو نہ مکمل ہے نہ مقوم۔

تحقیق استعارہ بالکنایہ وتخئیلیہ میں علامہ جاحظ کے رائے

بہر حال ان مثالوں میں جو جو لوازم مشبہ بہ کے لئے ثابت کئے گئے وہ سب الفاظ حقیقی طور پر اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل ہیں اور کلام میں مجاز لغوی نہیں ہیں کیونکہ مجاز یہ ہے کہ لفظ معنی غیر حقیقی میں استعمال کیا جاے اور استعارہ بالکنایہ اور استعارہ تخئیلیہ متکلم کے افعال میں سے دو فعل ہوے ایک یہ کہ وہ اپنے نفس میں تشبیہہ دیتا ہے اور دوسرے یہ کہ مشبہ بہ کے لوازم کو مشبہ کے لئے ثابت کرتا ہے اور ان دونوں میں سے ایک کو دوسرا لازم ہے اس لئے کہ تخئیلیہ کے لئے واجب ہے کہ مکنیہ کا قرینہ ہو اور مکنیہ کے لئے واجب ہے کہ تخئیلیہ کا قرینہ ہو لہذا علامہ جاحظ صاحب تلخیص المفتاح (جیسا کہ بیان کیا گیا) اسکو داخل مجاز نہیں سمجھتے۔

قدما کی رائے

قدما کا مذہب یہ ہے کہ جو چیز متروک ہوتی ہے وہ مشبہ بہ ہے اور جو مذکور ہوتی ہے وہ مشبہ ہے جیسے میر کے اس شعر میں جو مثال میں پہلے لکھا گیا۔

روشن ہے جیکے مرنا پروانے کا تو لیکن ... اے شمع کچھ تو تو کہہ تیرے بھی تو زباں ہے

شخص متکلم کے ساتھ شمع کو تشبیہہ دی ہے پس لفظ مستعار شخص متکلم ہے اور مستعار منہ معنی آسکے بعینہ جیسے شیر کا استعارہ مرد شجاع کے واسطے مگر لفظ مستعار کی تصریح نہیں کی فقط اُسکا

لازم ذکر کیا ہے اور وہ زبان ہے تاکہ لازم کے سبب سے ملزوم کی
طرف ذہن منتقل ہو جائے اور تصریح نکرنا کنائے کی شان سے ہے
لہذا اب متکلم استعارہ بالکنایہ ہوا نہ کہ وہ تشبیہہ جو دلمیں ٹھرائی ہے۔

سکاکی کی رائے

اور سکاکی صاحب مفتاح العلوم کی رائے ہے کہ استعارہ
بالکنایہ لفظ مشبہ مذکور ہے جو مشبہ بہ محذوف میں مستعمل ہے باین ادعا
کہ یہ مشبہ عین مشبہ بہ ہے پس مثال مذکور میں شمع سے مراد شخص متکلم
ہے بسبب اس بات کے کہ متکلم کے ثبوت کا اسکے لئے دعوے
کیا جاتا ہے اور یہی سمجھ کر اسکی طرف زبان کی نسبت کیجاتی ہے
بخلاف مولف تلخیص کے کہ اسکے نزدیک شمع سے شمع حقیقی مراد ہے۔
پس مثال مذکور میں سکاکی کے مذہب کے موافق استعارہ بالکنایہ
کی تقریر یوں ہوگی کہ شمع کو کہ وہ شمع مجرد ہے حقیقی متکلم کے ساتھ تشبیہہ
دی ہے اور شمع متکلم کے افراد میں سے ایک فرد ہے اور متکلم سے
مغائر نہیں کیونکہ متکلم کے لئے دو فردیں ہیں ایک فرد متعارف دوسرے
فرد غیر متعارف پس یہ دوسرے فرد شمع ہے جسکی نسبت متکلم ہونے کا
دعوے کیا گیا ہے اور مشبہ یعنی شمع کا لفظ اس فرد غیر متعارف یعنی شمع
کے لئے جسکے متکلم ہونے کا دعوی کیا ہے مانگا گیا ہے پس اس صورت
میں یہ بات پایۂ صحت کو پہونچ گئی کہ شمع جو تشبیہہ کی ایک طرف
یعنی مشبہ ہے بولے اور اس سے تشبیہہ کی دوسری طرف یعنی مشبہ بہ

کہ وہ متکلم ہے فی الجملہ مراد لی گئی ہے۔

تقسیم استعارہ حسب رائے سکاکی

سکاکی نے استعارہ کی اس طرح تقسیم کی ہے ایک **استعارہ بالتصریح** جسکو **استعارہ مصرحہ** بھی کہتے ہیں دوسرا **استعارہ بالکنایہ**۔ استعارہ مصرحہ سے یہ مراد ہے کہ طرفین تشبیہہ میں سے مشبہ بہ مذکور ہوا ور پھر استعارہ مصرحہ کی دو قسمیں کیں ہیں تحقیقیہ اور تخئیلیہ تحقیقیہ یہ ہے کہ مشبہ متروک محقق ہو خواہ باعتبار حس کے خواہ باعتبار عقل کے اور تخئیلیہ یہ ہے کہ اسکے معنی نہ باعتبار حس کے محقق ہوں اور نہ باعتبار عقل کے بلکہ محض صورت وہمی ہو جسکو متخیلہ نے وہم کی مدد سے اختراع کیا ہو مثلاً مثال مذکورہ بالا میں جب شمع کی تشبیہہ شخص متکلم کے ساتھ دی گئی تو وہم نے شمع کو متکلم کی صورت پر سمجھ کر متکلم کے لوازم اسکے لئے اختراع کر لئے اور اس لئے اسکے لئے متکلم کی سی زبان تجویز کی حالانکہ زبان کے معنی شمع میں متحقق نہیں نہ باعتبار حس کے اور نہ باعتبار عقل کے اور جبکہ وہم نے مشبہ کے لئے مشبہ بہ کی طرح زبان اختراع کر لی تو اس اختراعی صورت پر زبان کے لفظ کا اطلاق کیا گیا پس یہ استعارہ تخئیلیہ کے قبیل سے ہوگا اس لئے کہ مشبہ یعنی زبان حقیقی کا نام مشبہ بہ پر کہ وہ صورت وہمی ہے اطلاق کیا گیا ہے کیونکہ اس صورت وہمی کو زبان حقیقی سے مشابہت حاصل ہے اور اس بات کا قرینہ کہ یہاں معنی حقیقی مراد

نہیں ہیں زبان کو شمع کی طرف منسوب کرنا ہے سکاکی کے نزدیک تخئیلیہ استعارہ بالکنایہ کے بغیر بھی پایا جاتا ہے پس اُسکے نزدیک تشبیہ شمع کی متکلم سے واقع ہوئی ہے اور استعارہ فقط زبان میں ہے شمع میں استعارہ بالکنایہ نہیں ہے مگر قدما کا یہ مذہب ہے کہ استعارہ تخئیلیہ استعارہ بالکنایہ سے نہیں چھوٹ سکتا اور اُنکے نزدیک زبان تشبیہ کے لئے ترشیح ہے نہ استعارہ تخئیلیہ بغیر استعارہ بالکنایہ کے۔

احتمال استعارہ تخئیلیہ و تحقیقیہ	بعض استعارہ تخئیلیہ ایسا ہوتا ہے کہ اُس میں احتمال تحقیقیہ و تخئیلیہ دونوں کا ہوتا ہے مثلاً

حالی

موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہیں نا دین ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں

تھپیڑا ہاتھ سے وقوع میں آتا ہے اور ہاتھ شخص سے خصوصیت رکھتا ہے پس موجوں کو اول دل میں شخص کے ساتھ تشبیہ دیکر اُنکے واسطے ہاتھ ثابت کیا اور قرینہ ثابت کرنے کا لفظ تھپیڑا ہے کیونکہ ہاتھ سبب ہے تھپیڑے کا یہاں سے ثابت ہوا کہ استعارہ تخئیلیہ میں جو چیز کہ مشبہ بہ کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے اُسکی جگہ اُسکا مسبب بھی قرینے کے واسطے مذکور ہوتا ہے پس اگر یہاں استعارہ موجوں اور شخص میں فرض کریں تو یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور ہاتھ اُسکے

واسطے ثابت کرنا استعارہ تخئیلیہ ہے اور اگر موجوں کے صدمے کو تھپیڑے سے تشبیہ دیں تو یہ استعارہ تحقیقیہ ہو جائیگا اور استعارہ بالکنایہ باقی نہ رہیگا کیونکہ یہاں کسی کے واسطے ہاتھ نہیں ثابت کیا۔

کاٹے کھاتا ہے باغ بن تیرے ۔۔۔ گل ہیں نظروں میں داغ بن تیرے

اگر باغ کو حیوان درندہ سے تشبیہ دیکر اُسکے لئے کاٹنا ثابت کیا جاے تو یہ استعارہ بالکنایہ و استعارہ تخئیلیہ ہے اور اگر باغ کے بُرا معلوم ہونے کو کاٹے کھانے سے تشبیہ دی جاے تو یہہ استعارہ تحقیقیہ ہے۔ اسی قبیل سے ہیں یہ چند اشعار۔

درد

پی گئی کتنوں کے لوہو تیری یاد ۔۔۔ غم ترا لاکھوں کلیجے کھا گیا

نظر میرے دل کی پڑی درد کس پہ ۔۔۔ جدھر دیکھتا ہوں وہی رو برو ہے

میر

آہ جسوقت سر اُٹھاتی ہے ۔۔۔ عرش پہ برچھیاں چلاتی ہے

بہت دور کوئی رہا ہے مگر ۔۔۔ کہ فریاد میں ہے جرس زور سے

سودا

روز میداں قدم اپنا تو جہاں گاڑی ہے ۔۔۔ کوہ کا سینہ پھٹے دیکھ ترا استقلال

اور میرا سخن آفاق میں تا یوم قیام ۔۔۔ رہیگا سبز یہ ہر مجمع و ہر اک دنگل

وحید

طاری ہے بسکہ خوف عمل دار نامو ۔ گر گر کے برگ بھاگ رہے ہیں اِدھر اُدھر

استعارہ تحقیقیہ بھی استعارہ بالکنایہ کا قرینہ ہوسکتا ہے۔ | استعارہ تحقیقیہ کے احتمال کے وقت استعارہ بالکنایہ کا باقی نہ رہنا قدما کے مذہب کے موافق ہے کیونکہ اُنکے نزدیک استعارہ بالکنایہ کا قرینہ سوائے تخئیلیہ کے اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی اور جن کے نزدیک استعارہ تحقیقیہ بھی استعارہ بالکنایہ کا قرینہ ہوسکتا ہے اُن کے نزدیک استعارہ بالکنایہ باقی رہتا ہے۔ مثلاً **تسنیم**

ناتا پریوں سے اُسنے توڑا ۔ رشتہ اک آدمی سے جوڑا

یہاں ناتے کے توڑنے سے اُسکا باطل کرنا مراد ہے۔ ناتے کو ذہن میں رسّی سے تشبیہہ دی ہے اور باطل ہونا امر تحقیقی ہے کہ ناتے اور ٹوٹی ہوئی رسّی دونوں میں متحقق ہے۔ **سودا**

جوہر کو جوہری اور صراف زر کو پرکھے ۔ ایسا نہ کوئی دیکھا وہ جو بشر کو پرکھے

بشر کے پرکھنے سے بشر کی اچھی بُری لیاقت کا معلوم کرنا مراد ہے۔ ذہن میں بشر کو زر و جواہر سے تشبیہہ دی ہے اور اچھا بُرا ہونا امر تحقیقی ہے کہ زر و جواہر اور بشر دونوں میں موجود ہے۔

فرع پنجم استعارہ کے حسن وخوبی کے شرایط میں

شرایط خوبی استعارہ تحقیقیہ و استعارہ تخئیلیہ | استعارہ تحقیقیہ اور تمثیل بطریق استعارہ

کی حسن وخوبی اس میں ہے کہ وجہ شبہ مستعار لہٗ اور مستعار منہ کو شامل ہو اور تشبیہ غرض مقصود کے بیان کرنے کے لئے کافی ہو اور اور وجہ شبہ مبتذل نہ ہو اور اُسکے الفاظ سے تشبیہ پر دلالت نہ ہوتی ہو اگر الفاظ تشبیہ پر دلالت کرتے ہونگے تو استعارے کی غرض فوت ہوجائیگی کیونکہ استعارے سے یہ غرض ہوتی ہے کہ مشبہ بہ کے جنس میں مشبہ کے داخل ہونے کا ادعا کیا جاے اور تشبیہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مشبہ بہ وجہ مشابہت میں مشبہ سے قوی ہے پس اگر استعارے کے الفاظ تشبیہ پر دلالت کرتے ہونگے تو مشبہ کے بعینہٖ مشبہ بہ ہونے کا ادعا صورت پذیر نہ ہوسکے گا اور وجہ شبہ مستعار لہٗ اور مستعار منہ میں جلی ہونی چاہیے اگر جلی نہ ہوگی تو استعارہ چیستاں اور معمہ بن جائیگا کیونکہ جبکہ استعارے میں کوئی لفظ ایسا نہ ہونا چاہیے جو تشبیہ پر دلالت کرے تو تشبیہ میں پوشیدگی ہوگی اور جبکہ وجہ شبہ میں بھی پوشیدگی ہوئی تو پوشیدگی پر پوشیدگی بڑھکر استعار میں نہایت اشکال پیدا کریگی مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں نے شیر دیکھا ہے اور مراد اُسکی ایسا آدمی ہو جسکے منہ سے بدبو آتی ہو تو یہاں وجہ جامع مستعار لہٗ و مستعار منہ میں خفی ہے اسلئے کہ گو شیر کے منہ سے بدبو آتی ہے مگر جب انسان کو اُس سے تشبیہ دیجاتی ہے تو مشابہت کی یہ وجہ منظور نہیں ہوتی بلکہ شجاعت جو اوسکو لازم ہے وہ مقصود

ہوتی ہے اور سننے والے کا ذہن اُسی طرف منتقل ہوتا ہے لہذا اسکا خیال رکھنا چاہیئے کہ جہاں وجہ مشابہت خفی ہو اُسے استعارے کے کام میں نہ لائیں تشبیہ کے طور پر استعمال کریں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ تشبیہ عام ہے اور استعارہ خاص کیونکہ جن امور میں استعارہ عمل میں آسکتا ہے وہاں تشبیہ بھی ہو سکتی لیکن جہاں تشبیہ ہو سکتی ہے وہاں بعض صورتوں میں استعارہ نہیں ہو سکتا جیسے اُسوقت جبکہ وجہ شبہ جلی نہو۔

اور جبکہ وجہ شبہ طرفین میں نہایت قوی ہو یہاں تک کہ اُسکی وجہ سے دونوں ایک سے سمجھے جاتے ہوں تو ایسے موقع پر تشبیہ بہتر نہیں ہوتی استعارے کے طور پر کام میں لانا چاہیئے کیونکہ تشبیہ سے کلام میں خوبی حاصل نہ ہوگی اور استعارے سے حسن پیدا ہو جائیگا۔ جیسے علم اور نور کہ ان دونوں میں بکثرت تشبیہ واقع ہوتی ہے یہانتک کہ علم سے وہی معنی متبادر ہوتے ہیں جو نور سے لئے جاتے ہیں اس وجہ سے دونوں لفظ متحد معلوم ہوتے ہیں بس ایسے موقع پر استعارہ بہتر ہوتا ہے کیونکہ تشبیہ کی صورت میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شے کو اپنے نفس کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

شرایط خوبی استعارہ بالکنایہ و استعارہ تخئیلیہ

اور استعارہ بالکنایہ کی خوبی اسمیں ہے کہ وجہ شبہ طرفین کو شامل ہو اور تشبیہ افادہ غرض کے لئے کافی ہو اور استعارہ تخئیلیہ کی خوبی استعارہ بالکنایہ کی خوبی پر موقوف ہے

کیونکہ وہ اُسی کا تابع ہے علحدہ اُسمیں تشبیہہ نہیں ہے پس استعارہ بالکنایہ اچھا ہوگا تو یہ بھی اچھا ہوگا۔

فصل سیوم مجاز مرسل کے بیان میں

مجاز مرسل کی تعریف | جو لفظ سوائے معنی موضوع لہٗ کے اور معنی میں مستعمل ہو اور وہاں کوئی ایسا قرینہ پایا جاوے کہ جو اصل معنی مراد لینے سے مخاطب کو روک دے اور اون دونوں معنی میں کوئی علاقہ علاوہ علاقہ تشبیہہ کے پایا جاوے تو اُسکو مجاز مرسل کہتے ہیں۔

جو علاقے مجاز مرسل میں درمیان حقیقی و مجازی معنی کے ہوتے ہیں اُنکی گیارہ قسمیں حسب ذیل اُردو میں مستعمل ہیں۔

تسمیہ جزو باسم کل | ۱۔ جو لفظ کل کے واسطے وضع کیا گیا ہے اُسکو جزو کے لئے استعمال میں لائے ہیں۔

ذوق

رکھہ رکھہ کے نبض عاشق تفتہ جگر پہ ہاتھ　　جوں نبشا نہ تو نہ جلا اُنگلیاں طبیب

ظاہر ہے کہ نبض پر سارا ہاتھ نہیں رکھا جاتا صرف اُنگلیوں کی پوریں رکھی جاتی ہیں جنکا پہلے مصرعہ میں ذکر ہوا۔

تسمیہ کل باسم جزو | ۲۔ جو لفظ جزو کے واسطے وضع ہوا ہے اُسکو کل کے واسطے استعمال کرتے ہیں جیسے سورہ فاتحہ کو الحمد کہتے ہیں۔

تپش

سرِ مرسلیں سروِرِ جزو کل شفیع الامم سرو باغِ سبل

سر سے مراد سردار ہے حالانکہ سر ایک جزو ہے سردار کا

اسی قبیل سے ہے لفظ بر کا اطلاق بدن پر حالانکہ در اصل بغل اور سینے کے معنی میں ہے۔

آزاد

جسم پر نور میں پہنے ہوئے جامہ کالا بر میں جبّہ عربی سر پہ عمامہ کالا

تسمیہ سبب باسم مسبب | ۳۔ جو لفظ مسبب کے واسطے موضوع ہے اُسکو سبب کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

مومن

ساقیا دے چک آب آتش رنگ گرم و سرد زمانہ سے ہوں تنگ

حالی

ہنر کا جہاں گرم بازار ہے جہاں عقل و دانش کا بیوار ہے

ذوق

ہر ایک خار ہے گل ہر گل ایک ساغر عیش ہر ایک دشت چمن ہر چمن بہشت نظیر

گرم و سرد زمانہ سے مراد انقلاب ہے اور انقلاب سبب ہے اور گرم و سرد مسبب۔ گرم بازاری سے مراد ترقی ہے اور ترقی سبب ہے گرم بازاری کا۔ ساغر شراب کی جگہ ساغر عیش کہا ہے شراب سبب ہے عیش مسبب۔

تسمیہ مسبب باسم سبب | ۴۔ سبب کو بجائے مسبب استعمال کرتے ہیں۔

جیسے کہتے ہیں کہ یہ بادل خوب برسا۔ برسنا پانی کی شان سے ہے اور بادل برسنے کا سبب ہے۔

درد

عاشق بیدل ترا یاں تک تو جی سی سیر تھا　　زندگی کا اسکو جو دم تھا دم شمشیر تھا

امیر

جوانی اور پیری ایک رات اک دن کا وقفہ ہے　　خمار و نشہ میں دونو نکو کھویا ہائے کیا سمجھے

وحید

ہے بازوے امام زماں عازم وغا　　شیر آئے گا اسی طرف اے فوج اشقیا

پہلے شعر میں سیر ہونا بیزار ہونے کے معنی میں ہے اور غذا سے سیری بیزاری کا سبب ہوتی ہے دوسرے شعر میں خمار و نشہ سے مراد غفلت ہے اور یہ غفلت کے سبب ہیں تیسرے شعر میں بازو سے مراد مددگار ہے۔

تسمیۂ شے باسم زمان ماضی | ۵۔ کسی چیز پر کسی اسم کا اطلاق باعتبار زمانہ سابق کے کر لیتے ہیں۔

اوج

اطاعت اور خداوندی کی جب نسبت بہم ٹھہری　　تو اس ناچیز مشت خاک کا پھر امتحاں کیوں ہو

آتش

جمال حور و پری ہے طعنہ زن مٹی　　بلائے جاں ہوئی سرخ و سفید بن مٹی

مشت خاک اور مٹی سے مراد آدمی ہے جو کہ وجود حاصل ہونے سے پہلے خاک تھا۔

تسمیۃ باسم زمان مستقبل | ۶۔ کسی شے پر کسی ایسے نام کا اطلاق کرتے ہیں جو زمانہ آیندہ میں وہ نام اسپر صادق آتا ہے۔ جیسے طالب علم کو اس نظر سے کہ زمانہ آیندہ میں پڑھکر عالم ہوجائیگا مولوی کہتے ہیں۔

انیس

اب شہر میں اکدم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار میں پا بر کاب اور ہو تم صاحب آزار

چونکہ قصد سفر تھا اس لئے امام نے اپنے تئیں پا بہ رکاب فرمایا۔

تسمیہ مظروف باسم ظرف | ۷۔ ظرف کو بجائے مظروف کے استعمال کرتے ہیں۔

میر حسن

پلا ساقیا ساغر بے نظیر پھنسی دام ہجراں میں بدر منیر

ساغر سے مراد شراب ہے۔ اسی قبیل سے ہے ہانڈی کا پکنا اور چراغ کا جلنا اور پرنالے کا چلنا اور نہر کا جاری ہونا وغیرہ کیونکہ درحقیقت وہ چیز پکتی ہے جو ہانڈی کے اندر موجود ہوتی ہے اور چراغ میں تیل اور بتی جلتی ہے اور پرنالے میں پانی چلتا ہے اور نہر میں پانی جاری ہوتا ہے۔

تسمیۂ ظرف باسم مظروف | ۸۔ مظروف کو بجائے ظرف کے استعمال کرتے ہیں۔

غلام مرتضٰی جنون

تری چشم مست سے ساقیا یہ سیاہ مست جنوں ہوا
کہ مئے دو آتشہ طاق پر جو دھری تھی یوں ہی دھری رہی

آتش

گئے بت خانہ پوجا گھہ کیا طوف حرم ہم نے
اُڑائی تیری خاطر خاک کن کن رہگذاروں کی

پہلے شعر میں ظاہر ہے کہ شراب طاق پر نہیں رکھی جاتی بلکہ اُسکا ظرف رکھا جاتا ہے دوسرے شعر میں بت خانے سے بت مراد ہے۔

تسمیہ شے باسم آلہ آن شے

۹- علاقہ آلہ اور واسطہ ہونے کا ہوتا ہے یعنے آلہ اور واسطہ کسی شے کا مذکور ہوتا ہے اور اُس سے خود وہی شے مراد ہوتی ہے جسکا یہ آلہ ہے۔

رزق مل جائیگا اے سائل بیجا بے سوال
دیکھ لے بے شیر طفل بے زباں ہوتا نہیں

بے زبان سے مراد یہ ہے کہ جو بات نہ کر سکے۔ زباں آلہ ہے بات کرنے کا۔ اسی قبیل سے ہے خوشنویس کو خوش قلم کہنا تعریف اُسکے تحریر کی مقصود ہے قلم آلہ ہے تحریر کا۔

تسمیہ مطلق باسم مقید

۱۰- جو نام مقید کے لئے موضوع ہے اُسی مطلق کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ کوئی حرف مطلب زبان پر

نہ آیا یعنی کوئی کلمہ مطلب کا زبان پر نہ آیا حرف مقید ہے اور کلمہ مطلق منیر
ہو تری محراب میں سجدہ شہیدوں کا قبول
طاق نسیاں پر تو رکھ دے زندگانی کی کتاب
یہاں پر شہیدوں سے مراد کشتے ہیں کیونکہ یہ شعر حضرت علی کی تلوار کی تعریف میں ہے۔ اور شہید ایسے کشتے کو کہتے ہیں جو بے گناہ راہ خدا میں مارا جائے اور شاعر بہ حیثیت مسلمان ہونے کے حضرت علی کے تلوار کے کشتوں کو شہید نہیں کہہ سکتا تھا بلکہ کشتوں کی جگہ شہیدوں کہا ہے۔ شہید مقید ہے اور کشتہ مطلق۔ مقید کو مطلق کی جگہ استعمال کیا ہے۔

تسمیہ مقید باسم مطلق | ۱۱۔ جو لفظ مطلق کے لئے وضع ہوا ہے اُسکا مقید پر اطلاق کرتے ہیں۔ مثلاً ناسخ
قاصدا لکھے ہیں اسرار محبت میں نے
رکھیو اغیار کی نظروں سے تو پنہاں کاغذ
نامہ کی جگہ کاغذ کہا ہے کاغذ مطلق ہے نامہ مقید۔

معنی مجازی کے استعمال کی دلیل کلام فصحا سے ضرور ہے اس طور پر کہ سبب کو بجائے مسبب کے یا برعکس اسکے اور ظرف کو بجائے مظروف کے یا برعکس اسکے وقس علی ہذا فصحا استعمال میں لاتے ہیں یا نہیں اور یہ ضرور نہیں کہ جب کوئی خاص صورت پیش آئے اور کسی خاص موقع پر ان طریقوں میں سے کسی لفظ کے معنی

مجازی لیے جائیں تو اس لفظ خاص کے استعمال کی نظیر بھی تلاش کریں۔

فصل چہارم کنائے کے بیان میں

کنائے کی تعریف اور اسکی مثال

کنایہ لغت میں پوشیدہ بات کو کہتے ہیں اور علم بیان کی اصطلاح میں وہ لفظ ہے جسکے معنی حقیقی مراد نہ ہوں بلکہ معنی غیر حقیقی مراد ہوں اور اگر معنی حقیقی مراد رکھیں تو بھی جائز ہوں۔

امیر

اس چمن میں طائر کم پر اگر میں ہوں تو کیا ۔۔۔ دور ہے صیاد ابھی اور آشیاں نزدیک ہے

کم پر سے کم اڑنے والا مراد ہے اور اگر اس مراد کے ساتھ کم پر کے حقیقی معنی یعنی پروں کی مقدار کا تھوڑا ہونا بھی مراد لیں تو بھی ہو سکتا ہے۔ بہرحال کنائے اور مجاز میں دو طرح سے فرق ہے ایک تو یہ کہ کنائے میں لازم یعنی معنی غیر حقیقی مراد رکھتے ہیں اور اگر ملزوم یعنی معنی حقیقی مراد رکھیں تو بھی جائز ہے اور مجاز میں فقط لازم مراد ہوتا ہے دوسرا فرق یہ ہے کہ مجاز میں معنی حقیقی اور غیر حقیقی میں کوئی قرینہ بھی پایا جاتا ہے اور کنائے میں قرینہ نہیں ہوتا۔

علی العموم کنائے کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ کنایہ جسمیں صفت سے موصوف مراد ہو

ایک یہ کہ کنائے میں صفت سے

موصوف کی ذات مطلوب ہو (اور صفت سے مراد وہ معنی ہیں جو غیر کے ساتھ قائم ہوں نہ وہ صفت جو اہل نحو کی اصطلاح ہے کہ وہ ایک تابع ہے جو اُن معنی پر دلالت کرتا ہے جو متبوع کی ذات میں ہوں مثلاً چالاک گھوڑا کہ اسمیں لفظ چالاک تابع ہے جو اپنے متبوع کی چالاکی پر دلالت کرتا ہے) اُسکی دو حالتیں ہیں۔

کنایہ قریب کی تعریف اور مثالیں | ا صفت کا جو کسی موصوف معین سے خصوصیت رکھتی ہو ذکر کریں اور مراد اُس سے موصوف ہو اُس کو کنایہ قریب کہتے ہیں اس لئے کہ بہ سبب ایک ہونے صفت کے ذہن کا انتقال موصوف تک دشوار نہیں ہوتا۔

امیر

جس طرف دیکھو زرگل باغ میں انبار ہیں شکل فوارہ اُگلتی ہے زمیں گنج نہاں

انیس

ہے دوش محمدؐ کا مکیں خانۂ زیں پہ اس ناز سے رکھتا نہیں پہ پاؤں زمیں پہ

ناسخ

زیب اورنگ ہوا ہے شہ عادل ناسخ کیوں نہ نوروز کو دن رات برابر ہو جائے

زمیں کا گنج نہاں کنایہ ہے نباتات سے۔ دوش محمدؐ کا مکیں حضرت امام حسین سے کنایہ ہے کیونکہ وہ آنحضرت کے دوش مبارک پر چڑھا کرتے تھے۔ شہ عادل کنایہ آفتاب سے ہے کیونکہ آفتاب نوروز کے دن

برج حمل میں تحویل کرتا ہے اور یہی اسکی تخت نشینی ہے اور اسی کے قبیل سے ہے۔ خسرو انجم۔ شاہ شرق۔ شہ زریں کلاہ۔ طائر زریں بال۔ سلطان چرخ چہارم وغیرہ کنایہ آفتاب سے ترک چرخ کنایہ مریخ سے دبیر فلک کنایہ عطارد سے لولی گردوں کنایہ زہرہ سے وغیرہ۔

ب۔ کنایہ بعید کی تعریف اور اسکی مثالیں	۲۔ جب کئی صفتیں آپس میں ملکر سب کی سب ایک موصوف کے ساتھ مختص ہوں اگرچہ الگ الگ اور چیزوں

میں بھی پائی جاتی ہوں۔ اور ایسی تمام صفات کے مجموعہ سے کوئی موصوف معین مراد لیا جائے تو اسکو کنایہ بعید کہتے ہیں اس لئے کہ کئی صفات سے موصوف کی طرف انتقال ذہن آسانی سے نہیں ہو سکتا۔

ساقی وہ دے ہمیں کہ ہو جسکے سبب بہم
محفل میں آب و آتش و خورشید ایک جا

ان صفات سے شراب مقصود ہے کیونکہ شراب خود پانی ہے اور باعتبار سرخی رنگ کے اور گرمی کے آتش ہے اور باعتبار روشنی کے اور پیالے میں شکل مدور پکڑ لینے کے آفتاب سے مشابہت رکھتی ہے۔

غالب

صبح آیا جانبِ مشرق نظر
اک نگار آتشیں رخ سر کھلا

ان صفات سے سورج مقصود ہے کیونکہ اسمیں یہ چاروں صفات موجود ہیں شرق کی طرف سے طلوع ہوتا ہے نگار یعنی خوبصورت بھی

ہے اور اُسکے رُخ میں سرخی اور گرمی بھی ہے اور وہ کھلا ہوا بھی ہے۔

۲۔ وہ کنایہ جسمیں ایک صفت سے دوسری صفت مقصود ہو۔	**دوسری قسم**۔ یہ کہ کنائے سے فقط صفت مقصود ہو اس طرح کہ ایک صفت ذکر کیجاے اور اُس سے ایک اور صفت مراد لیجاے اسکی بھی

دو قسمیں ہیں۔

ا۔ **قریب**۔ کہ اُسمیں لازم و ملزوم میں کوئی واسطہ نہ ہو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں۔

ایماد اشارہ کی تعریف اور مثالیں۔	**الف**۔ یہ کہ کنایہ اُسمیں واضح ہو اس طرح کہ لازم سے ملزوم تک ذہن بے تامل پہونچ جاے

اسکو **ایماد اشارہ** کہتے ہیں جیسے سفید ریش اور موے سفید سے پیری کا سمجھنا۔

میر*

تھا اعتماد ہمکو بہت اس جواں پر ۔۔۔ دامن میں آج میر کے داغ شراب ہے

مدت ہوئی ہماری منقار زیر پر ہے ۔۔۔ اے ہمصفیر بے گل کسکو دماغ نالہ

داغ شراب کنایہ ہے شراب خواری و رندی سے اور دامن میں داغ شراب ہونے سے شراب خواری و رندی تک ذہن فوراً پہونچ جاتا ہے۔ اسی طرح منقار زیر پر ہونا کنایہ ہے خاموشی سے اور اور یہ امر بھی واضح ہے۔

رمز کی تعریف اور مثالیں	**ب**۔ یہ کہ کنایہ اُسمیں خفی ہو یعنی ذہن ملزوم تک

تامل کے بعد پہونچے اسکو رمز کہتے ہیں جیسے کوتاہ گردن اور کرنجی آنکھ والا دونوں سے شریر مراد ہے لمبے قد والا اس سے احمق مراد ہے کیونکہ کہتے ہیں کہ جسکی گردن کوتاہ ہو یا جسکی آنکھ کرنجی ہو وہ آدمی شریر ہوتا ہے اور جس کا قد لمبا ہو وہ احمق ہوتا ہے اور یہ ہر ایک کو نہیں معلوم ہوتا لیکن ان مثالوں میں یہ بھی شرط ہے کہ معنی حقیقی بھی پائے جاتے ہوں اگرچہ کنائے میں یہ بات لازم نہیں۔

شوق

ہونٹوں پہ تھے دانت سر پہ تھے ہاتھ سر سے جو ہٹے جگر پہ تھے ہاتھ

دانتوں کا ہونٹوں پہ ہونا اور سر اور جگر پر ہاتھ کا ہونا کنایہ ہے کمال مغموم ہونے سے اور یہ امور تامل کے بعد معلوم ہوتے ہیں اور ایسے موقعوں پر معنی حقیقی بھی پائے جاتے ہیں کیونکہ غم و فکر کی حالت میں اکثر دانتوں سے ہونٹھ کو کاٹنے لگتے ہیں اور ہاتھ سے سر اور جگر کو پکڑ لیتے ہیں۔

برکھا رت حالی

لاہور میں شب ہوئی تھی لیکن کشمیر میں پہونچے جب ہوا دن

لاہور میں شب ہونا کنایہ ہے اس سے کہ رات کو گرمی تھی کیونکہ لاہور میں سخت گرمی پڑتی ہے اور کشمیر میں دن ہونا کنایہ ہے دن میں سخت سردی ہونے سے کیونکہ کشمیر میں سردی زیادہ ہوتی ہے۔

تلویح کی تعریف اور مثالیں

۲- بعید- یہ ہے کہ لازم و ملزوم میں کچھ واسطے

ہوں یعنی لازم سے اول کچھ اور چیز سمجھیں بعد اسکے ان واسطوں کے ذریعہ سے ملزوم تک پہونچیں اسکو تلویح تک کہتے ہیں۔ مثلاً سخی کی نسبت کہیں کہ اسکے باورچیوں پر بہت محنت رہتی ہے۔ باورچیوں پر بہت محنت کا ہونا جب ہوتا ہے کہ انکو کام زیادہ پڑے اور یہ امر اس بات کی زیادتی کی وجہ سے ہوتا ہے کہ باورچی خانے میں کھانا زیادہ پکتا رہے اور کھانے کا زیادہ پکنا مہمانوں کے واسطے ہوتا ہے اور یہ سخاوت پر دال ہے اس میں ملزوم تک پہونچنے کے لئے کئی واسطے ہوئے۔

انیس

مطبخ ہے سرد آگ کا اسمیں نہیں ہے نام بچے ہوائے گرم سے بیتاب ہیں تمام

پہلا مصرع کنایہ ہے اس بات کی طرف کہ سب فاقے سے ہیں کسی کو کھانا نہیں ملا یہاں انتقال ذہن کا مطبخ کے سرد ہونے اور اسمیں آگ کا نام نہ ہونے سے اس بات کی طرف ہوتا ہے کہ باورچی خانے میں ایندھن بالکل نہیں جلا اور اس سے انتقال اس بات کی طرف ہوتا ہے کہ پکنے کے لئے چولھوں پر کوئی چیز نہیں رکھی گئی اور کسی چیز کے نہ پکنے سے انتقال ذہن اس بات کی طرف ہوتا ہے کہ سب فاقے سے ہیں۔

حالی

بند اس قفل میں ہے علم ان کا جسکے کنجی کا کچھ نہیں ہے پتا

نامعلوم کنجی کے قفل میں علم کا بند ہونا کنایہ ہے علم سے کچھ فائدہ نہ پہونچنے سے اس جگہ علم کے قفل کی کنجی کا پتہ نہ ہونے سے اس بات کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے کہ وہ قفل نہیں کھلا اور اس سے انتقال ذہن اس امر کی طرف ہوتا ہے کہ علم جو مقفل ہے اُس تک رسائی ممکن نہیں اور اس سے انتقال ذہن اس امر کی طرف ہوتا ہے کہ اس علم سے کوئی نفع نہیں اُٹھا سکتا سو دا انجیل کی ہجو میں کہتا ہے۔

الغرض مطبخ اس گھبرانے کا رشک ہے آبدار خانے کا
شادی پر شادی یاں ہوئی ہے پیدا دستہ ہاون سے پر کبھو نہ بجا

وہ کنایہ جسمیں صفت کا اثبات یا موصوف کی نفی مقصود ہو۔

تیسری قسم۔ یہ کہ کنائے سے کسی صفت کا اثبات یا نفی کسی موصوف کے واسطے مقصود ہو۔

اثبات کی مثال۔ جیسے یہ کہیں کہ فقیر کا جامہ شیر کا ہے یعنی فقیروں میں صفت شیر کی ہے۔

میر

مت ما نیو کہ ہوگا یہ بیدرد اہل دین گر آوے شیخ پہن کے جامہ قراں کا
ایکی جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

پہلے شعر میں قرآن کا جامہ پہن کر آنے سے مراد یہ ہے کہ صفت اتقا اور پرہیزگاری سے متصف ہو کر آئے اور دوسرے شعر میں

دونوں چاکوں میں فاصلہ نہ رہنے سے مراد یہ ہے کہ گریبان پھٹ جائے۔ صفت جنون کا اثبات مقصود ہے۔

نفی کی مثال **نفی کی مثال**۔ آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں: مگر اس حمام میں سب ننگے تھے ان کے یہاں بھی سوائے شہد پن کے دوسری بات نہیں۔ اس حمام میں سب ننگے تھے کنایہ اس امر سے ہے کہ کسی میں تہذیب نہ تھی۔

حالی

غرض عیب کیجئے بیاں اپنے کیا کیا   کہ بگڑا ہوا یاں ہے آوے کا آوا

آوے کا آوا بگڑا ہونے سے مراد یہ ہے کہ سب اسی طرح کے ہیں کسی کو تمیز و سلیقہ نہیں۔

انوار حسین تسلیم

باتیں ایسی نکر تو اوٹ پٹانگ   کہ کہیں لوگ اسنے کھائی بھانگ

بھانگ کھانا ایسے محل میں کہتے ہیں کہ کوئی امر نا معقول کا مرتکب ہو اور اسکی قباحت اسکے ذہن میں نہ آئے کیونکہ بھنگ سے نشہ حاصل ہوتا ہے اور نشے سے عقل زائل ہو جاتی ہے۔

تعریض

تعریض کی تعریف   اگر کنائے میں موصوف مذکور نہ ہو تو اسکو تعریض کہتے ہیں جیسے کوئی شخص پڑھے اور اسپر عمل نہ کرے اور مثالیں

اُسوقت کہیں عالم وہ ہے جو علم پر عمل کرے اور مراد یہ ہو کہ شخص معلوم عالم نہیں یا کسی پر طعنہ زنی کے واسطے کہیں کہ اس زمانے کے یار آشنا کش ہیں یعنی شخص معلوم ایسا ہے بھرت رام چندر جی کے سوتیلے بھائی تھے جب آنکے باپ نے رام چندر جی کو اپنی جگہ مسند نشین کرنا چاہا تو آنکی سوتیلی ماں کی کنیز نے جسکا نام منتھرا تھا اپنی بی بی سے جاکر یوں کہا۔

زمانے میں یہ روشن ہے سبھوں پہ ۔۔۔ کہ دشمن ہو برادر کا برادر
خصوصاً جبکہ ہووے پادشاہی ۔۔۔ مقرر ہو برادر پر تباہی

مطلب یہ کہ رام چندر جی بھرت کے دشمن ہیں اور جبکہ اُنکو بادشاہی ہوگی تو بھرت پر تباہی آویگی۔

مومن

میں ہی تو رہا ہوں کہیں شب کو خوش و خرم ۔۔۔ میں نے ہی تو کی بادہ کشی غیر سے باہم
میرے ہی نظر سے ہے عیاں نیند کا عالم ۔۔۔ آتی ہے جماہی پہ جماہی مجھے ہر دم
انگڑائیاں لیتا ہوں یہاں میں ہی تو پیہم ۔۔۔ میرے ہی تو گردن میں پڑا جاے ہے کچھ خم

میرے ہی تو آنکھوں میں غضب نیند بھری ہے
میرے ہی جبیں ہے جو یہ گھٹنے پہ دھری ہے

ان تمام اشعار میں موصوف مذکور نہیں اور وہ مخاطب ہے بطور تعریض کے متکلم نے اپنی ذات کو ذکر کیا ہے۔ ظفر

مرجائے یا کچھ ہو کسے دھیان کسی کا ۔۔۔ دنیا میں نہیں کوئی مری جان کسی کا

یعنی تمھیں ہمارا دھیان نہیں ہے اور تم ہمارے نہیں ہو۔

تتمہ

علماے بلاغت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مجاز حقیقت سے اور کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہے اور استعارہ تشبیہ سے قوی ہے مجاز کے حقیقت سے اور کنائے کی تصریح سے زیادہ بلیغ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مجاز میں ملزوم سے لازم کی طرف انتقال کیا جاتا ہے مثلاً کوئی کہے کہ میں نے چاند کو دیکھا اور مراد اُس سے معشوق ہو تو یہ کہنا اُس کہنے سے زیادہ بلیغ ہوگا کہ میں نے معشوق کو دیکھا اس لئے کہ پہلا قول مثل ایسے دعوے کے ہے جسکے ساتھ گواہ موجود ہو کیونکہ ہر ملزوم کا وجود اپنے لازم کے ہونے پر گواہ ہے یعنی ملزوم کا ہونا لازم کے ہونے کو چاہتا ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ ملزوم ہو اور لازم نہو بخلاف اسکے کہ میں نے معشوق کو دیکھا کہ مثل ایسے دعوے کے ہے جسکے ساتھ گواہ نہو اور جس دعوے کے ساتھ گواہ موجود ہو وہ اُس دعوے سے بدرجہا بہتر ہوتا ہے جسکے ساتھ گواہ نہ ہو۔ اور استعارہ کی تشبیہ سے قوی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وجہ شبہ مشبہ بہ میں مشبہ سے زیادہ کامل ہوتی ہے اور استعارے میں مشبہ کے بعینہ مشبہ بہ ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں یعنی معشوق کو بعینہ چاند ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں اور اُسکے الفاظ تشبیہ پر دلالت

نہیں کرتے اور ایک قرینہ ایسا ہوتا ہے کہ معنی موضوع لہٗ کے مراد نہونے پر دلالت کرتا ہے پس یہ امر ایسے دعویٰ کی طرح ہے کہ جس کے ہمراہ گواہ موجود ہو۔

فائدہ

علم بیان کی بحث پڑھنے کے بعد تمکو اس کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اس علم نے کسی مطلب کو عبارت مختلفہ میں ظاہر کرنے کے لئے کس قدر وسعت دیدی ہے ہم ایک مثال لکھے دیتے ہیں۔

فرض کرو کہ کسی شخص کی نسبت یہ خیال ظاہر کرنا ہے کہ وہ خوبصورت ہے تو اگر اس خیال کو ہم بغیر مدد علم بیان کے ظاہر کریں تو صرف اُنہیں الفاظ میں ظاہر کر سکتے ہیں جو کہ خوبصورت کے مترادف ہیں مثلاً وہ حسین ہے وہ جمیل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ الفاظ مترادف زبان میں معدودے چند ہوتے ہیں لیکن اگر ہم اسکو علم بیان کی مدد سے یعنی تشبیہ و استعارہ وکنایہ میں ظاہر کریں تو غیر محدود عبارتوں میں ظاہر کر سکتے ہیں مثلاً۔[1]

(۱) وہ چاند کا ٹکڑا ہے (۲) اُسکے لب گلاب کی پنکھڑیاں ہیں (۳) وہ رات کو دن بنا دیتا ہے (۴) شمع اُسکے سامنے شرما جاتی ہے

---

[1] امثلہ مذکورہ میں تشبیہ اور استعارہ وکنایہ کو اور نیز اس بات کو کہ کس کس چیز سے استعارہ وکنایہ ہے غور کر کے سمجھ لو۔

(۵) اُسکے دیکھنے سے آنکھوں میں چکا چوند آجاتی ہے (۶) اُسکے رخسارے پھول ہیں (۷) وہ نقاب اُلٹے تو چاندنی چھٹک جائے (۸) اُسکا رنگ کُندن سا چمکتا ہے (۹) وہ زمین کو آسمان بنا دیتا ہے (۱۰) اُسکا قد بوٹا سا ہے (۱۱) اندھیرے میں اُسکے چہرے سے روشنی ہو جاتی ہے (۱۲) اُسکے گھونگھٹ پر پردہ فانوس کا گمان ہوتا ہے (۱۳) وہ سیم تن ہے (۱۴) اُسکا حُسن نظّارہ سوز ہے (۱۵) جدہر وہ مڑتا ہے اُدہر عکس سے بجلی چمک جاتی ہے (۱۶) خدا نے اُسکو اپنے ہاتھ سے بنایا (۱۷) اُسکے عکس سے آئینہ دریائے نور ہو جاتا ہے (۱۸) وہ نقاب اُلٹے تو پروانے گرد آجائیں (۱۹) اُسکو بنا کر قدرت نے اپنا کمال دکھایا ہے (۲۰) اوسکے چہرے کی چھوٹ پڑتی ہے (۲۱) بشر اُسے دیکھ کر تلملا جاتا ہے (۲۲) وہ ہاتھ لگائے میلا ہوتا ہے (۲۳) وہ حُسن کے سانچے میں ڈہلا ہے وغیرہ وغیرہ۔

غرضکہ اسوقت تک ایک ہی خیال کے متعلق ہزاروں فقرے اور لاکھوں شعر جو ہو گئے اور برابر ہوتے جاتے ہیں یہہ سب علم بیان ہی کا فیض ہے۔

تیسرا باب علم بدیع کے بیان میں

بدیع۔ اُس علم کو کہتے ہیں جسمیں کلام کی خوبیاں بیان کیجاتی

ہیں لیکن یہ خوبیاں کلام میں واجب نہیں ہوتیں بلکہ بطور حسن کے آتی ہیں اور انکو صنائع و بدائع کہتے ہیں اس علم کا مخترع عبداللہ بن معتز عباسی ہے جسنے ۲۷۴ھ ہجری میں اسکو ایجاد کرکے ایک مستقل علم قرار دیا۔ جو خوبی کسی لفظ میں ہوتی ہے اُسکو صنعت لفظی اور جو خوبی لفظ کے معنی میں ہوتی ہے اُسکو صنعت معنوی کہتے ہیں چونکہ رعایت معنوی کا لحاظ رعایت لفظی پر مقدم ہے لہذا پہلے صنعت معنوی کی قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔

فصل اول اقسام صنائع معنوی کے بیان میں

طباق کی قسمیں اور مثالیں

۱۔ صنعت طباق ۔ اس صنعت کو تضاد ۔ مطابقت ۔ تقابل ۔ تطبیق اور تکافو بھی کہتے ہیں ۔ صنعت تدبیج ۔ صنعت ایہام تضاد ۔ صنعت مقابلہ ۔ اسی کی شاخیں ہیں ۔ صنعت طباق کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک ایجابی دوسرے سلبی ۔

(الف) ۔ طباق ایجابی ۔ اُس کو کہتے ہیں جس میں دو چیزیں ایک کلام میں ایسی جمع کیجائیں جنکے معنوں میں

فی الجملہ[۱] تضاد و تقابل ہو خواہ وہ دونوں چیزیں اسم ہوں یا فعل یا حرف یا ایک اُنمیں سے اسم ہو اور ایک فعل - ہر چیز کی مثالیں ذیل میں درج ہیں - جن لفظوں میں تضاد واقع ہوا ہے اون پر نشان بنا دیا گیا ہے -

مثال اسم با اسم

ناسخ

ابتداؤ انتہا موجِ ازل ہے اور ابد   کیا بتاؤں میں نشانِ ساحلِ دریا کے دل

دبیر

ظلمت جہاں جہاں تھی وہاں نور ہو گیا   پھر مشک شب جہان سے کافور ہو گیا

مثال فعل با فعل

میر

کیا ہنسے اور خاک کوئی رو سکے   جی ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

---

[۱] فی الجملہ کی قید اس لئے ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اسمیں انتہا درجہ کا تخالف ہو جیسے سیاہی و سفیدی میں بلکہ بعض صورتوں کا تقابل بھی کافی ہے اور یہ تقابل عام ہے اس سے کہ حقیقی ہو جیسے قدم و حدوث میں یا اعتباری ہو جیسے جلانے اور مارنے میں اور عام ہے اس سے کہ تقابل تضاد ہو جیسے حرکت و سکون یا تقابل ایجاب و سلب ہو جیسے ہونے اور نہونے میں یا عدم و ملکہ کا تقابل ہو جیسے بینائی اور نابینائی میں یا تقابل تضائف ہو جیسے باپ ہونے اور بیٹا ہونے میں یا کسی اور قسم کا تقابل ہو جیسے گرمی و سردی وغیرہ -

جرأت

گاہ مرتا ہوں گاہ جیتا ہوں
آنا جانا ترا قیامت ہے

مثال حرف با حرف

ناسخ

کچھ تری بات کو ثبات نہیں
ایک ہاں ہے تو پانچ سات نہیں

سودا

یہ غزل سودا کہی ہے تو نے اس انداز سے
ہند سے جائیگی ہاتھوں ہاتھ نیشا پور تک

غالب

وہ میوہ ہائے تازہ و شیریں کہ واہ واہ
وہ بادہ ہائے ناب گوارہ کہ ہائے ہائے

مثال اسم با فعل

انیس

نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند
مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند

نظام

مجھے کیا بیٹھے روتے ہیں احباب
کر بس سامان اب اٹھانے کا

اگر کسی کلام میں عناصر اربعہ جمع ہو جائیں تو وہ بھی طباق ایجابی ہے۔

صبا

چار دن کے لئے کیا کیا نہ ہوا دنیا میں
خاک سے آب سے آتش سے ہوا سے پیدا

عبرت

نہیں خاطر میں لاتا عشق سرکش ۔۔۔ کہ ہیں کیا خاک و باد و آب و آتش

اور یہ بھی اسی صنعت کے قبیل سے ہے کہ کلام میں دو چیزیں ایسی جمع ہوں جن کے معنی میں آپس میں تو تضاد نہ ہو لیکن دونوں میں سے ایک دوسرے کے ہم تعلق چیز کے متضاد ہو خواہ یہ تعلق سببیت کا ہو یا لزوم کا یا اور کسی قسم کا۔

غالب

مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجیئے ۔۔۔ یا بیاں کیجیئے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

مہربانی آزار کے مقابلہ میں نہیں ہے بلکہ مہربانی کے مقابلہ میں نامہربانی اور عداوت ہے لیکن آزار کو نامہربانی سے علاقہ سببیت ہے یعنی آزار سبب ہے اور نامہربانی مسبب لہذا مہربانی اور آزار میں بوجہ علاقہ سببیت کے جو آزار کو نامہربانی سے ہے تضاد ہو گیا۔

درد

اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی ۔۔۔ ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

مرنے کا متضاد جینا ہے اور مسیحائی اور جینے میں ایک قسم کا تعلق ہے یعنے جلانا حضرت عیسٰی کا معجزہ تھا لہذا مرنے اور مسیحائی میں بوجہ ایک تعلق خاص کے جو کہ جینے کو مسیحائی کے ساتھ ہے تضاد ہو گیا۔

ڈاکٹر اقبال

خزاں میں مجکو رولاتی ہے فصل بہار　　خوشی ہو عید کی کیونکر کہ سوگوار ہوں میں

رولانے کے مقابل ہنسانا ہے اور اُسکو خوشی کے ساتھ علاقہ لازمی ہے کیونکہ بغیر خوشی کے کوئی ہنس نہیں سکتا لہذا رولانے اور خوشی میں بوجہ تعلق لازمی کے جو کہ ہنسی کو خوشی کے ساتھ ہے تضاد ہوگیا۔

(ب) طباق سلبی۔ وہ ہے کہ دو لفظ ایک مصدر سے مشتق ہوں ایک مثبت ہو دوسرا منفی یا ایک امر ہو دوسرا نہی اور وہ دونوں ایک کلام میں جمع ہو جائیں۔ چونکہ ایک مصدر کے فعلوں میں تضاد بغیر نفی اور سلب کے ممکن نہیں لہذا اسکو طباق سلبی کہتے ہیں اور پہلی قسم یعنے طباق ایجابی میں نفی اور سلب کو کچھ دخل نہیں ہے۔

مومن

بات اپنی وہاں نہ جمنے دی　　اپنے نقشے جمائے لوگوں نے

غالب

پلادے اوگ[1] سے ساقی جو ہمسے نفرت ہے　　پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

پہلا شعر مثبت و منفی کی مثال ہے اور دوسرا شعر امر و نہی کی۔

صنعت تدبیج کی تعریف اور مثالیں

۲ صنعت تدبیج لغت میں تدبیج کے معنی آراستہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح بدیع میں یہ معنی

---

[1] اوگ بمعنی چلّو۔

ہیں کہ کوئی مطلب رنگوں میں بطریق کنایہ یا بطور ایہام کے بیان کریں۔ رنگوں کی کثرت شرط نہیں ہے بلکہ ایک سے زیادہ رنگ ہونا چاہیئے۔

امیر

مثل گل احباب تیرے اس چمن میں سُرخ رو
روئے دشمن زرد یارب صورت بادِ خزاں

سرخ و زرد میں تقابل ہے اور مقصود بطور کنائے کے حاصل ہوتا ہے کیونکہ سرخ رو کنایہ عزت و حرمت حاصل کرنے سے ہے اور زرد رو ہونا کنایہ مغموم و پژمردہ ہونے سے ہے۔

صہبائی

دیکھنا منہ لال ہو جائیں گے کس کس کے ابھی
سامنے میرے جو برگِ سبز پان تو نے دیا

لال و سبز میں تضاد ہے اور مقصود بطور ایہام کے حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ منہ لال ہونے کے دو معنی ہیں ایک قریب یعنی منہ کا سرخ ہونا بہ سبب پان کھانے کے دوسرے بعید یعنی منہ کا لال ہونا طمانچوں سے اور شاعر نے یہی بعید معنی مراد لئے ہیں اور اسی کو ایہام کہتے ہیں کہ سامع کا خیال فوراً معنی قریب کی طرف جائے لیکن قائل نے معنی بعید مراد لئے ہوں۔

۳۔ صنعت ایہام تضاد۔

صنعت ایہام تضاد کی تعریف اور مثالیں

یعنی کلام میں دو معنی ایسے جمع کئے جاویں جس میں باہم تضاد و تقابل نہ ہو لیکن جن الفاظ کے ساتھ اُن کو تعبیر کریں اُسکے حقیقی معنوں میں تضاد ہو اور یہ عام ہے اس سے کہ ایک کے معنی مجازی دوسرے کے معنی حقیقی کے ساتھ جمع ہوں اور اُس مجازی معنی کو حقیقی معنی کے ساتھ تضاد ہو یا دونوں کے مجازی معنی کو جمع کریں اور اُن دونوں کے حقیقی معنی میں تضاد ہو۔ **میر**

چار دیواری سو جگہ سے خم　　تر ذرا ہو تو سو کھتے ہیں ہم

حسرت

کھے ہے گل سے شبنم باغ میں دونوں تھے ہم لیکن
تری قسمت میں ہنسنا تھا مری قسمت میں رونا تھا

پہلے شعر میں چار دیواری کے تر ہونے اور آدمی کے خوف کھانے میں کوئی تضاد نہیں ہے لیکن چونکہ خوف کھانے کو سوکھنے کے لفظ سے تعبیر کیا ہے لہذا تر ہونے کے ساتھ تضاد ہو گیا اسی طرح دوسرے شعر میں پھول کے کھلنے اور شبنم کے گرنے میں کوئی تضاد نہیں ہے لیکن چونکہ پھول کے کھلنے کو ہنسنے سے اور شبنم کے گرنے کو رونے سے تعبیر کیا ہے لہذا دونوں میں تضاد ہو گیا۔ پہلے شعر میں چار دیواری کا تر ہونا حقیقی ہے اور آدمی کا سوکھنا مجازی یعنی حقیقی معنی کو مجازی معنی کے ساتھ

جمع کرکے تضاد حاصل کیا گیا ہے اور دوسرے شعر میں پھول کا ہنسنا اور شبنم کا رونا دونوں مجازی ہیں یعنی دونوں مجازی معنی کو جمع کرکے اُنکے حقیقی معنی سے تضاد حاصل کیا گیا ہے۔

صنعت مقابلہ کی تعریف اور مثالیں

۴۔ **صنعت مقابلہ**۔ اُسکو کہتے ہیں کہ دو یا زیادہ معنی جوکہ آپس میں متضاد نہ ہوں ایک جگہ جمع کریں اُسکے بعد اُسکے متضاد معنی کا علی الترتیب ذکر کریں۔

مثال دو معنی کی۔

تسلیم

تجھے اُس دم سے دانائے رازِ صمد　　کہ صبح ازل تھی نہ شام ابد

صبح اور ازل دو غیر مقابل معنی ایک جگہ پر جمع ہوے اُسکے بعد صبح کے مقابلہ میں شام اور ازل کے مقابلہ میں ابد علی الترتیب مذکور ہوے۔ زیادہ معنوں کی مثالیں۔

سودا

بس اب جہاں میں کوئی ہو جو تجھسے کا بدخواہ
ہو زہر مرگ حلال اُسپہ شہد زیست حرام

غالب

ہے ازل سے روائیِ آغاز　　ہو ابد تک رسائیِ انجام

دبیر

واں شیر فلک جھکتا ہے تسلیم کی خاطر　　یاں گاو زمیں اُٹھتی ہے تعظیم کی خاطر

صنعت ایہام کی تعریف **۵۔ صنعت ایہام** ۔ اسکو توریہ بھی کہتے ہیں۔ ایہام کے معنی لغت میں وہم میں ڈالنے کے اور توریہ کے معنی چھپانے کے ہیں لیکن اصطلاح میں اُسکو کہتے ہیں کہ ایک لفظ کلام میں ایسا واقع ہو جسکے دو معنی ہوں ایک قریب کے ایک بعید کے سامع کا گمان (بہ سبب مناسبت مقام کے) معنی قریب کی طرف جاوے لیکن شاعر نے اُس سے (بہ اعتبار کسی قرینہ خفی کے کہ جو بعد تامل سمجھہ میں آئے) معنی بعید مراد لئے ہوں۔ اگر معنی قریب کے (جو مراد نہیں ہوتے) کچھہ مناسبات کلام میں مذکور نہ ہوں تو اُسکو **ایہام مجرد** کہتے ہیں اور اگر مذکور ہوں تو اُسکو **ایہام مرشحہ** کہتے ہیں۔

ایہام مجرد کی مثال

واسطی

تشبیہہ تیرے چہرۂ روشن سے خاک دیں ہم دیکھتے ہیں شمع کا سارا بدن سفید

بدن سفید ہونے کے دو معنی ہیں ایک قریب اور وہ بدن کا گورا چٹا ہونا ہے دوسرے بعید اور وہ بدن کا مبروص ہونا ہے اور شاعر نے یہی بعید معنی مراد لئے ہیں اور اسمیں مناسبات معنی قریب کے کچھہ مذکور نہیں ہیں۔

درد

بستے ہیں تیرے سایہ میں سب شیخ و برہمن آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا

ظفر

نشہ ہو جس کو محبت کا سبزہ رنگوں کی
عجب نہیں جو وہ مشہور سب میں بھنگی ہو

وزیر

ہجر میں گھل گھل کے آدھا ہو گیا
لے مسیحا اب میں موسا ہو گیا

ایہام مرشحہ کی مثال

میر

کعبہ میں جاں بلب تھے ہم دوری بتاں سے
آئے ہیں پھر کے یارو ابکی خدا کے یاں سے

خدا کے یاں سے پھر کر آنے کے دو معنی ہیں ایک قریب اور وہ بیت اللہ سے واپس آنا ہے دوسرے بعید اور وہ جاں بلب ہو کر جی جانا ہے اور یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں اور پہلے معنی کے مناسب لفظ کعبہ مذکور ہے۔ **درد**

ہر جزو کو کل کے ساتھ بمعنی ہے اتصال
دریا سے در جدا ہے یہ ہے غرق آب میں

بقا

سیلاب اشک اپنا گر سر بہ اوج مارے
طوفان نوح بیٹھا گوشہ میں موج مارے

صنعت مراعات النظر ۶ ـ **صنعت مراعات النظیر** ـ اسکو تناسب کی تعریف اور مثالیں۔ توفیق ـ ایتلاف ـ اور تلفیق بھی کہتے ہیں یعنی کلام میں ایسے الفاظ استعمال کرنا جن کے معنی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سوائے نسبت تضاد کے کچھ مناسبت رکھتے ہوں ـ جیسے

چمن کے ذکر کے ساتھ گل و بلبل باغبان سرو قمری وغیرہ کا ذکر کرنا۔

میرانیس

دنیا دریا ہے اور ہوس طوفاں ہے ۔۔۔ مانند حباب ہستی انساں ہے
لنگر ہے جو دل تو ہر نفس باد مراد ۔۔۔ سینہ کشتی ہے ناخدا ایماں ہے

صنعت ایہام تناسب کی تعریف و مثال و فرق درمیان ایہام و ایہام تناسب۔

۷۔ صنعت ایہام تناسب۔ یہ صنعت مراعات النظیر کی ایک قسم ہے اسکو مراعات النظیر سے وہی نسبت ہے جو صنعت ایہام تضاد کو طباق سے ہے۔ یہ صنعت اس طرح پر ہے کہ دو لفظ ایسے بیان کریں جن میں ایک لفظ کے معنی دوسرے لفظ کے معنی سے اُس کلام میں تو کچھہ مناسبت نہ رکھتے ہوں لیکن اُن میں سے ایک لفظ کے اور معنی ایسے بھی ہوں کہ دوسرے لفظ کے معنی سے مناسبت رکھتے ہوں اور شاعر نے کلام میں اُس معنی کو ترک کر دیا ہو اور یہی فرق ایہام اور ایہام تناسب میں ہے کہ ایہام میں دونوں معنی کا ارادہ کرنا جایز ہو سکتا ہے کیونکہ اُسمیں جو معنی بعید لئے جاتے ہیں اُسکا قرینہ خفی ہوتا ہے جو کہ بعد تامل کے سمجھہ میں آتا ہے اور ایہام تناسب میں دوسرے معنی بالکل ترک کر دئے جاتے ہیں اور معنی مقصود بہت واضح ہوتے ہیں۔

نسیم

کہ یاد کسیں چہرہ فن کو ۔۔۔ اکو دے نہ کنوئیں میں باولی ہو

باولی کے معنی یہاں پر دیوالی کے ہیں اور اس معنی کے اعتبار سے اُسکو کنوئیں کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے لیکن باولی کے دوسرے معنی یعنی قسم چاہ سے کنوئیں کو مناسبت ہے اور وہ معنی شاعر نے بالکل ترک کر دئیے ہیں اور پہلے معنی یعنی دیوالی کے شعر میں بہت واضح ہیں۔

شوق

میکش کو ہوس ایاغ کی ہے — پروانے کو لو چراغ کی ہے

انیس

مجلس کو اشک نظم سے رشک چمن کروں — مداحی حسین بوجہ حسن کروں

صنعت تشابہ الاطراف و صنعت مراعات النظیر کا فرق اور اُسکی مثالیں

۸ **صنعت تشابہ الاطراف**۔ یعنی کلام کی دونوں طرفیں (ابتدا و انتہا) آپس میں مناسبت رکھتی ہوں یہ صنعت بھی مراعات النظیر کے قبیل سے ہے صرف فرق یہ ہے کہ مراعات النظیر میں الفاظ متناسب کو مطلقاً جمع کر دیتے ہیں خواہ وہ سب ساتھ ساتھ ہوں یا ابتدا یا درمیان یا آخر میں ہوں بخلاف تشابہ الاطراف کے کہ اس میں یہ ضرور ہے کہ دو متناسب میں سے ایک ابتدا میں ہو اور دوسرا انتہا میں۔

ذوق

تجھسے دیکھا سب کو اور تجھکو نہ دیکھا جو نگاہ — تو رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

وہ ورگذ کریگا شفاعت کریں گے یہ اللہ سے ہے کام پیغمبر سے ہے غرض

سا صنعت حسن تعلیل کے اقسام اور اسکی مثالیں

۹ صنعت حسن التعلیل - یہ ایک لطیف صنعت ہے کیونکہ دار مدار اسکا تخئیل پر ہے جو شاعری کی جان ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی وصف کے لئے ایک چیز کو کسی چیز کی علت فرض کرتے ہیں جو کہ درحقیقت اسکی علت نہیں ہوتی اسکی حسب ذیل صورتیں ہیں۔

اول یہ کہ وہ وصف معلول میں فی لنفسہ ثابت ہوا اس وقت اس وصف کے واسطے فقط علت کا ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے لیکن اسکی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ سوا اس علت کے معلول میں اس وصف کے لئے کوئی اور علت بھی ظاہر ہو دوسرے یہ کہ کوئی اور علت ظاہر نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ وصف معلول میں فی لنفسہ ثابت نہوا اسوقت علت کے بیان سے اس وصف کا ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے یعنی پہلے ایک دعوی کرتے ہیں اسکے بعد اسکی دلیل لاتے ہیں یہہ بھی دو طرح پر ہے ایک یہہ کہ اس وصف کا موجود ہونا معلول میں محال ہو دوسرے یہہ کہ ممکن ہو لہذا اب اس صنعت کی چار قسمیں ہوگئیں۔

(الف) وہ وصف معلول میں ثابت ہوا اور علت مفروضہ کے سوا اور کوئی علت بھی ظاہر ہو۔ اسکی مثال۔

انیس

پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

ساحل سے موجوں کا ٹکرانا ثابت ہے اور اسکی علت بھی ظاہر ہے کہ ہوا کے لگنے سے موجیں پانی میں پیدا ہو کر کنارے سے ٹکراتی ہیں لیکن شاعر اسکی علت یہ بیان کرتا ہے کہ ہمراہیان امام حسینؑ کی تشنگی سے بیتاب ہو کر موجیں اپنا سر ساحل سے پٹک رہی تھیں۔

ناسخ

کیوں نہیں ہوتا تجھے غم عاشق جاں باز کا دیکھ روتی ہے بروے لاشہ پروانہ شمع

پگھلی ہوئی چربی کے ٹپکنے کا استعارہ رونے کے ساتھ کیا ہے اور یہ صفت شمع میں ثابت ہے اور علت اسکی یہہ ٹھرائی ہے کہ پروانے کے غم میں شمع روتی ہے۔

بیدل

رہتا ہے سیہ پوش سدا خانۂ کعبہ اس غم میں کہ تھا پہلے جلوخانہ کسی کا

ہادی

کچھ آج شکستہ ہے بہت رنگ رخ گل صیاد نے کس بلبلِ شیدا کو ستایا

ناسخ

وہ سہی قد شانہ بنواتا ہے اُسکی چوب کا اسلئے رکھتی ہے الفت فاختہ شمشاد سے

انیس

ڈر سے ہوا فرات کی موجوں کو اضطراب
اور آب میں سروں کو چھپانے لگے حباب
دریا نہ تھمتا خوف سے اُس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

(ب) وہ وصف ثابت ہوا اور جو علت شاعر نے ٹھرائی ہے اسکے سوا کوئی دوسری علت بظاہر معلوم ہو۔

مومن

خمیدہ کس لیے نو آسماں ہیں تجھے بھلا
نہ تھا ازل سے جو مد نظر ترا پابوس

آسمانوں کا خمیدہ ہونا ثابت ہے اور علت اُن کے خمیدہ ہونے کی بظاہر معلوم نہیں شاعر نے اسکی یہ علت بیان کی کہ ممدوح کی پابوسی کے لیئے خمیدہ بنے ہیں۔

سودا

گل زمیں سے جو نکلتے ہیں برنگ شعلہ
کون جاں سوختہ جاتا ہے تہ خاک ہنوز

احسن اللہ بیان

نکلا ہے لالہ خاک کے نیچے سے سُرخ سُرخ
رنگیں ہوا شہیدوں کے خوں میں نہا نہا

رسا

خمیدہ فلک دیدۂ مہر و مہ سے
جہاں میں تمہاری کمر ڈھونڈھتا ہے

(ج) وہ وصف ثابت نہ ہو لیکن موجود ہونا اسکا ممکن ہو۔

ناسخ

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا   آفتاب اتنا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا

رفعت کی حرص سے مرتبے کا کم ہونا صفت غیر ثابت ہے کیونکہ رفعت کی حرص سے مرتبہ کی افزونی ہونا چاہیئے لیکن یہ امر ممکن ہے محال نہیں ہے چونکہ یہہ امر غیر ثابت تھا لہذا مصرع ثانی میں اس کی علت بیان کر کے ثابت کیا کہ آفتاب اتنا بلند ہوا کہ مثل تارے کے ہو گیا جب کوئی چیز اپنی حد سے زیادہ اونچی ہو جائیگی تو ضرور ہے کہ وہ چھوٹی نظر آئے لہذا حرص رفعت سے مرتبہ کم ہونا ثابت ہو گیا۔

برق

سر پہ اعلیٰ کے بلا آئی تو ادنیٰ بڑھ گیا   دھوپ جب بڑھنے لگی قامت سے سایہ گھٹ گیا

سودا

جفائے دہر کرے سنگدل کو نازک دل   بنے ہے شیشہ جہاں میں گداز ہو خارا

مومن

اُس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا ذلیل   میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

(د) وہ وصف ثابت نہ ہو اور موجود ہونا اُسکا محال ہو۔

سودا

ہمارے کفر کے پہلو سے دیں کی راہ یاد آئے   صنم رکھتے ہیں جسکو دیکھ کر اللہ یاد آئے

کفر سے دین حاصل ہو جائے یہہ صفت غیر ثابت اور محال ہے

کیونکہ کفر اور دین میں تضاد ہے لیکن دوسرے مصرعہ میں علت بیان کر کے اللہ یاد آئے سے ثابت کر دیا کیونکہ اللہ کا یاد آنا دین ہے۔

امیر

وقت رفتار ہے زر ریزِ عجب فیض قدم
نقشِ پا راہ میں بنجاتے ہیں دینار و درم

سودا

مے پرستی ہے مری باعث آمرزش خلق
توبہ صد قوم نے کی ہے مری میخواری سے

میر

تجکو زاہد نہیں شراب حرام
تیسرے دن میسر آئی ہے

حسن تعلیل سے ملحق یہہ امر بھی ہے کہ کلام میں علت بطور شک کے مذکور ہو چونکہ اس میں علت مشکوک ہوتی ہے اور حسن تعلیل میں علت کو علت حقیقی ٹھہرانے میں اصرار ہوتا ہے لہذا یہہ قسم آخر حسن تعلیل کے ملحقات میں داخل سمجھی گئی ہے۔

انشا

کیا کسی باغ میں ہے آج پڑی سوتی صبح
کیوں مرے سامنے کم بخت نہیں ہوتی صبح

آتش

زیر زمیں سے آتا ہے جو گل وہ زر بکف
قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

تحیر

فکر اطفال کو ہے سنگ اٹھا لانے کی
آمد آمد ہوئی شاید ترے دیوانے کی

صنعت عکس کی تعریف اور اُسکی مثالیں

صنعت عکس۔ یہہ اس طرح پر ہے کہ کلام کے بعض اجزا کو مقدم و موخر کرکے دوسرا فقرہ یا مصرع وغیرہ بنا لیتے ہیں اور اس سے علیحدہ معنی پیدا کرتے ہیں یہ صنعت کبھی دو لفظوں میں ادا ہو جاتی ہے اور کبھی دو فقروں میں اور کبھی ایک مصرع یا ایک بیت میں۔

غالب

وفورِ اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ — کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار

انیس

استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان — پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان

امیر

گلا کٹوا مزے لے لیکے اے دل پھر کہاں یہ دن — کبھی گردن ہو خنجر پر کبھی خنجر ہو گردن پر

اُن کو آتا ہے پیار پر غصہ — مجکو غصّہ پہ پیار آتا ہے

ذوق

بے شکایت نہیں اے ذوق محبت کی مزے — بے محبت نہیں اے ذوق شکایت کی مزے

میر حسن

یہ گھر گو کہ میرا ہے تیرا نہیں — پھر اب گھر یہ تیرا ہے میرا نہیں

لا اعلم

کل جو اوٹھے تھے بیٹھانے کے لئے[۱] — آج بیٹھے ہیں اُٹھانے کے لئے

---

[۱] یہ شعر صنعت مقابلہ کے مثال میں بھی آسکتا ہے۔

صنعت مبالغہ کے اقسام

صنعت مبالغہ - یعنی کسی امر کو شدت و ضعف میں اس حد تک پہونچا دینا کہ اُس حد تک اُسکا پہونچنا بعید یا محال ہو تاکہ سننے والے کو یہہ گمان نہ رہے کہ اس وصف کا اب کوئی مرتبہ اور بھی باقی رہا اسکی تین قسمیں ہیں۔

تبلیغ کی تعریف اور اُسکی مثال

(الف) **تبلیغ** - یعنی مبالغہ کا اس حد تک پہونچا دینا کہ عقل و عادت دونوں کے نزدیک ممکن ہو۔

شہیدی

وعدۂ وصل پہ کی ہمنے عبث جاگ کے صبح
وہ اُسی وقت نہ آئے اگر آنا ہوتا

یہہ بات عقل و عادت دونوں کی روسے ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی کے انتظار میں رات بھر جاگے۔

سودا

پہونچے ہم آرزوے وصل میں نزدیک مرگ
سوجھے ہے شکل ملاقات بہت دور ہمیں

اغراق کی تعریف اور اُسکی مثال

(ب) **اغراق** - یعنی مبالغہ قریب العقل و بعید العادت ہو

مومن

گرگ نے دور عدل میں اُسکے سیکھ لی راہ و رسم چوپانی

ممکن ہے کہ بھیڑیا گوسفند وغیرہ کو نہ مارے اور محافظت کرے مگر عادتاً یہہ بات بعید ہے۔

انیس

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پہ

غلو کی تعریف اور اُسکی مثالیں	(ج) **غلو** یعنی مبالغہ عقل و عادت دونوں کے نزدیک ممتنع اور محال ہو۔

اسیر

برق پہونچے نہ کہیں دوڑ میں ہمراہ رکاب گرد کی طرح رہے سایہ کے پیچھے صرصر

بجلی اور ہوا کا گھوڑے کے پیچھے رہجانا عادت و عقل دونوں کے نزدیک محال ہے۔

دبیر

سب رورہے تھے زور کو واں سن بھی گھٹ گیا

مانند ناف خوف سے سینہ سمٹ گیا

اسیر

چمکے جو تیغ قہر کسی روز جنگ میں ٹھہرے نہ سایہ خوف کے مارے بدن کے پاس

غلو کے مقبول ہونے کے شرائط	اردو شعرا کے کلام میں غلو بہ نسبت تبلیغ و اغراق کے زیادہ ہے لیکن علم بدیع میں تبلیغ و اغراق

مبالغہ مقبول ہیں اور غلو محسنات بدیعی میں نہیں ہے اِلّا اُس وقت جبکہ مقبول ہو جاوے اور اسکی کئی صورتیں ہیں ۔

الف ۔ کوئی ایسا لفظ ذکر کریں جن سے وہ مقرون بہ صحت ہو جائے ۔ مثلاً

سودا

اس گلشنِ ہستی میں عجب سیر ہے لیکن
جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

مقصود یہاں یہ ہے کہ بہار اس گلشنِ دنیا کی آنکھ کھولنے کے عرصہ میں جاتی رہتی ہے اور یہہ بات عقل و عادت دونوں کے خلاف ہے کہ ایک ساری فصل کا زمانہ عرصہ قلیل میں بسر ہو لیکن جب آنکھ کھلنا گل کی طرف منسوب کیا تو یہ امر صحت سے مقرون ہو گیا کیونکہ گل بعد کھلنے کے ٹوٹ کر گر پڑتا ہے اور یہ امر اُسکے واسطے خزاں ہے ۔

ب ۔ بطور حُسن تعلیل کے کوئی ایسی دلیل یا مثال لائیں کہ جس سے وہ مقرون بہ صحت ہو جائے ۔ مثلاً

سودا

عشق کی بھی منزلت کچھ کم خدائی سے نہیں
ایک سا احوال ہے یاں بھی گدا و شاہ کا

عشق کی منزلت اور مرتبے میں مبالغہ غلو کی حد تک پہونچ گیا

اور یہ امر قرین صحت کے نہ تھا لیکن جب یہہ دلیل پیش کی کہ یہاں بھی گدا اور شاہ کا ایک سا احوال ہے تو وہ صحت کے قریب ہو گیا کیونکہ خداوند عالم کے نزدیک بھی گدا و شاہ برابر ہیں۔

(ج)۔ خیالات نازک و لطیف اُس سے ظاہر ہوں جس سے مقبول و پسند طبائع ہو جائے۔ مثلاً

مومن

دست یاقوت فشاں دہوئے لب جو وہ اگر
کوہ سیلاں پہ ہنسے خاک فضا سے گلزار

یعنی ممدوح اپنے ہاتھوں کو جن سے جواہر جھڑتے ہیں اگر لب جو دہوے اور پانی ہاتھوں کا ندی میں گرے اور اُس پانی سے گلزار کی آبیاری ہو تو خاک گلزار میں اسقدر یاقوت وغیرہ پیدا ہوں یا یہہ کہ وہ خاک بالکل جواہر ہو جائے کہ کوہ سیلاں جو معدن لعل و یاقوت ہے اُن پر وہ خاک ہنسے کہ تجھ میں اتنے جواہر کہاں۔ یہہ بات عقلاً و عادتاً محال ہے لیکن چونکہ خیالات نازک و لطیف ہیں اس لئے طبیعت کو پسند ہے۔

امیر

کھیت کشتوں کا نہ تیار رہی ہونے پائے
ہو چکے تیغ و قضا میں برضا بیع و سلم

دبیر

کانٹا پلک میں آنکھ کو پتلی میں نور کو　　پاؤں میں کجروی کو سروں میں غرور کو
سینے میں بغض و کینہ کو دل میں فتور کو　　نیت میں معصیت کو طبیعت میں زور کو

ذات اک طرف مٹا دیا بالکل صفات کو
کیسی زباں زباں میں یہ کاٹ آئی بات کو

(د) مبالغہ بطور ہزل کے ہو کہ بالطبع مرغوب ہوتا ہے۔ سودا گھوڑے کی ہجو میں اسکے ضعف میں مبالغہ کرتا ہے۔

گر یاند ھکر سے منزلے سے پھیکدیں آسے　　ٹھیکے بغیر تین نہ آنے گا نیہار

صنعت لف و نشر کے اقسام

۱۲۔ لف و نشر۔ لف کے معنی لغت میں لپیٹنے کے ہیں اور نشر کے معنی پراگندہ کرنے کے ہیں لیکن اصطلاح میں یہ ہے کہ پہلے چند چیزوں کا ذکر کرتے ہیں اسکو لف کہتے ہیں اسکے بعد ہر ایک کے مناسبات و متعلقات بیان کرتے ہیں اسکو نشر کرتے ہیں۔ اس صنعت کی تین قسمیں ہیں۔

لف و نشر مرتب کی تعریف اور اسکی مثالیں

الف۔ لف و نشر مرتب۔ اس میں تفصیل ترتیب کے ساتھ ہوتی ہے یعنی جس ترتیب سے لف ہوتے ہیں اسی ترتیب سے نشر بھی ہوتے ہیں۔

میر

شرکت شیخ[1] و برہمن[2] سے میر　　کعبہ[1] و دیر[2] سے بھی جائے گا

شیخ و برہمن لف ہیں اُسکے بعد شیخ کے مناسب کعبہ اور برہمن کے مناسب دیر اُسی ترتیب سے نشر ہیں۔

غالب

آتش و آب و خاک و باد سے لی ۔ وضع سوز و نم و رم و آرام

دبیر

اِس رخش سے برق و مہر و شعلہ و سیماب ۔ لرزندہ و شرمندہ و درماندہ و بیتاب
خورشید و سحاب فلک و انجم و مہتاب ۔ سوزان و خروشان و سراسیمہ بے خواب
بازار گل و موج و صبا مہر و ہے اس سے
وہ داغ ہے وہ آب ہے وہ گرد ہے اس سے

اسکی ایک قسم یہہ بھی ہے کہ چند لف کا ذکر کرتے ہیں اُسکے بعد اُسکے نشر لاتے ہیں پھر اُنھیں نشروں کو لف قرار دیکر اُسکے نشر بھی اُسی ترتیب سے بیان کرتے ہیں۔

امانت

چشم و گوش یار سے دنیا میں تا دعویٰ نہو ۔ نرگس و گل کو خدا نے کور کر پیدا کیا

ناسخ

عیاں ہے مہر و مہ کا فرق تجھ میں اور یوسف میں ۔ بھلا سونے کے آگے خاک ہو تو قیر چاندی کی

ظفر

نماز صبح و مغرب ہے یہ عاشق کی کہ اُٹھ اُٹھ کر ۔ بلائیں اُس رخ و گیسو کی صبح و شام لیتے ہیں

لف ونشر غیر مرتب کی تعریف اور اُسکی مثالیں

ب - لف ونشر غیر مرتب - اس میں نشر یعنے مناسبات ہر ایک چیز کے بلا ترتیب لف کے درہم وبرہم مذکور ہوتے ہیں -

نظیر

رخ وجبین ومژہ اور چشم وابرو کو | سنان وبدر ومہ ونرگس وہلال لکھا
تن ودل ولب ودنداں کو روی فکرت سے | عقیق وسیم ودر وسنگ کی مثال لکھا
ذقن کو چاہ زنخداں کو گوش وگردن کو | صراحی سیب وگل وچشمہ زلال لکھا

لف ونشر معکوس الترتیب کی تعریف اور اُسکی مثال

(ج) لف ونشر معکوس الترتیب - اس میں نشر کی ترتیب اُلٹی ہوتی ہے -

مرزا

کبھی جو زلف اُٹھاوے تو مُنہ نظر آئے | اسی امید پہ گذرے ہی صبح وشام ہمیں

صنعت جمع کی تعریف اور مثالیں

۱۳ - صنعت جمع - یعنی کئی چیزوں کو حکم واحد میں جمع کردینا -

غالب

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل | جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

تینوں چیزوں کو پریشانی کے ساتھ نکلنے کے حکم میں جمع کردیا ہے -

مظفر خاں گرم شاگرد ذوق

واعظ کا روزہ اور مرا ہجر ایک ہے | ہم دونوں پوچھتے ہیں کہ دن کسقدر رہا

انیس

چرخ و نجوم و شمس و قمر شہر و دشت و در　　سنگ و معادن و صدف و قطرہ و گہر
اشجار و شاخ و برگ و گل و غنچہ و ثمر　　رکن و مقام و باب و منا زمزم و حجر
جن و ملک ہیں انس ہیں غلماں ہیں حور ہیں
کہدیں یہ سب کہ ابن علی بے قصور ہیں

صنعت تفریق کی تعریف اور مثالیں	۱۴۔ صنعت تفریق۔ یعنی ایک نوع کی دو چیزوں میں فرق ظاہر کر دیں۔

دبیر

آئینہ کہا رخ کو تو کچھ بھی نہ ثنا کی　　صنعت یہ سکندر کی وہ صنعت ہے خدا کی

ذکی

عشق میں نسبت نہیں بلبل کو پروانے کی ساتھ　　وصل میں وہ جان دے یہ ہجر میں جلتی رہے

سودا

اے ابر قسم ہے تجھے رونے کی ہمارے　　ٹپکا ترے آنکھوں سے کبھی لخت جگر بھی

صنعت تقسیم کی تعریف اور مثالیں اور اُنکے اقسام	۱۵۔ صنعت تقسیم۔ چند چیزوں کا اسطرح پر ذکر کرنا کہ ہر ایک چیز کو اُسکے منسوبات پر بقید

تعئین تقسیم کر دیں اس صنعت اور لف و نشر میں یہی فرق ہے کہ لف و نشر میں تعئین متکلم کی طرف سے نہیں ہوتی بلکہ سامع خود ہر چیز کے مناسبات کو اُس سے متعلق کر لیتا ہے اور صنعت تقسیم میں متکلم خود

مناسبات بتا دیتا ہے جیسے کسی شخص کا یہ قطعہ

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا
غم ہمکو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

شوریدہ

سینے کے داغ سوزاں آنکھوں کے اشک خونیں
اس نخل عاشقی کے وہ گل ہیں یہہ ثمر ہیں

صنعت لف و نشر میں دبیر کی یہہ بیت مثال میں ہے۔

بازار گل و موج و صبا سرد ہے اس سے
وہ داغ ہے وہ آب ہے وہ گرد ہے اس سے

اس سے اور شوریدہ کے شعر کا مقابلہ کرو دبیر کی بیت میں وہ وہ کی جو تکرار ہے وہ اسم اشارہ متساوی ہیں اس سبب سے تعئین نہیں ہوئی لہذا وہ صنعت لف و نشر کی مثال ہے لیکن شوریدہ کے شعر میں یہہ اور وہ اسم اشارہ متساوی نہیں ہیں بلکہ وہ اشارہ بعید کے لئے ہے اور یہہ اشارہ قریب کے لئے ہیں وہ کا مشارٌ الیہ سینے کے داغ سوزاں ہیں جو ذکر میں بعید ہیں اور یہہ کا مشارٌ الیہ آنکھوں کے اشک خونیں ہیں جو ذکر میں قریب ہیں لہذا اس میں تعئین ہو گئی اور صنعت تقسیم کی مثال میں یہہ شعر آگیا۔

ذوق

تیرا ہاتھی ہے فلک کا کہکشاں ہے خرطوم
کاں دو نوں مہ و خور دم ہے ذنب سر ہے راس
ذنب و راس وہ جس سے ہوں سیہ بخت عدو
ماہ و خور وہ کہ ہوا خواہ ہوں روشن انفاس

اول مہ و خور اور ذنب و راس کا ذکر کیا پھر ذنب و راس کی طرف اعدا کا سیہ بخت ہونا بطور تعئیں کے منسوب کیا اور ماہ و خور کی طرف خیر خواہوں کا روشن انفاس ہونا بطور تعئین کے منسوب کیا۔

یہہ بھی صنعت تقسیم کے قبیل سے ہے کہ ایک ایسی شے کو جو اجزا رکھتی ہو ذکر کرکے اُسکے ہر ایک جزو کو منسوبات پر تقسیم کردیں۔

اکبر

چلا آتا ہے تنہا کیا سجیلا میرا قاتل ہے
دہن یاں خوردہ آنکھیں مرگیں رخسار پر تل ہے

صنعت تقسیم کی دو قسمیں اور بھی ہیں۔

ایک۔ یہہ کہ کسی شے کا احوال بیان کریں اور ہر حال کی طرف ایک ایسی چیز کو جو اُس حال سے مناسب ہو مضاف کریں۔

داغ

بھوئیں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تنکے بیٹھے ہیں
کسی سے آج بگڑے ہیں جو یوں بن ٹھن کے بیٹھے ہیں

مہر

غضب کا سامنا ہے آج ہمکو وہ نکھرتے ہیں
دھڑی جمتی ہے مہندی ملتے ہیں گیسو سنورتے ہیں

پہلے شعر میں بگڑنے کی اور دوسرے میں نکھرنے کی حالتیں بیان کی گئی ہیں اور ہر حالت کی طرف اسکے مناسبات کو منسوب کیا ہے۔

دوسرے - یہ کہ ایک شے کا ذکر کرکے اُسکی قسمیں بیان کردیں۔

انشا

شادی کے شادیانے ترے در پہ نت بجیں
قرنا و طبل و بوق و دہل جھانج زیر و بم

احسان

تمہیں چاہا ہے بیشک ہوں اسی تعذیر کے قابل
جگر ہے تیر کے قابل گلا شمشیر کے قابل

داغ

مجھسا ندے زمانے کو پروردگار دل
آشفتہ دل فریفتہ دل بیقرار دل

پہلے شعر میں شادیانے کا ذکر کرکے اسکے اقسام دوسرے شعر میں تعذیر کا ذکر کرکے اسکی قسمیں تیسرے شعر میں دل کا ذکر کرکے اسکی قسمیں بیان کیں ہیں۔

انیس

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر
پہونچوں سے ہاتھ شانوں سے بازو تنوں سے سر

قبضے سے تیغ بر سے زرہ ہاتھ سے سپر
برچھی سے پھل کمان سے زہ زین سے تبر

کٹ کٹ کے گرنے والی چیزوں کے تمام قسموں کو تینوں مصرعوں میں معہ اُسکے مناسبات کے بیان کیا ہے۔

صنعت جمع و تفریق کی تعریف اور اُسکی مثالیں۔

۱۶ – **صنعت جمع و تفریق** - یعنی دو یا زاید چیزوں کو ایک حکم میں جمع کرکے پھر اون میں کچھ فرق ظاہر کردیں۔

آتش

صاف آئینہ سا رخسار ہے اُس دلبر کا ۔ یہ خدا کا ہے بنایا تو وہ اسکندر کا

صنعت تفریق کی مثال میں مرزا دبیر کی یہ بیت ہے۔

آئینہ کیا رخ کو تو کچھ بھی نہ ثنا کی ۔ صنعت یہ سکندر کی وہ صنعت ہے خدا کی

اس سے اور آتش کے مذکورۂ بالا شعر سے مقابلہ کرو۔ دبیر کے بیت کے الفاظ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آئینہ و رخ ایک حکم میں جمع کئے گئے ہیں لہذا وہ صرف صنعت تفریق کی مثال میں لکھا گیا اور آتش کے شعر کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ دونوں کو صفائی کے حکم میں جمع کیا ہے اُسکے بعد فرق بتایا ہے لہذا یہ صنعت جمع و تفریق کے مثال میں لکھا گیا۔

غالب

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت ۔ یہی نقشہ ہے مگر اسقدر آباد نہیں

جلال

دل مرا آنکھ تری دونوں ہیں بیمار مگر ایک کا حال برا ایک کا حال اچھا ہے

ذوق

نگہ کیا اور مژہ کیا ہم تو دونوں کو بلا سمجھے اسے تیر قضا اسکو پر تیر قضا سمجھے

صنعت جمع و تقسیم کی تعریف اور اسکی صورتیں اور مثالیں

۱۷۔ صنعت جمع و تقسیم یعنی کئی چیزوں کو ایک حکم میں جمع کرکے ہر ایک کو اُسکے مناسبات سے منسوب کردیں یا پہلے ہر ایک کو اُس کے مناسبات کے ساتھ منسوب کرکے ایک حکم میں جمع کریں۔

انیس

جنت انعام کرکہ دوزخ میں جلا وہ رحم ترا ہے یہ عدالت تیری

جنت کے انعام کرنے اور دوزخ میں جلانے کو خدا کے اختیار میں ہونے کے حکم میں جمع کیا پھر دوسرے مصرع میں ہر ایک کو ایک چیز کے ساتھ منسوب کردیا ہے۔

گویا

ہے حیات و موت میں بار گراں بالائے سر

یاں زمیں بالائے سر واں آسماں بالائے سر

صفدر

قضا تیغ دونوں اسی کی طرف ہیں یہ قاتل کے آگے وہ بسمل کے پیچھے

صہبائی

تجھے اور تیرے دشمن کو صدا ہے اوج عالم میں
تجھے تختِ خلافت پر اُسے دارِ سیاست پر

ان شعروں کے پہلے مصرع میں صنعت جمع اور دوسرے میں صنعت تقسیم

مومن

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب بُرا کہنے کو ہیں

امیر

جان پر صدمہ جگر میں درد دل کا حال زار
گھر کا گھر بیمار کس کس کے پرستاروں میں ہوں

ان اشعار کے پہلے مصرعہ میں صنعت تقسیم ہے اور دوسرے مصرعہ میں ایک حکم میں اُنہیں چیزوں کو جمع کر دیا ہے کبھی جمع و تقسیم ساتھ ہی ساتھ ہوتی ہیں۔

لاأعلم

کیا کہیں ظالم بسر کرتے ہیں کس مشکل سے ہم
چارہ گر سے درد نالاں درد سے دل دل سے ہم

صنعت جمع وتفریق وتقسیم کی تعریف اور اُسکی مثالیں

۱۸ صنعت جمع و تفریق و تقسیم یعنی کئی چیزوں کو ایک حکم جمع کرتے ہیں پھر اُنہیں

فرق ظاہر کرتے ہیں اُسکے بعد ہر ایک چیز کو اُسکے مناسبات سے منسوب کر دیتے ہیں اور تینوں باتوں کا کلام میں جمع کرنا صعوبت سے خالی نہیں۔

شباب

صورتِ یار و دلِ زار ہیں دونوں تاباں آتشِ عشق سے یہ حسن سے وہ ہے روشن
روشنی اُسکی تو پہونچاتی ہے راحت دل کو اور اس آگ سے جاتا ہے جلا اپنا بدن

شعر اول کے پہلے مصرعہ میں صنعت جمع ہے اور دوسرے مصرعہ میں صنعت تفریق اور دوسرے شعر میں صنعت تقسیم ہے اتنی مشکل صنعت کو میر انیس صاحب نے صرف ایک بیت میں کس قدر بیساختگی سے استعمال کیا ہے۔

نکلا اُدھر سے جو وہ اجل کا شکار تھا پیدل ہوا سوار ہو وہ دو یہ چار تھا

پہلے مصرعہ میں اجل کے شکار ہونے کے حکم میں فوج سے ہر ایک نکلنے والے کو جمع کیا ہے پھر اُن نکلنے والوں میں سے پیدل اور سوار کی بابتہ تفریق کر دی ہے پھر اُن دونوں کو یوں تقسیم کیا ہے کہ پیدل کے دو ٹکڑے ہو جاتے تھے اور سوار کے چار۔

صنعت تجرید کی تعریف اور اُسکی صورتیں اور مثالیں

۱۹ صنعت تجرید[1]۔ یہ صنعت اس طرح ہے کہ ایک شے ذی صفت سے ایک اور شے اُسی طرح کی

---

[1] تجرید کی بااکثر قسمیں ظاہر میں تشبیہہ معلوم ہوتی ہیں لیکن جو معنی مشابہت کے بطریق تجرید مستفاد ہوتے ہیں اُنکو اصطلاح میں تشبیہہ نہیں کہتے جیسا کہ بحث تشبیہہ سے معلوم ہوا ہوگا۔

ذی صفت مبالغہ کی غرض سے حاصل کرتے ہیں تاکہ یہہ معلوم ہو کہ پہلی شے اُس صفت میں اتنی کامل ہے کہ اُس سے ایک اور شے متصف بایں صفت حاصل ہوئی اور یہ اُردو میں کئی طرح سے مستعمل ہوتی ہے۔

الف۔ حرف روابط کے ساتھ یعنے حرف نے علامت فاعل و حرف کو علامت مفعول و حرف میں علامت ظرف و حرف سے (ترجمہ از) سے

بحر

تیرے دنداں سے لئے کئے گوہرِ غلطاں پیدا
لب لعلیں سے ہوے لعل بدخشاں پیدا

اس شعر میں دانتوں کی صفائی اور لب کی رنگینی میں مبالغہ منظور ہے یعنی یہہ دونوں چیزیں اپنے اپنے اوصاف میں اس درجہ کامل ہیں کہ اُن سے گوہر و لعل ایسی چیزیں جو کہ ان اوصاف میں بہترین چیزیں ہیں حاصل ہوئی ہیں۔

دبیر

فردوس میں پہونچے جو نجف میں پہونچے
جنت کو دیکھا جو کربلا کو دیکھا

مراد یہہ ہے کہ نجف اور کربلا خود فردوس و جنت ہیں لیکن اُن سے اِنکو حاصل کیا ہے گویا فردوس و جنت و نجف و کربلا میں

موجود ہیں۔

وزیر

کس کی شمع رخ سے ہے روشن چراغ آفتاب
اندنوں کچھ آسماں پر ہے دماغ آفتاب

آزردہ

نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب میں دریا   وہ دیکھ لے مری چشم پُر آب میں دریا

ب۔ بلا واسطہ حرف روابط کے۔

امیر

یاد جو وقت مدینے کی فضا آتی ہے   سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے

فضائے مدینہ کو خوشگواری میں ایسا کامل قرار دیا ہے کہ اُس سے ہوائے جنت کو حاصل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فضائے مدینہ ایسی خوش گوار ہے کہ جب وہ یاد آتی ہے تو سانس سے ہوائے جنت کی کیفیت معلوم ہونے لگتی ہے۔

ناسخ

وہ شوخ فتنہ انگیز اپنی خاطر میں سما یا ہے
کہ اک گوشہ ہے صحرائے قیامت جسکے داماں کا
دور سے دیکھی جھلک جو عارضِ پر نور کی
بام جاناں پہ نظر آئی تجلی طور کی

پہلے شعر میں معشوق کے دامن سے صحرائے قیامت کو حاصل کیا ہے

اور دوسرے شعر میں معشوق کے عارضِ پر نور سے طور کی تجلی کو حاصل کیا ہے یعنی یہہ دونوں چیزیں اپنی اپنی صفت میں ایسی کامل ہیں کہ اُن سے ایسی ذوی صفت چیزیں حاصل ہوئیں - ان مثالوں میں واسطہ کسی حرف ربط کا نہیں ہے -

(ج) کوئی شے بطریق کنائے کے حاصل کرتے ہیں -

شباب

آئینہ رہتا ہے کیوں ہر وقت اُن کے سامنے
وہ بھی کھو بیٹھے ہیں دل کیا کوئی صورت دیکھکر

آئینہ دیکھکر کسی صورت پر دل کھو بیٹھنا ظاہر ہے کہ اپنے اوپر دل کھو بیٹھنا ہے کیونکہ آئینے میں اپنی صورت نظر آتی ہے پس معشوق سے ایک اور صورت خوب ایسی حاصل کی ہے کہ وہ اُسپر عاشق ہوا ہے -

جراءت

دیکھہ روتے مجھے پوچھے ہی وہ آپی ہنسکر تو نے دل جسکو دیا ہی وہ ستمگار ہے کیا

وحید

ہم چشم تمہارا نہیں دنیا میں کوئی اور باریک کمر تنگ دہن اور بڑی آنکھہ

(د) کوئی اپنے آپ سے باتیں کرے مثلاً پہلے کسی ایسی شئے کا عزم کرے کہ وہ ممکن الحصول ہو اور پھر اُسکو محال

سمجھ کر اپنے آپ کو کہے کہ تیری مجال کیا ہے کہ اسکو حاصل کرے۔ اسی قبیل سے یہہ ہے کہ شعرا مقطع میں اپنا تخلص ذکر کر کے اپنی ذات سے خطاب کرتے ہیں۔

سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ظالم کہیں مر بھی

صنعت سوال وجواب کی مثالیں۔

۲۰۔ صنعت سوال وجواب۔ یعنی کلام میں مکالمہ کرنا۔ یہہ صنعت کبھی ایک مصرع میں آتی ہے کبھی ایک شعر میں اور کبھی دو بیت میں۔ مثال ترتیب وار لکھی جاتی ہے۔

نسیم

پوچھا کہ طلب کہا قناعت
پوچھا کہ سبب کہا کہ قسمت

جلال

اُنسے پوچھا تھا کب ملیں گے آپ
بولے جب جاں بلب ملیں گے آپ

داغ

کہا جو میں نے کہ مجنوں اگرچہ عاشق تھا
پر اسپہ تو کبھی لیلی یہہ ستم نہ ہوے
میرے جلانے کو کہنے لگے شرارت سے
ہزار حیف کہ لیلی کے پاس ہم نہ ہوے

صنعت اطراد کی تعریف اور مثال

صنعت اطراد۔ یعنی جس شخص کی مدح یا مذمت بیان کرنا ہو اُسکے آبا واجداد کے نام بیان کریں۔

دبیر

اب وہی صادق ہے یہی دارد اخبار
فضل ابن شعیب ابن ادیس ایک تھا دیندار

صنعت ارصاد کی تعریف اور مثال

۲۲۔ صنعت ارصاد۔ ارصاد کے لغوی معنی راستہ میں نگہبان مقرر کرنے کے ہیں لیکن اصطلاح میں یہ ہیں کہ نثر کے فقرے اور نظم کی بیت میں کلمہ آخر کے قبل ایسا لفظ لادیں جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ نثر میں پچھلا لفظ یا بیت کا قافیہ یہہ ہوگا بشرطیکہ روی کا حرف پہلے سے معلوم ہو پس ارصاد کی وجہ سے کلمہ آخر کا مادّہ معلوم ہوتا ہے اور روی کی وجہ سے اُسکی صورت معلوم ہوجاتی ہے اور قیاس میں آجاتا ہے کہ یہہ لفظ ہونا چاہیئے اُسکو تسہیم بھی کہتے ہیں۔

رند

نہیں قول سے فعل تیرے مطابق
کہوں کس طرح تجکو اے یار صادق
نہ جنت کے قابل نہ دوزخ کے لایق
مجھے کیوں کیا خلق اے میرے خالق
کہاں سن کے افسانۂ قیس و لیلیٰ
عبث کرتے ہو حال میں ذکر سابق
گیا وہ زمانہ وہ لوگ اُٹھ گئے سب
نہ معشوق ایسے رہے اب نہ عاشق
عبث فوق دیتا ہے تو خود کو ناداں
کیا ایک کو ایک پر اُسنے فایق

اِن اشعار میں شعرا دل کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قاف حرف روی ہے پس دوسرے شعر میں خلق کے لفظ سے خالق اور چوتھے شعر میں معشوق کے لفظ سے عاشق اور پانچویں شعر میں فوق کے لفظ سے فایق خود بخود قافیئے معلوم ہوگئے۔ پس

خلق اور معشوق اور فوق ارصاد ہیں۔

صنعت تاکید المدح بمایشبہ الذم کی مثال

۲۳۔ تاکید المدح بمایشبہ الذم۔ یعنی تعریف کی تاکید ایسے لفظوں کے ساتھ کرنا کہ وہ ہجو سے مشابہت رکھتے ہوں لیکن اصل میں انسے مدح حاصل ہو۔

دبیر

بے مہری افلاک سے کیوں خاک بسر ہوں ہاں عیب بڑا یہ ہے کہ میں اہل ہنر ہوں

صہبائی

تیرا عدل سارے جہاں پہ ہے لیکن رہے ہے ترا ظلم دائم ستم پر

صنعت تاکید الذم بمایشبہ المدح کی مثال

۲۴۔ تاکید الذم بمایشبہ المدح۔ یہ ضد ہے تاکید المدح بمایشبہ الذم کی یعنی ہجو کی تاکید ایسے الفاظ سے کرنا کہ وہ مدح سے مشابہت رکھتے ہوں لیکن اصل میں مذمت ہو۔

سودا

فلک بے بہرہ آب و خور سے کب رکھے غریبوں کو
سدا کھانے کو غم خون جگر پینے کو دیتا ہے

مہر

اسیران قفس پر جب عنایت آپ کرتے ہیں
کسی کو ذبح کرتے ہیں کسے کے پر کترتے ہیں

صنعت توجیہ کی تعریف اور اسکی مثالیں

صنعت توجیہ۔ اس کو

محتمل الضدین بھی کہتے یعنی کلام میں خواہ وہ مشتمل مدح و ذم پر ہو یا اور کسی قسم پر دو مختلف معنی پیدا ہوں جو کہ ایک دوسرے کی ضد ہوں اور انمیں پہلو دونوں کے برابر ہوں کسی معنی کو ترجیح نہ ہو۔

غالب

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے   دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
سر اڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا   ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہمکو

پہلے شعر کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ دشت اسقدر ویران ہے کہ اسکو دیکھکر خوف معلوم ہوتا ہے اور گھر یاد آتا ہے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہم تو اپنے گھر ہی کو سمجھتے تھے کہ ایسی ویرانی کہیں نہ ہوگی مگر دشت بھی اسقدر ویران ہے کہ اسکو دیکھکر گھر کی ویرانی یاد آتی ہے۔ پہلی صورت میں گھر کی آبادی ثابت ہوتی ہے اور دوسری صورت میں اسکی ویرانی۔ اور دوسرے شعر کے ایک معنی تو یہہ ہیں کہ تیرے سر کی قسم ہے کہ ہم ضرور تیرا سر اڑا دیں گے دوسرے معنی یہہ ہیں کہ ہم تیرا سر نہیں اڑائیں گے کیونکہ تیرے سر کی تو ہم کو قسم ہے۔

آتش

جب سبنھالا اس پری پیکر نے کچھ حسن و شباب   شیعہ سنی ہو گئے ہندو مسلماں ہو گئے

امیر

فقیر اسکی گلی کا ہوں ہیں عجب کیا ہے   جو تاج شاہ ہو کاسہ مرے گدائی کا

صنعت تجاہل عارفانہ کی تعریف اور مثالیں

۲۶ ـ صنعت تجاہل عارفانہ [1] ـ یعنی کسی چیز کی نسبت باوجود علم کے اپنی بے خبری ظاہر کرنا جس سے کوئی فائدہ یا نکتہ منظور ہو اسکی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک حرف تردید کے ساتھ دوسرے بغیر حرف تردید کے ـ مثال حرف تردید کے ساتھ ـ

ناسخ

ہے ستارہ ذوذنب یا رخ ہے زلف یار میں　　خال ہے خورشید میں یا تل ہے یہ رخسار میں

تجاہل سے غرض رخ و خال کی تعریف میں مبالغہ ہے ـ مثال بغیر حرف تردید کے

جرات

صنم کہتے ہیں تیرے بھی کمر ہے　　کہاں ہے کس طرف ہے اور کدھر ہے

مومن

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے　　تھا بام پہ کون جلوہ گر رات

پہلے شعر میں تجاہل سے کمر کی باریکی میں اور دوسرے میں محبوب کے رخِ روشن میں مبالغہ منظور ہے ـ

صنعت رجوع کی تعریف اور مثالیں

۲۷ ـ صنعت رجوع ـ ایک شے کی کوئی صفت بیان کرتے ہیں اور پھر اُس صفت کو

---

[1] سکاکی نے اس صنعت کا نام سوق المعلوم مساق غیرہ (یعنی رواں کرنا معلوم کا بجائے رواں کرنے غیر معلوم کے) رکھا ہے اور سبب یہ لکھا ہے کہ چونکہ یہ صنعت قرآن مجید میں بھی آئی ہے لہذا تجاہل سے نامزد کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا ـ

باطل کرکے دوسری صفت کی طرف جو پہلے سے بہتر ہو کسی فائدے کی غرض سے رجوع کرلیتے ہیں۔

انیس

اختر سے بھی آبرو میں بہتر ہیں اشک — اللہ رے مشتری وہ گوہر ہیں[۱] اشک
آنکھوں سے لگا کے انکو کہتے ہیں ملک — گوہر نہیں نور چشم کوثر ہیں اشک

رجوع سے غرض اشکوں کی مدح میں ترقی ہے۔

رافت

وہ آنکھیں کہ آہو پہ جادو چلائیں — نہ آہو پہ جادو یہ جادو چلائیں

شوکت

زمیں مثل شنجرف از جوش خوں — غلط بلکہ شنجرف سے بھی فزوں

صنعت مشاکلہ کی تعریف اور مثالیں

۲۸ - **صنعت مشاکلہ** - یہ ہے کہ دو چیزوں کا ذکر کریں اور اُن دونوں کو ایک جگہ مذکور ہونے کی مناسبت سے ایک ہی لفظ سے تعبیر کریں۔

یاس

زانوے یاس کہاں اور سر دلدار کہاں — ہم نشیں بات وہ کر جسکا ہو کچھ بھی سر و پا

۱؎ تلمیح ہے اُس حدیث کی طرف جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اشک غم حسین حشر میں موتی بن جائیں گے اور خداوند عالم اُسکی قیمت میں بہشت عطا کرکے اُنکو خرید کریگا۔

جسکا ہو کچھ بھی سرپاؤں کے یہہ معنی ہیں کہ جس بات میں کچھ سچ بھی ہو لیکن زرا تو دسرکی مناسبت سے بات میں کچھ سچ ہونے کو سرپاؤں سے تعبیر کیا ہے۔

نسیم

میں جا کے جلی تو کچھہ نہیں ہارے — ڈر ہے کہ نہ تجھپہ آنچ آجاے

میر

میں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے — جسے ابر ہر سال روتا رہیگا

شیفتہ

کیا کھوں احباب کی آہن دلی — پاؤں میں فولاد کی زنجیر ہے

پہلے شعر میں جلنے کی مناسبت سے صدمہ پہونچنے کو آنچ آنے کے ساتھہ تعبیر کیا ہے اور دوسرے شعر میں ابر کے برسنے کو رونے کے ساتھہ تعبیر کیا ہے کیونکہ رونے والے کے ساتھہ اسکا ذکر ہوا ہے اور تیسرے شعر میں زنجیر کی مناسبت سے بے مہری کو آہن دلی کے ساتھہ تعبیر کیا ہے

۲۹۔ صنعت مزاوجہ۔ یعنی دو معنی شرط و جزا میں ایسے واقع ہوں کہ جو امر پہلے معنی پر مرتب ہو وہی دوسرے پر بھی ہو۔ | صنعت مزاوجہ کی تعریف اور اسکی مثالیں

داغ

وہ جو بولیں تو بات جاتی ہے — چپ رہوں میں تو رات جاتی ہے

بولنا اور چپ رہنا دو معنی ہیں اِن دونوں پر کسی شے کا
جانا مرتب ہوا ہے یعنی اول پر بات کا اور دوسری پر رات کا۔

تجلی

جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوئی ۔ ملنے کے دن جو آئے تو پھر رات کم ہوئی

ظفر

رونے جو دل کھول کر ٹکڑے جگر ہونے لگا ۔ اور اگر رونے کو روکا درد سر ہونے لگا

۳۔ صنعت قول بالموجب۔ یعنی کسی شخص کے کلام

میں کوئی لفظ واقع ہو تو اُس لفظ کے معنی کو خلاف مراد اُس
کہنے والے کو محمول کریں۔

داغ

آنکھ لگتی ہے تو کہتے ہیں کہ نیند آتی ہے ۔ آنکھ اپنی جو لگی چین نہیں خواب نہیں
لوگوں کی مراد آنکھ لگنے سے نیند آنا ہوتی ہے شاعر نے آنکھ
لگنے کے معنی عاشق ہونا لئے ہیں۔

ذوق

جب کہا مرتا ہوں میں بولے مرا سر کاٹ کر ۔ جھوٹ کو سچ کر دکھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

جرأت

وہ نہ آئیں تو بہہ ہو جائے غلط ۔ کہ بن آئے نہیں مرتا کوئی
پہلے شعر میں مرنے سے عاشق کی مراد یہ تھی کہ میں تجھ پر شیدا ہوں

اور معشوق نے اُس سے حقیقی موت مراد رکھی دوسرے شعر میں بِن آئے نہ مرنے سے مراد یہہ ہے کہ بغیر موت کے آئے کوئی نہیں مرتا اور شاعر نے بِن آئے نہ مرنے سے مراد معشوق کے آنے سے رکھی ہے۔

صنعت مذہب کلامی کی تعریف اور اُسکی مثالیں

۱۳۱۔ صنعت مذہب کلامی۔ یعنی کلام مثل متکلمین کے دلیل اور برہان پر مشتمل ہو۔

سودا

اگر عدم سے نہو ساتھہ فکر روزی کا   تو آب دانہ کو لیکر نہ ہو گہر پیدا

اس شعر میں دلیل کی صورت اس طرح ہے کہ اگر عدم سے فکر روزی کا ساتھہ نہ ہو تو گوہر آب و دانہ کو لیکر نہ پیدا ہو لیکن وہ آب و دانہ کو لیکر پیدا ہوتا ہے اس سے یہہ نتیجہ حاصل ہوا کہ فکر روزی کا عدم سے ساتھہ ہے۔

سودا

جو ناتواں نکریں دست گیری دشمن   تو خار و خس نکرے شعلہ کو کبھو برپا

مومن

شبہ کیا عصمت لختِ جگر احمد میں   جب مسلم ہے کہ معصوم ہی جز و معصوم

صنعت مذہب فقہی کی تعریف اور اُسکی مثالیں

۱۳۲۔ صنعت مذہب فقہی۔ یعنی کلام تمثیل پر مشتمل ہو جسکو فقہا اپنی اصطلاح میں قیاس کہتے ہیں۔

برتر

ہم آپکے کوچے سے جو نکلے تو عجب کیا   آدم بھی ہوے خلد کی تعمیر سے باہر

تو کہیں ہو یہ دلِ دیوانہ واں پہونچے ہی گا
شمع ہوئیگی جہاں پروانہ واں پہونچے ہی گا

پہلے شعر میں اپنی ذات کو آدم پر قیاس کیا ہے اور دوسرے شعر میں دل دیوانہ کو پروانے پر قیاس کیا ہے۔

صنعت استتباع کی تعریف اور اسکی مثالیں

صنعت استتباع ۔ اسکو المدح الموجہ بھی کہتے ہیں یعنی ممدوح کی تعریف اس طرح کریں کہ اُس سے ضمناً دوسری تعریف اور ثابت ہوئی ہو۔

مشتاق

اُٹھتا ہے دست گدا سے پہلے انکا دست فیض
حاجتِ سائل کو برلاتے ہیں یہ قبل از سوال

ممدوح کی سخاوت کے ساتھ اُسکے روشن ضمیری کی تعریف بھی ہے۔

ذوق

زیرراں تیرے ہے وہ توسن چالاک کہ تو
چھیڑ دے ایک ذرا اسکو جو وقت صف جنگ
یوں کرے جست کہ جیسے سر میدان نبرد
منہ سے اُڑ جاے حریفوں کے ترے خوف سے رنگ

اس قطعہ کے مضمون سے ایک تو یہہ تعریف ہوئی کہ ممدوح کا گھوڑا نہایت تیز و چالاک ہے جست ایسی بھرتا ہے کہ جیسے

چہرے سے رنگ اُڑتا ہے دوسرے یہ بات نکلتی ہے کہ تو ایسا بہادر ہے کہ تیرے خوف سے دشمن کے چہرے کا رنگ اُڑ جاتا ہے

صنعت ادماج کی تعریف اور اُسکی مثالیں اور فرق درمیان ایہام و توجیہ و ادماج۔

۴۳ صنعت ادماج۔ یعنی کلام سے دو معنی حاصل ہوں اور تصریح دوسرے معنی کی نہ ہو ایہام اور ادماج میں یہہ فرق ہے کہ ایہام میں ایک لفظ دو معنی رکھتا ہے اور ادماج میں پورے کلام کے دو معنی ہوتے ہیں اور توجیہ اور ادماج میں یہہ فرق ہے کہ توجیہ بہ نسبت ادماج کے خاص ہے یعنی اُسمیں کلام سے دو معنی ایسے نکلتے ہیں کہ جو ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں اور ادماج میں ایک معنی دوسرے معنی کی ضد نہیں ہوتے۔

غالب

کیونکر اُس بت سے رکھوں جان عزیز   کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

ایک معنی تو یہ ہیں کہ اُس سے جان عزیز رکھوں گا تو وہ ایمان لے لیگا اس لئے جان کو عزیز نہیں رکھتا کہ ایمان بچ جاے دوسرے معنی یہہ ہے کہ اُس بت پر جان قربان کرنا عین ایمان ہے پھر اُس سے جان کیونکر عزیز رکھی جاسکے۔

ناسخ

سلک گوہر سخن اپنا ہے ولیکن ناسخ   دہن یار کے مانند نہاں کیا کیجئے

میر

دولت اسکی موج زن جیسے محیط　　خاک بر سر مدعی جیسے سراب

غالب

الجھتے تم ہو اگر دیکھتے ہو آئینہ　　جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو

صنعت تعجب کی مثالیں | ۳۵ - صنعت تعجب - یعنی کسی چیز پر کسی فائدہ یا غرض کے لئے تعجب ظاہر کرنا۔ مومن

زخم کھایا زہر کھایا تو بھی کچھ ہوتا نہیں　　دیر گذری مرگ کو کیا جانئے کیا ہو گیا

ناسخ

ازل سے دشمنی طاؤس و مار آپس میں رکھتے ہیں　　دل پر داغ کو کیونکر ہے عشق اس زلف پیچاں کا

صنعت تحلیل کی تعریف اور اسکی مثالیں۔ | ۳۶ - صنعت تحلیل - یعنی کلام میں ایسا لفظ یا فقرہ لائیں جو دو زبانوں میں پڑھا جاوے اور دونوں کو سیاق کلام میں دخل ہو۔ اسکو جامع اللسانین بھی کہتے ہیں۔

احسان

فائدہ کیا جو مجھے نزع میں یار آے نظر　　جے نہ یارا ئے سخن اور نہ یارا ئے نظر

مہر

موت بھی آئے کہیں جاے فراق　　گوشۂ دل میں نہیں جاے فراق

نسیم

اک جنگلے میں جا پڑا جہاں گرد　　صحرائے عدم بھی تھا جہاں گرد

یارا ئے نظر۔ جاے فراق۔ جہاں گرد صنعت تحلیل ہیں۔

صنعت ذو روئتین کی تعریف اور اُسکی مثال

۳۷- صنعت ذو روئتین - اُسے کہتے ہیں کہ کلام کو باعتبار صورت حروف کے بغیر لحاظ نقاط و حرکات کے دو زبانوں میں پڑھ سکیں - جیسے تازہ شئے بہتر اسکو اردو میں تغیر نقاط و حرکات سے پارہ ایسے بہتر پڑھ سکتے ہیں عربی کا یہہ فقرہ اِنَّ بَانِیَ بَابِ بَیْتِ جَائِیْ (یعنی تحقیق کہ مکان کے دروازیکا بنانیوالا میرے پاس آیا) اسکو ہندی زبان میں ان پاپی پاپ بیپت جانی پڑھ سکتے ہیں (از رسالہ عبدالواسع) -

صنعت ذو ثلثہ کی تعریف اور اُسکی مثال

۳۸- صنعت ذو ثلثہ - اُسے کہتے ہیں کہ کلام بہ تغیر نقاط و حرکات تین زبانوں میں پڑھا جاسے اسکو صنعت محتمل اللغات بھی کہتے ہیں جیسے انشا کا یہہ مصرع -

عربی - ببا تنا حب من حالنا یبا کی ناس
فارسی - بیا بیا حُب من حالیا بیا کی باش
ہندی - پیا پیا جب من جالیا پیا کی پاس

صنعت براعت استہلال کی تعریف اور اُسکی مثالیں -

۳۹- صنعت براعت استہلال - اُسے کہتے ہیں کہ نظم یا نثر میں جو واقعہ یا قصہ بیان کرنا منظور ہو اُسکا شروع کلام میں اشارہ کردیں - یہ صنعت مثنویوں اور نثر کے قصوں میں اکثر ہوتی ہے اور بعض

شعرا قصائد کے شروع میں بھی اسکا التزام کرتے ہیں۔ مثنوی گلزار نسیم میں بکاولی کے پھول کے چور کی تلاش میں غائب ہونے اور پتہ لگانے کی داستان کو یوں شروع کیا ہے۔

کھلنے پہ جو ہے طلسم تقدیر
اب خامہ نے یوں کیا ہے تحریر

مثنوی معراج المضامین میں ہر معجزہ کے بیان میں یہ صنعت آئی ہے۔ مثلاً ایک مقام لکھا جاتا ہے۔ امام زین العابدین کی نماز میں خلل ڈالنے کی غرض سے شیطان اژدہے کی شکل بنکر آیا ہے لیکن حضرت اسی طور سے مصروف نماز رہے ہیں اسکو اس طرح شروع کیا ہے۔

پلا ساقی تہ مینائے افلاک
رجوع قلب سے مجکو مئے پاک

نہیں میخانے سے مجکو سروکار
میں ہوں محراب و ممبر کا طلبگار

جھکاتا ہے عبث گردن کو مینا
جھکے سجدے میں سر ہے یہہ تمنا

نہ اٹھے سر کبھی سجدے سے جھک کر
بلا سے خانقاہ ہو کام اژدر

ہزار افعی نہاں زیر قدم ہو
ہزار آتش فشاں ثعبان غم ہو

نہ جھپکے چشم دل درگاہ حق میں
نظر ثابت قدم ہو راہ حق میں

کرے جب وار ابلیس اژدہا دار
زمرد ہو مجھے سنگ دربار

موثر ہو نہ دل میں نیش تلبیس
پھریں الٹے سہام مکر ابلیس

عبادت پیشگان نیک اعمال
حضور قلب مولا کا سنیں حال

نمازی کعبۂ صدق یقیں کے
مصلیٰ مسجد قلب حزیں کے

موذنِ قفسۂ ذکرِ خدا کے موظف مدحتِ آلِ عبا کے
نمازِ منقبت سے پا کے فرصت ہوے یوں سبحہ گردانِ روایت

انشا اللہ خاں نے شاہ لندن کی سالگرہ کی تہنیت میں
جو قصیدہ کہا ہے اسکو اس طرح شروع کیا ہے۔

بگھیاں پھولوں کی تیار کرائے ہوئے چمن کہ ہوا کھانے کو نکلیں گے جوانانِ چمن
عالمِ اطفالِ نباتات پہ ہوگا کچھ اور گورے کالے سبھی بیٹھیں گے نئے کپڑے پہن

صنعت اقتباس کی تعریف اور اسکی مثالیں

۴۰۔ صنعت اقتباس۔ یعنی اپنے کلام میں آیات قرآنی و احادیث کا بغیر کسی اشارے کے لانا۔

منیر

پکارے راستے کے قریۂ ودہ سبحان اللذی اسرا بعبدہ

صنعت تضمین کی تعریف اور اسکی مثالیں۔

۴۱۔ صنعت تضمین۔ یعنی اپنے کلام میں دوسروں کا کلام نقل کرنا۔

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

نمبر ۳۶ سے اور اس صنعت تک جو چھ صنعتیں ہیں ان کو
بعض لوگوں نے صنائع لفظی میں شمار کیا ہے۔

صنعت کلام جامع کی تعریف اور اسکی مثالیں

۴۲۔ صنعت کلام جامع۔ یعنی شاعر افسوس و تاسف و غم و رنج و شکایت ایام اور اپنی تکلیف بیان کرے چنانچہ شہر آشوب و دہر آشوب اسی

مضمون میں ہوتے ہیں مثال کے لیئے داغ کے ایک شہر آشوب کے دو بند نقل کیئے جاتے ہیں:

فلک نے قہر و غضب تاک تاک کر ڈالا — تمام پردۂ ناموس چاک کر ڈالا
یکایک اک جہاں کو ہلاک کر ڈالا — غرضکہ لاکھ کا گھر اسنے خاک کر ڈالا
جلیں ہیں دھوپ میں شکلیں جو ماہتاب کی تہیں
کہنچی ہیں کانٹوں میں جو پتیاں گلاب کی تہیں

زباں جو بدلیں تو صورت بدل نہیں آتی — ملیں جو خاک بھی منہ پر تو مل نہیں آتی
کسی طرح کسی پہلو سے کل نہیں آتی — پکارتے ہیں اجل کو اجل نہیں آتی
جو سر کو پھوڑیں تو پتھر پرے سرکتے ہیں
جو لوٹیں کانٹوں پہ کانٹے الگ کھسکتے ہیں

صنعت ایراد المثل کی تعریف اور اسکی مثالیں

۳۴۔ صنعت ایراد المثل۔ اسکو ارسال المثل بھی کہتے ہیں یعنی شعر میں مثل لائیں۔

اسیر

وہاں یار سے غنچے کو دعوے — مثل سچ ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات

قلق

پھر گئی آنکھ بھی ہمسے تری مژگاں کی طرح — یہ مثل سچ ہے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے

ذوق

مجھ میں کیا باقی ہے جو دیکھے گا تو آن کے پاس
بدگماں وہم کی دارو نہیں لقماں کے پاس

صنعت استخدام کی تعریف اور اُسکی مثالیں

۴۴ صنعت استخدام - یہ ہے کہ ایک لفظ ایسا کلام میں لائیں جسکے دو معنی ہوں اور اُنمیں سے ایک معنی مراد ہوں پھر اُسی کلام میں بہ سبب ضمیر کے پھیرنے کے دوسرے معنی بھی لئے گئے ہوں۔

شاغل

نہ اُس گلی میں اُڑا اے صبا غبار مرا
کہ اُسکا خاطرِ دلدار میں کبھی گھر تھا

داغ

زباں دے نہ عدو کو کہ یہ تو وہ شے ہے
ترے دہن میں رہے یا مرے دہن میں ہے

ملے مجھسے تو فرمایا تمھیں کو داغ کہتے ہیں
تمہیں ہو ماہ کامل میں تمہیں رہتے ہو لالے میں

پہلے شعر کے پہلے مصرعہ میں غبار سے مراد خاک ہے پھر دوسرے مصرعہ میں اُسکی طرف ضمیر غائب کی جو پھیری گئی اُس سے کدورت کے معنی مراد لئے گئے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرعہ میں زبان دینے سے مراد وعدہ کرنا ہے اور دوسرے مصرعہ میں زبان سے مراد عضو ہے اور یہ معنی ضمیر غائب کی جو پھیری گئی اُس سے حاصل ہوے تیسرے شعر کے مصرع اول میں داغ سے شاعر کا تخلص مراد ہے اور دوسرے مصرعہ میں اُس داغ سے نشان کے معنی مراد لئے گئے ہیں اور یہہ معنی ضمیر مخاطب کی وجہ سے حاصل ہوئے۔

صنعت الہزل الذی یراد بہ الجد۔ | صنعت الہزل الذی یراد بہ الجد۔ ہزل بفتح اول وسکون زائے معجمہ ولام سخن بیہودہ و مسخرگی کے معنی ہیں ہے اور جد بکسر جیم ہزل کی ضد ہے لہذا لغوی معنی اسکے یہہ ہیں کہ ایسی ہزل جس سے جد مقصود ہو اور یہی معنی اصطلاحی بھی ہیں کہ کلام ظاہر میں بطور تمسخر کے ہو لیکن مراد اس سے ہزل نہ ہو۔

قلق

کچھ اسکا اعتبار نہیں ہوتا ہے یہہ　　نازاں نہ ہو جیو زن دنیا کی چاہ میں

صنعت تلمیح کی تعریف اور اسکی مثالیں۔ | ۴۶۔ تلمیح۔ یہہ صنعت اس طرح ہے کہ شاعر اپنے کلام میں کسی مسئلہ مشہور یا قصے یا واقعات عالم یا اصطلاحات علوم وغیرہ کسی ایسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جسکے بغیر معلوم ہوئے کلام کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔

غالب

غم گیتی سے مرا سینہ عمر کی زنبیل　　ورمعنی سے میر اصفحہ لقا کی ڈاڑھی

داستان امیر حمزہ ایک فرضی قصہ ہے اسمیں لقا ساحر دل کا خدا ہے جس سے امیر حمزہ سے لڑائیاں ہوئیں ہیں اسکے ڈاڑھی کے ہر ہر بال میں موتی پروئے ہوئے تھے عمر امیر حمزہ کے طرفداروں میں ایک کارگزار عیار ہے اسکے پاس بہت سی عجائب چیزیں ہیں منجملہ اسکے ایک زنبیل بھی ہے اس میں سات ملک آباد ہیں

اُس میں چاہے جتنی چیزیں ڈال دی جائیں وہ پُر نہ ہوتی تھی۔

انشا

روشنی چاند سے ٹھوڑی پہ اسی چاہ سے ہے
چاہِ نخشب اسے اب میں کہوں یا چاہِ ذقن

تلمیح ہے ایک قصے کی طرف اور وہ یہ ہے کہ حکیم بن عطا نے جسے حکیم المقنع کہتے ہیں شہر نخشب کے پاس ایک کنواں تیار کرا کے ایک بڑا طاس پارے سے بھروا کے اُس میں رکھوا دیا تھا اور انعکاس شعاع قمر سے ایسا عمل کیا تھا کہ آسمان پر دو چاند نظر آتے تھے۔

ظفر

اُسکی مدد سے فوج ابابیل نے کیا
لشکر تباہ جیسے یہ اصحاب فیل کا

اس کا قصہ یہ ہے کہ ابرہہ حاکم یمن ایک جرّار اور کثیر فوج لیکر مع ہاتھیوں کے مکّے کی طرف اس غرض سے روانہ ہوا کہ کعبے کو منہدم کر دے اور بنی کنانہ کو قتل کر ڈالے اُس وقت عبد المطلب مع ہمراہیوں کے پہاڑ پر چڑھ گئے ابرہہ کعبے کے گرانے کی غرض سے معہ ہاتھیوں کے حملہ آور ہوا خداوند عالم نے آ نیر ابابیل کا ایک جھنڈ بھیجا جو اُس لشکر پر کنکریاں برسانے لگا جسپر وہ کنکری پڑتی تھی وہ اُسی مقام پر رہ جاتا تھا۔

میر حسن

نظر کی جو تدبیر شایستہ پر
تو دیکھا کہ ہے نیک سب کی نظر

تسدیس وتثلیث نجوم کی اصطلاحیں ہیں تسدیس منجمین کی اصطلاح میں دو سعد ستاروں کے درمیان تفاوت تین برجوں کا ہوتا ہے۔ مثلاً قمر حمل میں ہو اور مشتری جوزا میں یا قمر جوزا میں ہو اور مشتری حمل میں اور یہ نظر نصف دوستی ہے اور تثلیث منجمین کی اصطلاح میں یہ ہے کہ قمر کو سعد سے پانچ یا نو برجوں کا فاصلہ ہو مثلاً قمر حمل میں اور مشتری اسد میں یا مشتری قوس میں ہو اس صورت میں حمل سے اسد تک پانچ خانے ہیں اور حمل سے قوس تک نو خانے ہیں اور یہ نظر تمام دوستی ہوتی ہے اور ستارہ سعد قمر کا خادم و ناظر ہوتا ہے۔

مطلب شعر کا یہ ہے کہ جب تسدیس وتثلیث کو جانچا تو جتنے ستارے سعد تھے یعنی مشتری و زہرہ وغیرہ سب کی نظر نیک تھی یعنی تثلیث کی تھی اور قمر سے پوری دوستی تھی یعنی تسدیس کی بھی نہیں تھی کیونکہ نیک نظر تثلیث ہی کہلاتی ہے۔ تسدیس کو نیک نظر نہیں کہتے ہیں بلکہ نظر تسدیس کہتے ہیں اور تثلیث کو نظر تثلیث یا نیک نظر کہتے ہیں۔

عروس الخطوط اور ثلث و رقاع خفی اور جلی مثل خط شعاع
شکستہ لکھا اور تعلیق سب رہے دیکھ حیران اتا بیق سب

یہ سب خطوط کے نام ہیں ابن مقلہ نے خط معقلی و کوفی

وغیرہ سے چھ خط ایجاد کئے تھے۔ ثلث۔ توقیع۔ محقق۔ نسخ۔ ریحاں۔ رقاع۔ ثلث و نسخ میں دو دانگ دور ہوتا ہے اور چار دانگ سطح جلی کو ثلث کہتے ہیں اور خفی کو نسخ۔ اور توقیع و رقاع میں ساڑھے چار دانگ دور اور ڈیڑھ دانگ سطح ہوتی ہے جلی کو توقیع کہتے ہیں اور خفی کو رقاع اور محقق و ریحاں میں ساڑھے چار دانگ سطح ہوتی ہے اور ڈیڑھ دانگ دور جلی کو محقق خفی کو ریحاں کہتے ہیں پھر رقاع و توقیع سے استنباط کرکے ایک خط تعلیق ایجاد ہوا۔ تعلیق کا سطح نہایت کم ہے پھر نسخ اور تعلیق سے آٹھواں خط نستعلیق ایجاد ہوا اور وہ تمام دور ہے بعدہ نستعلیق اور تعلیق کو ملا کر خط شکستہ ایجاد ہوا۔

آتش

عاشق اس غیرتِ بلقیس کا ہو نہیں آتش
بام تک جسکے کبھی مرغِ سلیماں نہ گیا

غالب

کاو کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئی شیر کا

ذکی

یوسف کا اپنے دھیاں ہے تحریر خط کے وقت
ڈر ہے کہ انگلیاں نہ قلم ہوں قلم کے ساتھ

ناسخ

ہم آدمی ہیں وصل میسر نہیں کبھی
ہوتا ہے غم نظارۂ مردم گیاہ سے

انشا

جیت کر آوے لڑائی جو مہابھارت کی　　توجد ہشٹر بھی کرے نذر سرحبر جودہن

فصل دوم اقسام صنائع لفظی کے بیان میں

صنعت تجنیس کی تعریف۔

۱۔ تجنیس۔ یا جناح وہ ہے کہ دو لفظ تلفظ میں مشابہ ہوں اور معنی میں مغائر اُن دونوں لفظوں کو متجانسین کہتے ہیں اس صنعت کی کئی قسمیں ہیں۔

تجنیس تام کی تعریف اور اُسکے اقسام اور مثالیں

الف۔ تجنیس تام۔ اُسکو کہتے ہیں کہ متجانسین انواع و تعداد و ترتیب حروف اور حرکات وسکنات میں متفق ہوں اور معنی میں مختلف پس اگر متجانسین یعنی دونوں لفظوں کی نوع علیحدہ علیحدہ ہو یعنی ایک اسم ہو اور دوسرا فعل یا حرف یا اسکے برعکس ہو تو اُسکو تجنیس تام مستوفی کہتے ہیں جیسے مار بمعنی سانپ اور مار بمعنی بزد یعنی فعل امر مارنے سے۔ اور اگر دونوں ایک نوع سے ہو تو اُسکو تجنیس تام مماثل کہتے ہیں جیسے لفظ کل ایک جگہ بمعنی آرام اور دوسری جگہ بمعنی دیروز یا فردا

مثال تجنیس تام مستوفی کی نظم میں

انشا

کہا اُس نے مہے دیکھی جو وہ مانگ　　کہ ہے یہ رات آدھی کچھ دعا مانگ

مثال تجنیس تام مماثل کی نظم میں

قلق

اس قدر زیست سے ہوا ہوں تنگ — ہو گیا ہے پلنگ مثل پلنگ

تجنیس مرکب کی تعریف اور اُسکی قسمیں اور مثالیں	ب ۔ تجنیس مرکب ۔ یعنی تجنیس کے ایک لفظ کو دو کلموں کی ترکیب سے حاصل کریں اور دوسرا

لفظ مفرد ہو اور یہ دو حال سے خالی نہیں اگر کتابت و خط میں موافق ہوں تو اُسکو تجنیس مرکب متشابہ کہتے ہیں جیسے لڑکے بمعنی طفلاں اور لڑ کے یعنی لڑائی کر کے اور اگر کتابت و خط میں مخالف ہوں تو اُسکو تجنیس مرکب مفروق کہتے ہیں جیسے میلا یعنی ناصاف اور مے لا یعنی شراب لا ۔

مثال تجنیس مرکب متشابہ کی نظم میں

میر حسن

فقط موتیوں کی پڑی پائے زیب — کہ جسکے قدم سے گھر پائے زیب

مثال تجنیس مرکب مفروق کی نظم میں

ذوق

کہا جی نے لے سمجھئے یہ ہجر کی رات — یقیں ہے صبح تک دیگی نہ جینے

تجنیس خطی کی تعریف اور مثالیں۔

ج ۔ تجنیس خطی ۔ یعنی متجانسین بغیر رعایت نقاط و حرکات و انواع حروف کے مشابہ شکل میں واقع ہوں جیسے عزق و عرق و خط و حظ وغیرہ ۔

داغ

تلافی ہوگئی عسرت کی عشرت اے زہے قسمت
مبدل ہوگئی آسانیوں سے میری دشواری

تجنیس محرّف کی تعریف اور مثالیں۔

د ۔ تجنیس محرّف ۔ یعنی متجانسیں بہمہ نوع اعداد و ترتیب حروف و نقاط میں یکساں ہوں لیکن ہیئت یعنی حرکات و سکنات میں مخالف ہوں جیسے گلے بفتح گلو اور گلے بالکسر جمع گلہ بمعنی شکوہ ۔

نسیم

مُشکیں زلفوں سے مُشکیں کسواؤ
کھالے ناگوں سے مجکو ڈسواؤ

تجنیس مرفو کی تعریف اور مثالیں۔

ہ ۔ تجنیس مرفو ۔ یہ ہے کہ ایک لفظ مفرد ہو اور دوسرا لفظ کسی دوسرے کلمے کے جزو سے مرکب ہو بخلاف تجنیس مرکب کے کہ اُسمیں ایک لفظ مفرد ہوتا ہے اور دوسرا متجانس پورے دو کلموں سے مرکب ہوتا ہے ۔

امانت

سینہ وہ سینہ کہ دیکھے تو تڑپ جائے بشر
ایسے سینے نہیں دیکھے ہیں کسی لے سن بھر

لفظ کسی کا سی لفظ لئے سے ملکر سینے کا متجانس ہوا ہے۔

شاہ حاتم

ان سیم بروں کے ساتھ سونا معلوم
قسمت میں لکھی ہے خاک سونا معلوم
حاتم افسوس دہی وام وزگذشت
فردا کی رہی امید سو نامعلوم

پہلا اور دوسرا مصرعہ تجنیس مستوفی کی مثال ہے لیکن چوتھا مصرع اسی تجنیس مرفو کی مثال ہے کیونکہ لفظ سو نامعلوم کے ناسے ملکر سو نا کا متجانس ہوا ہے۔

۱۳ تجنیس زاید کی تعریف اور مثالیں۔

د۔ تجنیس زاید یا تجنیس ناقص - اسکو کہتے ہیں کہ ایک لفظ متجانس میں دوسرے لفظ سے ایک حرف زیادہ ہو خواہ اول میں زیادہ ہو جیسے راحت وجراحت یا درمیان میں جیسے دم اور دام یا گل اور گال خواہ آخر میں جیسے چاہ اور چاہا نظم کی مثالیں ترتیب وار لکھی جاتی ہیں۔ ناسخ

یوں نہ باتیں چبا چبا کے کرو
مہرباں بات ہے نبات نہیں
غیب سے آ آکے طائر دیکھنا ہوگئے اسیر
کھا کے بل ہوے کمر بنتا ہے پھندا بال کا
میکدے تک محتسب کو میکشو آنے تو دو
دیکھ کر پیمانے کو پیماں شکن ہو جائیگا

بعض اس قسم کی تجنیس زاید کو کہ جسکے آخر میں بیشی ہوتی ہے تجنیس مُطرف بھی کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ۔

تجنیس مطرف کی تعریف اور مثالیں۔

تجنیس مطرف۔ وہ ہے جو بعض حرف کلمے کے کے متجانس ہوں۔ جیسے چلین اور چہنیں یا نالے اور نوالے یا سراب اور سیراب یا غال اور خیال وغیرہ۔

تجنیس مذیل کی تعریف اور مثالیں۔

ز۔ تجنیس مذیّل۔ یعنی دو لفظ متجانسین میں سے ایک لفظ کے آخر میں دو حرف کی زیادتی ہو جیسے شب و شبنم یا مانگ و مانگتی یا سام و سامنے وغیرہ۔

ذوق

محفل میں شور قلقل مینا و مل ہوا لا ساقیا شراب کہ توبہ کا قل ہوا

تجنیس مضارع کی تعریف اور مثالیں۔

ح۔ تجنیس مضارع۔ وہ ہے کہ الفاظ متجانس کے بعض حروف مختلف ہوں مگر شرط یہہ ہے کہ ایک سے زیادہ نہ ہوں ورنہ دونوں لفظوں کے تشابہ میں بعد واقع ہو جائیگا اور یہہ بھی شرط ہے کہ حروف مختلف متحدالمخرج[1] یا قریب المخرج ہوں یہہ اختلاف یا تو اول میں ہوتا ہے جیسے

---

[1] مخرج اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے حرف کی آواز نکلتی ہے اور وہ مقام اقصائے حلق سے جو کہ سینے کے نزدیک ہے اور لب تک ہے اُسکے دریافت کرنیکا ایک قاعدہ یہ ہے کہ جس حرف کا مخرج معلوم کرنا ہو اسکو ساکن کرکے اور ایک الف متحرک سے ملا کر تلفظ کریں جس مقام سے آواز نکلے اُس حرف کا وہی مخرج ہے چنانچہ حلق سے ء ع ح خ غ ہ نکلتے ہیں اور تالو سے ق ک نکلتے ہیں اور زبان کے سر سے ص س ز نکلتے

پرسوں و پرسوں یا درمیان جیسے لال و لعل یا آخر میں جیسے تار و تان وغیرہ۔

بیخود

ہاتھ میں تسبیح زباں پر عمل قطع مگر رشتۂ طول امل

قلق

زلفوں کے ہاتھ دولتِ حسنِ صنم لگی دو سانپ خوب بیٹھ رہے مال مار کے

نسیم

بہر گہر طلسم اخلاص ہے بحرِ سخن میں خامہ غواص

تجنیسِ لاحق کی تعریف اور مثالیں ط۔ تجنیسِ لاحق۔ اسمیں اور تجنیسِ مضارع میں فرق ہے کہ اسمیں حروف مختلف متحد المخرج یا قریب المخرج نہیں ہوتے باقی حروف کا مختلف ہونا اور ایک سے زیادہ نہونا اسمیں بھی مشروط ہے خواہ وہ اختلاف اول میں ہو جیسے سنگ و جنگ یا درمیان

میں اور زبان کی نوک سے ظ ذ ث نکلتے ہیں اور میانہ زبان یعنی منہ کے اندر سے ج ش ی نکلتے ہیں اور مسوڑھوں سے ل ن ر نکلتے ہیں اور منہ کے شکم اور تالو سے ط د ت نکلتے ہیں اور زبان کے کنارے سے ض نکلتا ہے اور ہونٹھ سے ب م ف و نکلتے ہیں اور خلیل بن احمد کہتا ہے کہ حرف علت الف واو یا سکون کی حالت میں ہوائی ہیں یعنی ہوای دہن سے پیدا ہوتے ہیں اور پ چ گ حروف فارسی کے مخرج وہی مخرج ب ج ک حروف عربی کے ہیں مگر انکے تلفظ میں اندک ثقالت ہے اور ژ کہ فارسی کا حرف ہے ش منقوطہ کے مخرج سے نکلتا ہے لیکن اسکے تلفظ میں بھی زبان کسیقدر ثقیل ہو جاتی ہے اور ٹ ڈ ڑ انسے بھی زیادہ ثقیل ہیں۔

میں ہو جیسے روم و رام یا آخر میں ہو جیسے شاہ و شاد۔

ذوق

یہہ بھی اُس نازک بدن کو بار ہو گر کمر باندہے نظر کے تار سے

صبا

نفس مارہ سے کیوں زیر ہوا جاتا ہے زور کر روح میں تقلیل غذا سے پیدا

مومن

سرمۂ تسخیر سے ہم خود مسخر کیوں نہ ہوں
آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا

تجنیس مکرر کی مثالیں | ی۔ تجنیس مکرر۔ اسکو تجنیس مُزدوج اور تجنیس مُرَدَّد بھی کہتے ہیں یہ کوئی خاص قسم تجنیس کی نہیں ہے بلکہ اقسام مذکورۂ بالا میں سے کسی قسم کے تجنیس کے الفاظ متجانسین جب یکے بعد دیگرے آجائیں تو اُسکو تجنیس مکرر کہیں گے۔

تجنیس تام مکرر

انشا

میری زباں سے مدح کہاں اُسکی ہو سکے توصیف میں ہے جسکے زبان قلم قلم

تجنیس مرکب مکرر

عشق

کس طرح ان کی لڑائی سے نہ پھرل پھر کے چھین لائے ہیں نشاں فوج کا لڑکے لڑکے

تجنیس خطی مکرر

مخمور

خواب میں پہونچا جو واں مست خیال   پیلا پیلا اوسکا زانو ہو گیا

تجنیس محرف مکرر

میر حسن

لبِ جُو کے آ آڑنے لگی گرد گرد   گُل اشرفی کا ہوا رنگ زرد

تجنیس مرفو مکرر

نصرت

دونوں کے علم الٰہی کے خزینے سینے   ایسے پائے نہیں عالم میں کسی نے سینے

تجنیس زاید مکرر

ناسخ

دور سے دیگی دکھائی روشنی جائے سواد   یاد رکھ قاصد نشاں ہے یہ دیارِ یار کا

تجنیس مضارع مکرر

سرور

ہر گام پر جو پھانس لیا مرغ دل مرا   کیا چال چال ہے بت محشر خرام کی

تجنیس لاحق مکرر

انشا

لگا ہے جو اُسکی یاد سے غافل ہوا ایکدم   مجکو دہن پیرا ہنے لگے ہے زباں زبوں

صنعت اشتقاق کی تعریف اور مثالیں	۲ صنعت اشتقاق ۔ یعنے کلام میں ایسے الفاظ لانا جو ایک مادہ سے مشتق ہوں اور

اُن میں باعتبار معنی کے بھی موافقت ہو۔

احسان

اے بخت تو جاگ اور جگا ہمکو کہ پھر ہم
جاگیں گے نہ تا حشر جگائے سے کسی کے

صنعت شبہ اشتقاق کی تعریف اور مثالیں	۳ صنعت شبہ اشتقاق یعنی کلام میں ایسے الفاظ لانا جو ظاہر میں معلوم ہوں کہ ایک

مادہ سے مشتق ہیں لیکن اصل میں اُنکے ماخذ مختلف ہوں۔

انیس

کبھی زینب کا ہے غم گاہ سکینہ کا خیال
دن جو ڈھلتا ہے تو حضرت ہوے جاتے ہیں نڈھال

ذوق

جو دل قمار خانے میں بت سے لگا چکے
وہ کعبتین چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے

صنعت قلب کی تعریف	۴ ۔ صنعت قلب ۔ یعنی کچھہ الفاظ اسطرح پر واقع ہوں کہ اُن لفظوں کے حروف سب ایک ہوں

لیکن ترتیب یعنی حروف کے تقدیم و تاخیر میں فرق ہو یہ صنعت

کئی طرح مستعمل ہوتی ہے۔

صنعت قلب کل کی تعریف اور مثالیں

الف۔ قلب کل۔ یعنی سب حروف لفظ کے علی الترتیب منعکس ہوں جیسے کاخ و خاک یا فرش و شرف یا عرش و شرع وغیرہ۔

انشا

جو تو باتوں میں رکھیگا تو میں جاؤں گا کہ سمجھا
میرے جان و دل کے مالک نے میرا کلام اُلٹا

وزیر

خوبرویوں کو ضرر ہو سکیا سکے کیا انقلاب
روح ہو جائے جو لکھے کوئی اُلٹا نام حور

قلب کل کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ چار مصرعوں میں لفظ اول کا معکوس مصرعہ رابع کا لفظ آخر ہو اور لفظ آخر مصرعہ اول کا معکوس لفظ اول مصرعہ ثانی ہو اور لفظ آخر مصرعہ ثانی کا معکوس لفظ اول مصرعہ ثالث ہو اور لفظ آخر مصرعہ ثالث کا معکوس لفظ اول مصرعہ رابع ہو۔

دبیر

راہ ایسی سیہ بختی لشکر سے ہوئی تار
رات ایک طرف ظلمت رخ تھی تگوں سار
راس آئی نہ یہ جنگ عدو جیتے سے بیزار
راز اس میں یہ تھا تیغ گلے کا ہوئی تھی ہار

قلب بعض کی تعریف اور مثالیں

ب۔ قلب بعض۔ اُسے کہتے ہیں

کہ کلمے کے بعض حروف کی ترتیب منعکس ہو جیسے رشک و شکر یا علم و عمل وغیرہ۔

ذوق

قوتِ ملت و دیں قامع کفر و الحاد حامیِ شرع نبی ماحیِ شرک و بدعت

قلق

اُٹھ گیا پاس اب قرابت کا رشتہ پیدا ہوا رقابت کا

منقلوب مجنح کی تعریف اور مثال۔ ج۔ مقلوب مجنح۔ اُسکو کہتے ہیں کہ بیت کے اول میں جو لفظ واقع ہو اُسی کا منعکس لفظ بیت کے آخر میں ہو۔

صہبائی

رام ہوتا نہیں فسوں سے بھی ہے وہ کافر تمہاری زلف کا مار

منقلوب مکرر اگر دو لفظ مقلوب پاس پاس علی الترتیب واقع ہوں تو اُسکو مقلوب مکرر یا مقلوب مُزدَوَج یا مقلوب مُرَدَّد کہتے ہیں۔

داغ

وہ تیرا دور ہے علم و عمل[۵۱] سے شاد رہتے ہیں
فقیہ و مفتی و صوفی و شیخ و حافظ و قاری

بلیتاب

صدمہ فرقت سے تھی اُس حور کے بلیتاب روح
آنسوؤں کا آنکھ سے اکدم نہ ٹوٹا تار رات

---

[۵۱] حروف عطف یا جر یا ظرف وغیرہ کے درمیان آجانے سے اتصال میں فرق نہیں آتا تجنیس مکرر میں بھی یہی قاعدہ ہے۔

مقلوب مستوی کی تعریف اور مثالیں

(د) مقلوب مستوی۔ یعنی تمام لفظ یا فقرہ یا مصرعہ یا شعر مقلوب کرنے سے وہی لفظ یا فقرہ یا مصرعہ یا شعر حاصل ہو۔ اس صنعت میں پورا شعر اب تک ایسا نہیں سنا گیا جو اچھا یا درست ہو۔ الفاظ یا فقرے بہت ہیں جو اشعار میں نظم ہیں۔ مثلاً۔ شاباش۔ نادان۔ کبک۔ گنگ۔ لعل۔ بے زیب۔ قلق۔ نان۔ درد۔ دود۔ توت۔ تخت۔ دید۔ گرگ۔ لیل۔ کمک۔ تبت۔ الا۔ قرق۔ ہمہ۔ نالاں۔ نازاں۔ داماد۔ باب۔ بے عیب۔ آنا جانا وغیرہ۔

مصرعہ۔ دبیر۔ آرام ہمارا ہے یہ آرام ہمارا

نظام

اعدا یہ ادعا ہے یہ اعدا سے ہے ادعا

اول کلام یہ ہے یہ ہے مالکِ لوا

نصرت

نم شدت کا سہے درد یہ ساکت دشمن

اشک ہر گاہ رکا خاک رہا گرہ کشا

مقلوب مستوی کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ کوئی کلام ایسا ہو کہ اگر اُسکو مقلوب کریں تو کوئی دوسری عبارت بامعنی حاصل ہو جاے اور جب اُسکو قلب کریں اُسوقت کلام اول حاصل ہو۔ جیسے

انشا

رواج اور یہ ہے وہ ہو آشنا انشا
کہ ہو رہا ہو وہ آگاہ رسم اہل کلام

اس شعر کے مصرعہ اول کو اگر اُلٹیں تو یہ عبارت بامعنی حاصل ہوتی ہے۔ آشنا انشا وہ ہو یہ ہے رواج اور اس کے قلب کرنے سے وہی مصرعہ اول حاصل ہو گا۔

صنعت تزلزل کی تعریف اور مثالیں

۵ صنعت تزلزل ۔ یہ ہے کہ تبدیل حرکات سے معنی بدل جائیں۔

انشا

سطر منصور کے لوہو سے ہوئی یہ تحریر
یعنی سردار نہیں وہ جو سردار نہیں

ذوق

کبھی منطق کو تفوق یہ مرے ناطقہ سے
تحت حکمت ہو یہ فن گرچہ ہے تحتِ حکمت

صنعت ردالعجز علی الصدور کی تعریف اور اُسکی سولہ قسمیں اور مثالیں۔

۶ صنعت ردالعجز علی الصدور ۔ اس صنعت کے

سمجھنے کے لئے پہلے علم عروض کے چند اصطلاحات کا معلوم کر لینا ضروری ہے۔ عروضی اپنی اصطلاح میں شعر کے مصرعہ اول کے پہلے رکن (جزو) کو **صدر** اور اُسی مصرعہ کے آخر رکن کو **عروض** اور مصرعہ ثانی کے پہلے رکن کو **ابتدا** اور اُسکے آخر رکن کو **عجز یا ضرب** کہتے ہیں اور باقی ارکان کو خواہ وہ درمیان صدر و عروض کے ہوں خواہ درمیان ابتدا و عجز کے سب کو حشو کہتے ہیں۔ مثلاً

غالب

ستایش گر ہے زاہد اسقدر جس باغ رضواں کا

وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاق نسیاں کا

اس شعر میں (ستایش گر) مفاعیلن کے وزن پر صدر ہے اور باغ کا غ اور رضواں کا لفظ دونوں ملکر یعنی (غ رضواں) کا مفاعیلن کے وزن پر عروض ہے۔ اور مصرعہ ثانی میں (وہ اک گلدس) مفاعیلن کے وزن پر ابتدا ہے اور طاق کا ق اور نسیان کا لفظ دونوں ملکر یعنی (ق نسیاں) کا مفاعیلن کے وزن پر عجز ہے اور باقی سب الفاظ حشو ہیں۔ لیکن علم بدیع کے اس صنعت میں عجز کے قبل جسقدر ارکان یعنی صدر و عروض و ابتدا و حشو ہیں سب صدر فرض کر لئے گئے ہیں اسی واسطے لفظاً صدور کا آیا ہے لہذا معنی رد العجز علی الصدور کے یہ ہوئے کہ پھیرنا آخر کا

پہلوں کی طرف اور مطلب اس صنعت کا یہ ہے کہ جو لفظ عجز یعنی آخر رکن میں ہو وہی لفظ یا اُسکا متجانس لفظ (خواہ تجنیس کسی قسم کی ہو) یا وہ لفظ کہ جس میں صنعت اشتقاق یا صنعت شبہ اشتقاق ہو صدور یعنی ارکان صدر و عروض و ابتدا و حشو میں بھی آئے۔ اگر وہی لفظ بعینہٖ آتا ہے تو اُسکو مع التکرار کہتے ہیں اور اگر متجانس لفظ آتا ہے تو اُسکو مع التجنیس اور اگر صنعت اشتقاق کا کوئی لفظ آتا ہے تو اُسکو مع الاشتقاق اور اگر صنعت شبہ اشتقاق کا کوئی لفظ آتا ہے تو اُسکو مع الشبہ الاشتقاق کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس صنعت کی سولہ قسمیں حسب ذیل ہو جاتی ہیں جسکی مثالیں مع قسم کے لکھی جاتی ہیں۔

ردالعجز علی الصدر مع التکرار

گویا

محمدؐ سے صفت پوچھو خدا کی　　خدا سے پوچھئے شان محمدؐ

ردالعجز علی الصدر مع التجنیس

ناسخ

سُودہ[۱] الماس کھا کر سو رہوں　　زندگانی ہجر میں سُود[۲] سے ہے

[۱] یہ شعر ردالعجز علی الصدر مع الشبہ الاستقاق کی مثال میں بھی ہو سکتا ہے کیونکہ سودہ اور سود میں علاوہ صنعت تجنیس زاید کے صنعت شبہ اشتقاق بھی ہے۔

[۲] لفظ سود گو بیت، کے آخر میں نہیں ہے لیکن عجز (رکن آخر) کے اندر ہے

ردالعجز علی الصدر مع الاشتقاق

انشا

مفرح اپنے شفاخانہ عنایت سے   شتاب بھیج کہ انشا کی جلد ہو تفریح

ردالعجز علی الصدر مع الشبہ الاشتقاق

ذوق

جبیں تو لے افشاں جو اے مہ جبیں سے
ستاروں میں کیا کیا چناں اور جبیں[1] سے

[2]ردالعجز علی العروض مع التکرار

نظام

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھکو چھوڑ دیئے مسکرا کے ہاتھ

ردالعجز علی العروض مع التجنیس

رقت

نہ میرے سامنے اے ابر بار بار برس   جو مجھ سے ہو سکے تجھ سے نہ ہو ہزار برس

ردالعجز علی العروض مع الاشتقاق

وزیر

دہن یار میں مستی کی اوداہٹ دیکھی   چمن ملک عدم میں گل سوسن دیکھا

---

[1] لفظ جبیں گو بیت کے آخر میں نہیں ہے لیکن عجز (رکن آخر) کے اندر ہیں
[2] یہ صنعت ہر مطلع مردف میں ہوتی ہے۔

ردالعجز علی العروض مع الشبہ الاشتقاق

عشرت

تھی گہوارہ لوگوں نے اوتارا فلک سے جسطرح ٹوٹے ہے تارا

ردالعجز علی الابتدا مع التکرار

رند

قسم خدا کی ہتو عشق پاک ہے تم سے
غرض سے ہے مجھے مطلب نہ مدعا سے غرض

ردالعجز علی الابتدا مع التجنیس

میرحسن

خواصوں نے گھر کا کیا انتظام تمامی کے پردے لگائے تمام

ردالعجز علی الابتدا مع الاشتقاق

میر

جہاں میر زیر وزیر ہوگیا خراماں ہوا جب وہ محشر خرام

ردالعجز علی الابتدا مع الشبہ الاشتقاق

انیس

اُس میں یہہ تہر بھی ہے جو ہے فاطمہ کا مہر
شہرہ ہے تازیوں کی تو اضع کا شہر شہر

ردالعجز علی الحشو مع التکرار[1]

ناسخ

وصل میں تھا صبح سے بیزار میں
ہجر کی شب مجھسے ہے بیزار صبح

داغ

تو غمزدہ ہے آپ سے نادان کس لئے
کر تو بھی خوب عیش جو ہو سازگار عیش

ردالعجز علی الحشو مع التجنیس

میر حسن

مرو تم پری پردہ تم پر مرے
بس اب تم ذرا مجھسے بیٹھو پرے

قلق

اسقدر زیست سے ہوا ہوں تنگ
ہو گیا ہے پلنگ مثل پلنگ

ردالعجز علی الحشو مع الاشتقاق

غالب

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے
یار کا دروازہ پائیں گر کھلا

انیس

جو تیرا محب ہے ہمیں اُس سے ہے محبت
جو تیرا عدو ہمیں اُس سے ہے عداوت

---

[1] چونکہ حشو کا رکن پہلے مصرعہ اور دوسرے مصرعہ دونوں میں آتا ہے لہذا دونوں مثالیں لکھدی گئی ہیں۔

ردالعجز علی الحشو مع الشبہ الاشتقاق

ظفر

مجھے ڈر ہے نہ پہونچے پہونچیوں کے بوجھ سے صدمہ
کہ نازک ہے نہایت ہی ترا اے نازنین پہونچا

انیس

حمالوں نے اونٹوں سے قناتوں کو اوتارا
میداں کو اُدھر بادِ بہاری نے بہارا

شعرا نے اس صنعت میں ایک جدت کی ہے یعنی جو لفظ صدر میں آئے وہی عروض میں بھی آئے اور جو لفظ ابتدا میں آئے وہی عجز میں بھی آئے۔

انیس

شاد اس کو کیا جس نے مجھے آ کے کیا شاد
بیداد ہوئی اسپہ تو مجھ پہ ہوئی بیداد

حالی

لگا تو لو اپنی آس سے لگاؤ جھکاؤ تو سر اُسکے آگے جھکاؤ

صنعت قطار البعیر کی تعریف اور مثالیں	۷ صنعت قطار البعیر یعنی شعر میں لفظ آخر مصرع اول اور لفظ اول مصرعہ ثانی ایک سے ہوں۔

ظفر

ہوگیا جسدن سے اسکو اپنے دل پر اختیار
اختیار اپنا گیا بے اختیاری رہگئی

ذوق

جوہر خوب کو درکار ہے آرایش خوب
خوب تو آپ کی خوبی سے ہے ٹھرا گوہر

صنعت مجاز کی تعریف اور اسکی مثالیں۔

۸۔ صنعت مجاز۔ یہہ صنعت غزل قصیدہ مثنوی یعنی جنمیں دو مصرعے ہوتے ہیں نہیں آتی بلکہ مثلث مربع یا رباعی یا مخمس یا مسدس وغیرہ میں جنمیں دو مصرعہ سے زیادہ ہوتے ہیں آتی ہے۔ صنعت قطار البعیر صرف دو مصرعہ والی نظموں میں آتی ہے اور یہہ زیادہ مصرعہ والی نظموں میں صورت اسکی بھی ایسی ہے جیسی صنعت قطار البعیر کی یعنی جو لفظ مصرع اول کے آخر میں ہو وہی لفظ مصرعہ ثانی کے اول میں ہو اور جو لفظ مصرعہ ثانی کے آخر میں ہو وہی لفظ مصرعہ ثالث کے اول میں ہو اور جو لفظ مصرعہ ثالث کے آخر میں وہی لفظ مصرعہ رابع کے اول میں ہو اسی طور سے جہاں تک اتفاق پڑے۔

جلال

گردن تری شیشہ آنکھ ہے پیمانہ   پیمانہ کی طرح چال ہے مستانہ

مستانہ ہراک روش ادائیں سرشار سرشار رنگ ہے ساقی پیمانہ

مرزا دبیر صاحب بجائے لفظ کے پورے پورے فقرے اسی طور سے لائے ہیں۔

خنجر کو جو کاٹا تو وہ ٹھہری نہ سپر پر ٹھہری نہ سپر پر تو وہ سیدھی گئی سر پر

سیدھی گئی سر پر تو وہ تھی صدر کمر پر تھی صدر کمر پر تو وہ تھی قلب وجگر پر

تھی قلب وجگر پر تو وہ تھی دامن زیں پر

تھی دامن زیں پر تو نہ مرکب تھا زمیں پر

۹۔ صنعت تفریع۔ یعنی شعر میں جزو صدر کا حرف آخر عجز کے حرف آخر کے موافق ہو۔	صنعت تفریع کی تعریف ومثال۔

سوز

ہیہات وہ ساعت بھی عجب بد تھی کہ جس وقت

لائی تھی صبا یار سے پیغام محبت

۱۰۔ صنعت مبادلۃ الراسین۔ یعنی دو لفظوں میں حرف اول باہم تبدیل ہوں۔	صنعت مبادلۃ الراسین کی تعریف ومثال۔

جیسے سیل مائل اور میل سائل۔

سحر

اگر حق نے بخشی ہے عقل نجیب

تو سُن مجھ سے تو ایک نقل عجیب

صنعت تضمین المزدوج کی تعریف اور مثالیں

۱۱ صنعت تضمین المزدوج۔ یعنی قافیہ کے سوا بلا فاصلہ دو یا زیادہ لفظ مزدوج یعنی ہم وزن نثر یا نظم میں لائے جائیں۔

نثار

آترے ملک فلک سے یوسف زمیں سے نکلے
ممکن نہیں کہ تجھسا کوئی کہیں سے نکلے

رمز

پرتو پڑے جو آنکے رخ بے حجاب کا
پیدا ہو رنگ سنگ میں لعل خوش آب کا

مومن

مومن آکیش محبت میں کہ سب جانتے ہے
حسرت وحرمت صہبا و مزامیر نہ کھینچ

صنعت ترافق کی تعریف اور مثالیں

۱۲ صنعت ترافق۔ یعنی چار مصرعہ اس طور کے ہوں کہ جسکو چاہیں مصرعہ اول و دوم و سوم و چہارم کرلیں۔

مفتوں ہوں میں اس شرم وحیا کا دل سے
عاشق ہوں میں اس ناز و ادا کا دل سے
شیدا ہوں میں اس زلف دوتا کا دل سے
کشتہ ہوں میں اس طرز وفا کا دل سے

صنعت نظم النثر کی تعریف اور مثال

۱۳ صنعت نظم النثر یعنی نظم

کو اسطرح بنائیں کہ اُسکو نثر بھی پڑھ سکیں مگر حالت نثر میں بندش الفاظ و نشست الفاظ و صفائی کلام بھی شرط ہے ورنہ واو اور ہاے مختفی کا تلفظ اور کسرہ اضافت اور کسرہ صفت کے کھینچے کو ترک کرنا ہر نظم کو نثر بنا دیتا ہے دوسرے ضروریات شعر جیسے تقدیم بعض الفاظ کی بعض پر اور حذف بعض روابط کا اور اخفاے نون وغیرہ جو نظم میں جائز ہے اس صنعت میں ناجائز ہے یہہ صنعت امیر خسرو دہلوی کی ایجاد ہے مثال اسکی یہہ رقعہ مولوی غلام امام شہید کا ۔

نظم

جان اہل نیاز بندہ نواز | بعد تعظیم اور عجز و نیاز
یہہ گذارش ہے آپ سے کہ دعا | آپ کے حق میں رات دن کرنا
اور ہمیشہ فراق میں مرنا | دل کو ہر وقت مضطرب کرنا
کب تلک آخر ایک دن جو قضا | آئی تو بندہ بے گناہ مرا
حال سے اپنے مطلع کیجئے | اور جلدی مری خبر لیجئے

نثر

جان اہل نیاز۔ بندہ نواز بعد تعظیم اور عجز و نیاز یہہ گذارش ہے آپ سے کہ دعا آپ کے حق میں رات دن کرنا اور ہمیشہ فراق میں مرنا دل کو ہر وقت مضطرب کرنا کب تلک آخر ایک دن جو قضا آئی تو بندہ بے گناہ مرا حال سے اپنے مطلع کیجئے اور جلدی

میری خبر لیجئے۔

صنعت مثلث کی تعریف اور مثال

۱۴ صنعت مثلث۔ یہ ہے کہ رباعی کے تین مصرعے اس طرح لکھے جائیں کہ اگر ہر مصرعہ سے بعض الفاظ کو اٹھا لیں تو اُن کے جمع کرنے سے چوتھا مصرعہ خود پیدا ہو جائے اکثر وہ الفاظ ہر مصرعہ کے اول میں سرخی سے یا علامت خاص سے لکھے جاتے ہیں۔

ہے مہر میں تیرے حسن سے پرتوِ نور
اور ماہ میں تجھسے روشنی ہے اسے حور
تیرا ہی ظہور سارے عالم میں ہے
ہے مہر میں اور ماہ میں تیرا ہی ظہور

صنعت مربع کی تعریف اور مثال

۱۵ صنعت مربع۔ اسکو کہتے ہیں کہ چند سطر چار چار خانوں میں ایسی لکھیں کہ انہیں طول اور عرض میں یکساں پڑھ سکیں۔

کروں کیا	خفا ہے	الٰہی	وہ دلبر
خفا ہے	وہ مجھسے	عبث کیوں	سمن بر
الٰہی	عبث کیوں	خفا ہے	غضب ہے
وہ دلبر	سمن بر	غضب ہے	ستمگر

اگر آٹھ آٹھ خانوں میں لکھہ اور پڑھ سکیں تو اسے مثمن کہتے ہیں۔

صنعت مدور کی تعریف اور مثال

۱۶۔ صنعت مدور۔ یعنی مصرع یا شعر ایسا ہو کہ اسکو ایک دائرے میں چار یا آٹھ رکن کرکے دوسرے کے حضور میں علحدہ علحدہ لکھیں اور جس رکن سے چاہیں پڑھ سکیں اور ایک مصرع یا بیت سے باعتبار تقدیم وتاخیر رکن کے کئی مصرع یا بیتیں حاصل ہوں۔

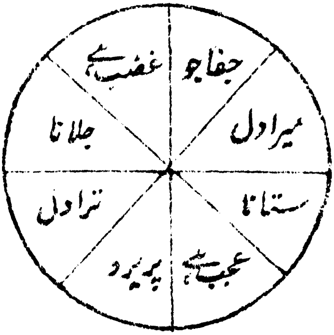

صنعت سیاق الاعداد کی تعریف اور مثالیں

۱۷۔ سیاق الاعداد۔ یعنی کلام میں اعداد کا ذکر کرنا خواہ ترتیب وار ہوں یا بے ترتیب۔

انشا

ایک دو تین چار پانچ چھہ سات　　آٹھ نو دس تلک تو تھی ایک بات

انیس

کشتے تھے ایک ضرب میں دو ہوں کہ چار ہوں　　شش در تھے سب کہ دست کیونکر دو چار ہوں

مومن

جنونہ سپہر ہیں مرے دشمن تو اور بھی لیکن بڑے غضب یہی دو تین چار ہیں
ہیں قتل عام کرتے وہ اغیار کے لئے دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کے لئے

انشا اللہ خاں کی یہ ساری غزل اسی صنعت میں ہے۔

نو آسماں نور و مہ ساتوں طبق زمیں کے
روح و حواس خمسہ اور شش جہات تیسوں
بارہ بروج چودہ معصوم چار عنصر
ظاہر کرے ہیں، تیری لاکھوں صفات تیسوں

صنعت متلون کی تعریف اور مثالیں	۸ا صنعت متلون۔ یہ ہے کہ دو یا زیادہ بحروں میں کوئی شعر کہا جائے۔ منشی مظفر علی

اسیر کا ایک پورا قصیدہ جسکے دو شعر تلوار کی تعریف میں لکھے جاتے ہیں اسی صنعت میں ہے۔

آبدار ایسی ہے تیغ آسکی کہ ہنگام نبرد
عمر دشمن کا جو خالی ہو تو بھر دیتی ہے جام
بخت منعم ہے چمکنے میں ضیا میں ہے وہ مہر
عقل دانا ہے وہ تیزی میں بلندی میں ہے نام

ایک بحر رمل مثمن مقصور وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات ہے دوسری بحر رمل مثمن مخبون مقصور وزن فاعلاتن

فعلاتن فعلاتن فعلات ہے۔ سید آغا علی مہر کی یہہ غزل تین بحروں میں ہے۔

داغ ہے شمعِ شبِ تارِ فراق ۔۔۔ فرش ہے مجکو سرِ خار فراق
جب نظر آتا ہوں میں لوگونکو مہر ۔۔۔ کہتے ہیں مجکو سبھی زارِ فراق

ایک بحر رمل مسدس مقصور وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات۔ دوسری بحر رمل مسدس مجنون مشعث مقصور وزن فاعلاتن فعلاتن فعلان تیسری بحر سریع مسدس مطوی موقوف وزن مفتعلن مفتعلن فاعلات ہے۔ مولوی محمد علی بخش شرر بدایونی کی یہہ پوری غزل چار بحروں میں ہے۔

ضعف سے پاؤں پہ سر آتا ہے آہ ۔۔۔ ہو گئے نالوں سے ہم اپنے تباہ

ایک بحر رمل مسدس مقصور وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات۔ دوسری بحر رمل مسدس مجبنون مشعث مقصور وزن فاعلاتن فعلاتن فعلان۔ تیسری بحر سریع مسدس مطوی موقوف وزن مفتعلن مفتعلن فاعلان۔ چوتھی بحر خفیف مسدس مجنون مشعث مقصور وزن فاعلاتن مفاعلن فعلان ہے۔

صنعت سجع کی تعریف اور اسکے اقسام و مثالیں | ۱۹۔ صنعت سجع۔ سجع کے معنی لغت میں آواز کبوتر یا قمری کے ہیں اور اصطلاح میں وزن وردی میں کلمہ آخر کے موافقت و مخالفت کا نام ہے بعض علماء

بلاغت کا خیال ہے کہ یہ صنعت نثر کے لیے مختص ہے لیکن محقق یہ ہے کہ نظم و نثر دونوں میں آتی ہے اسکی تین قسمیں ہیں۔

الف۔ سجع مطرف۔ یہ ہے کہ دو فقروں یا دو مصرعوں کا کلمہ آخر وزن میں مختلف ہو اور روی (حرف آخر) میں متفق ہو۔

مثال نثر از کتاب جادۂ تسخیر۔

معشوق کی ہنستی پیشانی میں بوستان مسرت کی شان۔ عاشق کی جبیں گلستاں کے باب پنجم کا عنوان۔ اُسکی سرنوشت میں حسن کا افسانہ۔ اسکے سرخط گلزار میں عبارت عاشقانہ۔ اُسکی چوٹی بنفشے کا جواب۔ اسکی زلفوں میں عشق پیچے کا پیچ و تاب۔ اُسکی شمیم غالیہ بیز۔ اسکی ہوا وحشت انگیز۔

مثال نظم میر

جس کف پا کو برگ گل ہو خار | حیف ہے ہوئے خار سے وہ فگار
دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا[1] | اب جس جگہ کہ داغ ہے واں پہلے درد تھا

ب۔ سجع متوازن۔ یہ ہے کہ دو فقروں یا دو مصرعوں کا کلمہ آخر وزن میں موافق ہو لیکن حرف آخر میں مخالف ہو۔

مثال نثر از کتاب سیر محتشم

جس کسی نے عدم سے وجود میں آکر تماشائے موجودات

---

[1] تھا دونوں مصرعوں میں مشترک ہے لہذا کلمہ آخر نبرد و درد متصور ہونگے

نہیں کیا وہ کالمعدوم ہے۔ اور جس مرد نے اپنی زندگی ایک گوشے میں بیٹھکر بسر کی وہ گویا زن مستور ہے۔

مثال نظم۔ غالب

جسکا ہر فعل صورت اعجاز جسکا ہر قول معنی الہام

نثر میں اگر دونوں فقروں کے تمام الفاظ اسی طور سے بطور تقابل کے وزن میں موافق اور روی یعنی حرف آخر میں مخالف ہوں تو وہ نثر مرجز کہلاتی ہے اور نظم میں اگر یہی صنعت ہو تو اسکو مماثلت کہتے ہیں جیساکہ نثر مرجز کے بیان میں ذکر ہوا ہے۔

ج۔ سجع متوازی۔ یہ ہے کہ دونوں فقروں یا دونوں مصرعوں کا کلمہ آخر وزن اور روی دونوں میں موافق ہو۔

مثال نثر از کتاب مذہب عشق معروف بہ قصہ گل بکاؤلی جس کوچہ و بازار میں جاتی۔ وہاں اسباب عیش مہیا پاتی ایضاً جسکی طرف چشم سرمہ سا اٹھاتی اسے نقش پا کی طرح مٹاتی اور جسدم تیغ ابرو یا خنجر مژگاں دکھاتی اہل نظر کو بسمل کی طرح لٹاتی۔

مثال نظم۔ غالب

حسن مہ گرچہ بہ ہنگام کمال اچھا ہے اس سے میرا مہ خورشید جمال اچھا ہے

با ملاعم امام شہید کا یہ قصیدہ

آئی بہار اب ہر چمن ہے بلبل و گل کا وطن دیر و حرم سے نعرہ زن
آتے ہیں شیخ و برہمن
زاہد سے کہدو یہ سخن ہے فصل گل توبہ شکن گر چاہیے عیش جان و تن
میخواروں کا سیکھے چلن
آئی بہار جاں فزا لائی گلستاں میں صبا پیغام وصل دلربا
گل کھل کھلا کے ہنس پڑا
موج ہوا نے وا کیا ہر غنچے کا بند قبا بلبل یہ کرتی ہے صدا
اب میں ہوں اور سیر چمن
ساقی جو شوخ و شنگ ہے مست مئے گلرنگ ہے مطرب جو خوش آہنگ ہے
محو نوائے چنگ ہے
دل عیش کا اورنگ ہے غم خستہ و دلتنگ ہے بلبل ہے خوش دل تنگ ہے
شادی سے گل ہے خندہ زن

صنعت محذوف کی تعریف اور مثالیں

۲۲ صنعت محذوف۔ یہ صنعت صنعت مثلوں کے قبیل سے ہے یعنی اگر ہر ہر مصرع سے کوئی لفظ حذف کر دیا جائے تو موزونیت میں فرق نہ آئے اور دوسرا وزن پیدا ہو جائے۔

مجکو رسوا نہ کر اے آفتِ جاں بہرِ خدا
بندہ تیرا ہوں میں کر رحم میاں بہرِ خدا
اس میں کیا فائدہ گر مجکو کیا تو نے قتل
کچھ بھی انصاف کر اے سروِ رواں بہرِ خدا

بعد حذف کرنے لفظ سرِ ہر مصرع یعنی مجکو بندہ اس میں کچھ بھی چاروں مصرع سے رباعی کا وزن باقی رہتا ہے۔

رسوا نکر اے آفتِ جاں بہرِ خدا
تیرا ہوں میں کر رحم میاں بہرِ خدا
کیا فائدہ گر مجکو کیا تو نے قتل
انصاف کر اے سروِ رواں بہرِ خدا

صنعت منقوص کی تعریف اور مثالیں

۳۔ صنعت منقوص۔ یعنی اگر لفظ آخر ہر مصرع کا دور کر دیا جائے تب بھی شعر کی موزونیت میں فرق نہ آئے اور دوسرا وزن پیدا ہو جائے۔ جیسے یہ رباعی آغا محمد احسن المخاطب بہ نور الدولہ متخلص بہ صفا کی۔

اے حسرتِ یار بس کر بس کر
وے صدمۂ انتظار بس کر بس کر
اتنا نہ تڑپ کہ سینہ شق ہو جائے
بس اے دلِ بیقرار بس کر بس کر

آخر لفظ ہر مصرعہ کا دور کرنے سے بھی بحر ہزج مسدس اخرب

مقبوض محذوف الآخر کا وزن یعنی مفعول مفاعلن فعولن باقی رہتا ہے۔

اے حسرت وصل یار بس کر — دے صدمۂ انتظار بس کر
اتنا نہ تڑپ کہ سینہ شق ہو — بس اے دلِ بیقرار بس کر

صنعت ذوقافیتین کی تعریف اور مثالیں

۲۴۔ صنعت ذوقافیتین۔ یعنی شعر میں دو قافئے لانا۔

انیس

جب نوجوان پسرِ شہِ دیں سے جدا ہوا — روشن قمر سپہر بریں سے جدا ہوا
نورِ نظر امام مبین سے جدا ہوا — لختِ جگر حسین حسین سے جدا ہوا

خوشتر

سکندر طالع و جمشید اقبال — ہمایوں صورت و خورشید تمثال

اگر دو سے زیادہ قافئے شعر میں ہوں تو اُسکو ذوالقوافی کہتے ہیں۔

داغ

وہ نکیلی ادائیں دھیان میں ہیں — وہ سُریلی صدائیں کان میں ہیں

جرأت کی یہ پوری غزل اسی صنعت میں ہے۔

جب میں نے کہا اوبتِ خودکام ورے آ — تب کہنے لگا چل بے او بدنام پرے جا
ہے صبح سے عاشق کا ترے حال بہت تنگ — معلوم یہ ہوتا ہے کہ تا شام مرے گا

صنعت ذوقافیتین مع الحاجب کی تعریف اور مثالیں

۲۵۔ صنعت

ذو قافتین مع الحاجب۔ اُسکو کہتے ہیں کہ دو قافیوں کے درمیان ردیف لائیں حاجب اُس ردیف کو کہتے ہیں جو دو قافیوں کے بیچ میں آتی ہے یہ صنعت خاص اُردو و فارسی کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے۔ عربی میں نہیں آتی۔

میر

کہیں آنکھوں سے خوں ہو کے بہا کہیں سر میں جنوں ہو کے رہا

انیس

مضموں صفات قد کا قیامت سے لڑ گیا
قامت کے آگے سرو خجالت سے گڑ گیا

پہلے شعر میں ہو کے اور دوسرے شعر میں سے ردیف حاجب ہے۔ کبھی ردیف حاجب کے بعد بھی دو قافئے لاتے ہیں اُسکو ذو القوافی مع الحاجب کہتے ہیں۔

دبیر

معبود جز و کل نے کریمانہ رضا دی
اور صاحب دلدل نے بزرگانہ دعا دی
فوج اپنی توکل نے دلیرانہ بڑھا دی
آمد کے تجمل نے نقیبانہ صدا دی

صنعت لزوم ما لا یلزم کی تعریف اور مثالیں | ۲۶ صنعت لزوم ما لا یلزم۔

اسکو التزام اور تضمین اور تشدید اور اعناب بھی کہتے ہیں اصل میں اس صنعت کا تعلق محض قافئے سے تھا یعنی روی کے قبل جو حروف تاسیس ودخیل کے آتے ہیں آنکو اپنے اوپر لازم کر لینا مثلاً لفظ کامل کے قافئے میں دل منزل مشکل وغیرہ سب قافئے ہوسکتے ہیں لیکن کامل کا قافیہ التزام کر کے شامل وعامل وحامل وغیرہ لائیں یعنی الف جو حرف تاسیس ہے اور م جو حرف دخیل ہے دونوں کے پابند ہوجائیں یا آنکہ کامل کا قافیہ محض حرف تاسیس کی پابندی کر کے عادل وقاتل وفاضل وغیرہ لائیں غرضکہ اس صنعت کا تعلق محض قافئے تک محدود تھا لیکن شعرا نے اپنے قوت نظم کے زعم میں ہر قسم کی پابندیوں کا التزام کر کے اس صنعت کو اس قدر وسیع کر دیا کہ اب سب قسم کی پابندیاں بیان کر دینا امکان سے باہر ہوگیا۔ مختصر یہ ہے کہ اب کوئی امر جو لازم نہ ہو اُسکے التزام کر لینے کا نام صنعت لزوم مالایلزم ہے۔ مثلاً سودا نے ایک غزل میں اس امر کا التزام کیا ہے کہ قافئے کا جزو آخر بعد کو بطور ردیف کے آئے۔ دو شعر لکھے جاتے ہیں۔

باغ تو جاتے ہو تم لیکن خدا کے واسطے ــــ گل کو مت اپنے گلے کا کیجیو زنہار ہار

مجھہ مریضِ عشق کی دارو نہیں غیراز اجل　　اے طبیب اپنی دوا سے تو نہ یہ بیمار مار

انشا اللہ خاں کی ایک غزل میں جسکی ردیف تیسوں ہے اور اُسکے دو شعر صنعت سیاق الاعداد کی مثال میں لکھے گئے یہ التزام ہے کہ ہر شعر میں تیس چیزیں آجائیں اسی طرح اس غزل کے ہر ایک شعر میں پانچ چیزوں کے ذکر کرنے کا التزام ہے۔

چشم و ادا و غمزہ شوخی و ناز پانچوں
دشمن ہیں میرے جی کے بندہ نواز پانچوں

اور اس غزل میں آٹھ چیزوں کا التزام ہے۔

پھبن اکڑ چھب نگاہ سج دھج جمال طرز خرام آٹھوں
نہوئیں اُس بُت کے گر پجاری تو کیوں ہو میلے کا نام آٹھوں

اندر من کی ایک نظم نظر سے گذری ہے جسکے ہر شعر میں لفظ خاک لانیکا التزام ہے اس نظم میں قریب دو سو شعر کے تھے۔

دو شعر یہہ ہیں۔

جو ہوے خاک بیز کوے دلدار　　اُسے ہے خاک سے ہر دم سروکار
جسے زر خاک سے حاصل ہوا ہے　　بلے خاک اُسکے حق میں کیمیا ہے

اسی صنعت کے قبیل سے وہ صنعتیں ہیں جنمیں ترک نقاط یا کسی حرف کے ترک یا وصل یا قطع وغیرہ کا التزام کرتے ہیں جنکا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

صنعت حذف کی تعریف اور مثالیں

۲۷۔ صنعت حذف۔ اسکو قطع الحروف بھی کہتے ہیں یعنے نظم یا نثر میں کسی حرف کے نہ لانے کا التزام کیا جائے اگر حرف الف نہ لاویں تو اسکو قطع الالف اور اگر حرف ب نہ لاویں تو اسکو قطع البا وغیرہ کہتے ہیں۔ ترک نون کی صنعت میں دریاے لطافت سے ایک عبارت نقل کیجاتی ہے جسکا جی چاہے ہمارے پاس آوے گھر ہے اُسکا اور جو کوئی آتا آتا یکبارگی رک جائے تو ہمکو کیا غرض اگر چاہے کہ ہمسایے لیاقت بھی کبھی کبھی آیا کرے تو یہ بات بہت مشکل ہے اس واسطے کہ یہ عاصی پر از معاصی ایسا عہد کرکے بیٹھا ہے کہ اس گوشہ کے بیچ ایسا جما رہے کہ اگر ہزار بار دورہ کامل فلک ہشتم کا جسکو خلق خدا کرسی کہتی ہے سر پر سے گذر جائے تو بھی اس جگہ سے اُٹھکر جو بہت جائے تو اُس دوسرے حجرے تک تو بھی دیکھا چاہیے یہ بھی اسوقت کا زٹل قافیہ ہے۔

نظم میں کوئی کتاب یا پوری نظم جو اس صنعت کا قصد کرکے کہی گئی ہو اُردو میں نظر سے نہیں گذری اشعار میں قریب قریب ہر شعر ایسا ہوگا کہ اُسمیں کوئی نہ کوئی حرف نہ ہوگا مثلاً ہم غالب کے یہاں سے دو ایک شعر ایسے لکھدیتے ہیں جسمیں حرف الف نہیں کیونکہ اس صنعت میں سب سے زیادہ مشکل قطع الالف ہے۔

عشق مجکو نہیں وحشت ہی سہی   میری وحشت تری شہرت ہی سہی

مقطع سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر　　عزم سیر نجف وطوف حرم ہے ہمکو
منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی　　قسمت کھلی ترے قد ورخ کے ظہور کی

صنعت عاطلہ کی تعریف اور مثالیں

۲۸ - صنعت عاطلہ - اسکو مہملا اور غیر منقوطہ بھی کہتے ہیں یعنی ایسی عبارت یا نظم ہو جسمیں حروف نقطہ دار نہ آویں - مرزا دبیر کے دو مرثئے پورے جسمیں دو سو بندوں سے زائد ہیں اس صنعت میں ہیں مطلع دونوں مرثیوں کے یہ ہیں -

۱ - ہم طالع ہما مراد ہم رسا ہوا　　۲ - مہر کرم سرور اکرم ہوا طالع

انشا اللہ خاں کا ایک پورا دیوان اور ایک مثنوی اور ایک قصیدہ مسمی بہ طور الکلام اسی صنعت میں ہے دیوان کا مطلع یہ ہے -

اور کسکا آسرا ہو سر گروہ اس راہ کا　　آسرا اللہ اور آلِ رسول اللہ کا

صنعت منقوطہ کی مثالیں

۲۹ - یعنی نظم و نثر میں تمام حروف ایسے لائے جائیں کہ سب نقطہ دار ہوں - یہ صنعت مشکل ہے اسمیں معنی بھی بہ تکلف پیدا ہوتے ہیں -

نثر مولوی غلام امام شہید

شفیقی شیخ فیض بخش نے جتنے تخت یکشب بخشتے بخشی جی نے بنے بنے تخت چن چن بیچے جب تین تخت بچے تب نہ بیچے -

دبیر

نے تیغ نے شقی بچے نے تیغ زن بچے　　بنیں بچی نہ چین جبیں نے ذقن بچے

انشا کے اس شعر کا پہلا مصرعہ صنعت مہملہ میں ہے اور دوسرا مصرعہ صنعت منقوط میں۔

آہ کل دل ہوا درد کہ رکھا ہمکو　　جنبشِ چینِ جبیں بت چیں نے بےچین۔

صنعت رقطا کی تعریف اور مثالیں	۳۰۔ صنعت رقطا۔ یعنی نظم یا نثر میں ایک حرف بے نقطہ اور ایک حرف نقطہ دار

علی الترتیب واقع ہوں۔

رقعہ غلام امام شہید

حضرت میرے۔ ابھی سنا ہے کہ تم فوج کے مقابل چلے سب کے سب آپکی وضع پر بہت ہنسے۔ کپڑے رنگے خوب کیا شاباش کیا بات ہے خلق سب آپکی قایل ہے۔ یعقوب علی خاں نصرت کے کئی بند تلوار کی تعریف میں اس صنعت میں ہیں ایک بند کا ایک شعر لکھا جاتا ہے۔

کیا غرب و شرق و چرخ ہے کیا فرش رن ہے کیا
دشمن کی ہے اجل یہ پری و پری لقا

صنعت خیفا کی تعریف اور مثالیں	۳۱۔ صنعت خیفا۔ یعنی نظم و نثر میں علی الترتیب ایک لفظ کے سب حروف

غیر منقوط ہوں اور دوسری لفظ کے سب حروف منقوط ہوں۔

شہید

شفیق والا بخت معلی تخت سلمہ۔ شیخ محمد بخش سوداگر جتنے مال بیچیں کل چیزیں لو بٹپ لکھدو جب دام پٹے مال تب لو۔

صہبائی

شب کو جشن سرور تخت رہا　　کار فیض مدار بخت رہا

انشا کے اس شعر کا مصرع اول صنعت رقطا میں ہے اور مصرعہ ثانی صنعت خیفا میں۔

شہ بلند نسب اب مجھے سبھی دیوے　　جبیں لائع زینت حصول جشن مرام

صنعت فوق النقاط کی مثالیں

۲۳۔ صنعت فوق النقاط۔ یعنی نثر یا نظم میں اس امر کا التزام کیا جاوے کہ جسقدر حروف نقطہ دار آویں سب کے اوپر نقطے ہوں۔

نجمی

مخدوم من سلامت۔ نوازش نامہ صادر ہوا امانت کو اگر نوکر رکنا منظور تھا تو اول ضمانت داخل کرانا ضرور تھا نہ معلوم کون شخص تھا مسافرانہ وارد ہوا اور دغا کرکر فرار ہوا آدم معقول اور معتمد کا ملنا دشوار اگر کہو تو ملازم خاص متھو خاں کو روانہ کردوں۔

نظام

مظہر صدق و صفا قدر شناس مردم
معدنِ عدل و سخا مظہرِ الطاف و عطا

صنعت تحت النقاط کی مثالیں۔	۳۳۔ صنعت تحت النقاط۔ یعنی کلام میں جتنے نقطہ دار حروف آئیں سب کے نیچے

نقطے ہوں اوپر نہ ہوں۔

میرے پیارے۔ بعد دعا کے معلوم کرو آج کل میرا ارادہ بمبئی کی سیر کا ہے اُس جگہ سے ایک گھڑی بڑی عمدہ لیکر بھیجی جائیگی رسید سے مطلع کیجیو اور جو اسباب درکار ہو لکھو انشاءاللہ جلد اور اچھا ارسال ہوگا عبداللہ کو دعا اور بڑے بھائی صاحب کو سلام۔

نصرت

جسدم چلی حسام عدو کی سپاہ پر
اک آگ سی لگی جو گئی کوہ و کاہ پر
چمکی کبھی کڑی کبھی ہر دو سیاہ پر
لپکی کبھی عدو پہ کبھی مہر و ماہ پر
بجلی کی طرح دور کبھی گاہ پاس ہے
عالم کو اسکے ڈر سے عجب اک ہراس ہے

صنعت واصل الشفتین کی مثال۔	۳۴۔ یعنی کلام ایسا ہو کہ اُسکے پڑھنے میں ہر لفظ میں لب سے لب ملتے جائیں یعنی ہر لفظ

میں م یا ب یا پ آئے۔

نظام

میرا ممدوح امیر ابن امیر ابن امیر | ہیں کمربستہ کہیں خادم مدحت پیما

صنعت واسع الشفتین | ۳۵ صنعت واسع الشفتین یعنی کلام
کی مثال | کے پڑھنے میں لب سے لب نہ ملیں یعنی کسی لفظ
میں ھم یا ب یا پ نہ آئے۔

نظام

اسطرح کا ہے سخن سنج کہ جس کا ثانی | آج تک اہل جہاں نے نہیں دیکھا نہ سنا

صنعت جامع الحروف | ۳۶ صنعت جامع الحروف یعنی ایک
کی تعریف اور مثال | بیت یا فقرہ ایسا ہو کہ جسمیں سب حروف تہجی
آجائیں۔

نظام

مظہر فیض و عطا منعم ذی جود و سخا | صلح کل مشرب و ثابت قدم رد زد و غا

اس شعر میں حروف عربی سب جمع ہیں۔

صنعت معرب کی تعریف اور مثالیں | ۳۷ صنعت معرب یعنی کلام میں ہر حرف
ایک حرکت ہو اگر فتحہ ہو تو ضمہ و کسرہ نہو اور ضمہ
ہو تو فتحہ و کسرہ نہو اور اگر کسرہ ہو تو فتحہ و ضمہ نہ ہو۔

مثال ضمہ کے التزام کی

ہوشیار

صلصل و سنبل و گل و بلبل | مجکو جو ہوں حصول خوب ہو یار

الفظ یار میں فتحہ بسبب رعایت قافیہ قصیدہ کے ہے۔

مثال فتحہ کے التزام کی

سحر

کل کا وعدہ کر گیا ہے کل صنم گر نہ آیا آج تو ہے بس غضب

مثال کسرہ کے التزام کی

صبر

دل لئے تجھے پھینکدینے کے لئے پھینکنے کی چیز تھی یہ پھینک دی

صنعت مسلسل کی تعریف اور مثالیں

۳۸ ۔ صنعت مسلسل یعنی کسی اسم کے حروف ترتیب وار علیحدہ علیحدہ لکھے جاویں اور اُن حروف کے اسما تلفظ میں آتے ہوں اور اُنکے سلسلہ وار جمع کرنے سے اسم مطلوب حاصل ہو۔

النشا

مدرسے میں اہل صرف اس نحو سے کہتے تھے کل
زول وف سے ترکیب مشق سانپ کی
رہے گا چار سو ستر برس النشا زمانے میں
کہ اُسپر سج رہا ہے ع وشس وق کا جوڑا

۱۰۰ ۳۰۰

صنعت موصل کی تعریف اور اُسکے اقسام و مثالیں

۳۹ ۔ صنعت موصل ۔ اسکو متصل الحروف بھی کہتے ہیں یعنی عبارت یا نظم کے سب

حرف ملکر لکھے جائیں اور یہ کئی قسم کی ہے یعنی موصل دوحرفی وموصل سہ حرفی وموصل چہار حرفی وغیرہ یہاں تک کہ ایک مصرع یا پوری بیت بھی موصل ہوتی ہے ۔

مثنوی نالہ شوق

موصل دوحرفی

غم فرقت سے کونت ہے جی پر ہم سے غافل ہے تو بت کافر

موصل سہ حرفی

ظلم کیا کیا جفائیں کیا کیا ہیں عشق میں بھی بلائیں کیا کیا ہیں

موصل چہار حرفی

چھپکے چھپکے کبھی مجھے کہنا ہمپہ کیسا پہا سہی گہنا

یعقوب علی خاں نصرت کے اس بند کا ہر ایک مصرع ملا کر لکھا جا سکتا ہے ۔

مقتل میں سب سے کہتی تھی یہ تیغ بے بہا یہ جنگ کی ہے میں نے فلک نے ہے کی ثنا
کہتے ہیں یہ فلک سے ملک تمنے کچھ سنا تم سب کے حق میں بس غضب حق ہے یہ بلا
کہتی تھی تیغ مجھ سے نہ جسم لعین بچے
کیسے لعین جنگ میں جن بھی نہیں بچے

ملا کر لکھنے میں یہ صورت ہوگی مصرع اول لکھا جاتا ہے ۔

صنعت مقطع کی تعریف اور مثال

۴۰۔ **صنعت مقطع**۔ اسکو منفصل الحروف بھی کہتے ہیں یعنے کلام کے تمام حروف ایسے ہوں جو کتابت میں علٰحدہ علٰحدہ لکھے جائیں۔

مصرعہ

دو دو وائے درد و آزار در دل

صنعت تلمیع کی تعریف

۴۱۔ **صنعت تلمیع**۔ اسکو ذو لسانین اور ذو لغتین بھی کہتے ہیں۔ یعنی کلام میں مختلف زبانوں کو جمع کریں۔ اگر کلام دو زبانوں میں ہو تو اسکو ملمع مکشوف کہتے ہیں اور اگر دو سے زیادہ زبانوں میں ہو تو اسکو ملمع محجوب کہتے ہیں۔

ملمع مکشوف کی مثالیں

مثال ملمع مکشوف

رند

حباب بر سر موج زبنیاد دم چہ می پرسی

فقط بحر جہاں ہیں رند غافل دم کی مہلت ہے

حسرت

پوچھا اعجاز سے تیرے جو مسیحا نے سخن

قَالَ مَنْ یُحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ

کہا میں ایسی ہڈیوں کو زندہ کرتا ہوں جو گل جاتی ہیں

ملمع محجوب کی مثال | **ملمع محجوب** کی مثال انشا اللہ خاں کا وہ قصیدہ ہے جس میں بہت سے اشعار مختلف زبانوں میں ہیں۔ مانوس زبانوں کے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

شاہ ایران یہی لکھتا ہے تجھے عرضی میں
بوکہ من ہم زعنا یات تو خطے ببرم
امید کرتا ہوں کہ میں بھی تیری مہربانیوں سے فائدہ اٹھاؤں

بخداوندی آنکس کہ مرا شاہی داد — بندۂ حلقہ بگوش تو و چاکر ہستم
اس ذات پاک کی خداوندی کی قسم کہ جسنے مجھے بادشاہی دی — کہ میں تیرا غلام مطیع اور خدمت گذار ہوں

مدح میں تیری زبان عربی میں اشعار — شعرا پڑھتے ہیں مسرور رہو آپس میں ہم
مثلہ لیس شجاع و امیر فی الدہر — خصہ اللہ مغیثاً بجمیع العالم
اسکی طرح کوئی بہادر اور امیر دنیا میں نہیں ہے — اللہ نے تمام عالم کی فریاد رسی کے لئے اسکو مخصوص کیا ہے

حق میں دشمن کے ترے یوں ہیں کہیں ہیں رجپوت
کائیں باندھا چھری بیری جو نہو جاے بھسم
کیا چھری باندھی نے تو نے اے دشمن دیکھتا ہو تو جلکر خاک نہ ہو جاے

تیری آنکھوں کو کنہیا سمجھ اُسکے آگے — گوپیں برج کی کرتی ہیں بہ عنی ہردم
تری آنکھوں کو کنہیا (نام کرشن) سمجھ کھا اُسکے آگے — برج کی عورتیں ہر وقت اسطرح خوشامد کرتی ہیں

ڈھونڈری درم کی پنگھٹ ہوں ہتی آئی جو — بھوم کے شام برن کیسے چھپے جھپٹ کے تم
تمام پنگھٹ ڈھونڈکر یہاں آئی ہوں — (لقب کنہیا) تم بچھڑکے کہاں چھپ گئے

اور دولت جو وہ لچھمی ہے سو کہتی ہے یہہ

تورے چرنوں لگی ہوں چھاڑ اوئنے سگرو کٹم

تمہارے قدموں سے لگی ہوں تمام کنبہ اور گھر بار چھوڑ کر

صنعت تنسیق الصفات کی تعریف اور مثالیں

۴۲ صنعت تنسیق الصفات ۔ یعنی کسی چیز یا کسی شخص کا ذکر صفات متواترہ کیساتھ کریں خواہ وہ صفات مدح کی ہوں یا مذمت کی ۔ منیر گھوڑے کی تعریف میں کہتے ہیں ۔

کہکشاں تنگ آسماں رنگ ابر سایہ برق تگ

تیز دم آتش قدم گیسو لجام ابرو رکاب

میر

کہ واں اک جواں تھا پرسرام نام

خوش اندام و خوش قامت و خوش خرام

صنعت مافی الضمیر کی تعریف اور مثال

۴۳ صنعت مافی الضمیر جسکو اظہار مضمر بھی کہتے ہیں ۔ اس میں ایک مصرع ایسا کہتے ہیں جس میں پندرہ حرف ہوتے ہیں اور مکرر کوئی حرف نہیں آتا اُسکے بعد ایک رباعی یا قطعہ چار مصرعہ کا اس طور سے کہتے ہیں کہ جسکے ہر مصرعہ میں آٹھ آٹھ حرف معین اُنہیں پندرہ حرفوں میں سے لانا ضروری ہوتا ہے اور باقی سات حرف نہیں لائے جاتے ۔ فائدہ اس سے یہہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اُس پندرہ

حرف والے مصرعہ کا کوئی حرف اپنے ذہن میں لیلے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسا حرف لیا گیا ہے جو حروف کہ چاروں مصرعوں میں اُس پندرہ حرف والے مصرعہ کے لائے جاتے ہیں اُنکی تفصیل یہہ ہے -

مصرع اول میں - پہلا - تیسرا - پانچواں - ساتواں - نواں - گیارھواں - پندرہواں -

مصرع دوم میں - دوسرا - تیسرا - چھٹا - ساتواں - نواں - دسواں - گیارہواں - چودہواں - پندرھواں -

مصرع سوم میں - چوتھا - پانچواں - چھٹا - ساتواں - بارہواں - تیرھواں - چودہواں - پندرھواں -

مصرع چہارم میں - آٹھواں - نواں - دسواں - گیارھواں - بارھواں - تیرھواں - چودہواں - پندرہواں -

مصرع اول پر ایک کا ہندسہ اور مصرع دوم میں دو کا ہندسہ اور مصرع سیوم میں چار کا ہندسہ اور مصرع چہارم پر آٹھ کا ہندسہ لکھ دیتے ہیں -

مثال

مصرع - گلشن سبز خط عارض ہے

قطعہ

طوق طاقت گداز و شمس ضیا آڑی ہیکل بھی عقد شعلہ زا

نضرتِ سبزہ چمن یہ ہے یا کہ ہے خطِ عارض حمرا

طریقہ حرف مضمر کے معلوم کرنے کا یہ ہے کہ جو شخص کہ حرف اپنے ذہن میں لے اُس سے دریافت کریں کہ قطعہ کے کن کن مصرعوں میں وہ حرف ہے پس جن جن مصرعوں میں وہ کہے اُسکے اوپر جو ہندسے لکھے ہوے ہیں اُنکو جمع کرلیں حاصل جمع میں جو عدد آئے اُسی نمبر کا حرف (اُس پندرہ حرف والے مصرعہ کا) ہوگا۔ مثلاً اگر کہے کہ پہلے اور تیسرے مصرع میں ہے تو ۱+۴=۵ کے لہذا پانچواں حرف مصرع کا یعنی س ہے یا اگر پہلے اور دوسرے میں کہے تو ۱+۲=۳ کے لہذا تیسرا حرف مصرع کا یعنی **ش** ہے یا اگر کہے کہ پہلے اور تیسرے اور چوتھے مصرع میں ہے تو ۱+۴+۸=۱۳ کے لہذا تیرھواں حرف یعنی **ض** ہے وقس علی ہذا۔

صنعت معما کی مثالیں | **۳۳ صنعت معما**۔ اُسکو کہتے ہیں کہ کلام سے باشارہ لفظی یا بدلالت حرفی کوئی اسم یا عبارت حاصل ہو اور جن الفاظ سے کہ اُن اشارات و دلایل کو تعبیر کرتے ہیں یا جو طریقے کہ اُس اسم کے استخراج و حصول کے ہیں اُن سب کو اس رسالہ میں جمع کرنا ممکن نہیں بلکہ اُسکے لئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے لہذا دو ایک معمون کا محض حل لکھدیا جاتا ہے۔

موجد اس صنعت کے علامہ بہاء بخاری ہیں۔

قید بے حد ہے خانہ بے در ہے تب بھی صاحب غلام سے ملئے

حد کے لفظ سے اشارہ آخر کا کرتے ہیں پس قید بے حد سے مراد یہ ہے کہ قید کا آخر یعنی حرف دال نہیں ہے لہذا قے رہگیا اسکے عدد بحساب جمل ایک سو دس ہوتے ہیں اور اتنے ہی عدد لفظ علی کے بھی ہیں۔اور در سے بھی اشارہ آخر کا کرتے ہیں پس خانہ بے در سے مراد یہہ ہے کہ خانہ کا آخر حرف یعنی (ہ) نہیں ہے لہذا خان رہگیا اب غلام کا لفظ جو مصرعہ ثانی میں ہے وہ ان دونوں لفظوں یعنی علی خاں کے اول میں ملا دیا لہذا غلام علی خاں اسم مطلوب حاصل ہوگیا۔

ہے کیونکر کہ ہے سب کار الٹا ہم الٹے بات الٹی یار الٹا

ہم کا مقلوب مہ اور بات کا مقلوب تاب اور یار کا مقلوب رائے پس مہتاب رائے اسم مقصود حاصل ہوگیا۔

سامنے رکھدے سر دیا کاٹ بوتیمار کو ہے اگر اے باغباں تو مہربانِ عندلیب

بوتیمار کو ہندی میں بگلا کہتے ہیں جب اسکے سر دیا کو کاٹ ڈالا یعنے ب اور الف نکال ڈالا تو لفظ گل رہگیا یہی اسم مطلوب ہے۔

کیفیتِ وصال بس اب کچھ نہیں رہی
کیونکر نہ ہوں ملول میں شب کچھ نہیں رہی

مطلب یہ ہے کہ (ملول میں) سے شب نکل گئی۔ شب فارسی ہے اُسکا مرادف عربی میں لیل ہے جب حروف ل ی ل الفاظ (ملول میں) سے نکل گئے تو مومن اسم مطلوب حاصل ہو گیا۔

صنعت لغز کی تعریف اور اُسکی مثالیں۔

صنعت لغز۔ اسکو چیستاں اور پہیلی بھی کہتے ہیں اس میں باعتبار علامات اور صفات اور خواص کے کوئی چیز دریافت ہوتی ہے فرق معما اور چیستاں میں یہ ہے کہ مقصود اصلی معما میں حروف و الفاظ ہیں اور چیستاں میں مقصود اصلی اشیا کی ذاتیں ہیں۔

پہیلی افیون۔ منشی سید اسمٰعیل حسین۔ منیر

مکروہ طبع اہل خرد اسکی کم سنی
پیری میں اسکی قدر جوانی سے بھی سوا

سب بیگناہ پر یہ تعجب کی بات ہی
اُسکا بھی پوست کھینچتے ہیں اُسکے آشنا

پہیلی لفظ آہ۔ انشا

ہے نصف تو اسم ذات کی سی صورت
دنکی صورت نہ رات کی سی صورت

کام آوے وہ درد میں جو لکھے انشا
تو ہو قلم و دوات کی سی صورت

پہیلی چشم و مژگاں تجمل رسول خاں تجمل

دو تالاب اور کتنی پریاں | جب دیکھو تب ننگی کھڑیاں
تال کے اوپر دن بھر سٹکیں | نظروں میں وہ سب کی کھٹکیں
رات کو وہ سب مل جُل کر | سوتی ہیں تالابوں پر

صنعت تاریخ کی تعریف اور اسکے اقسام و مثالیں

۶۴ صنعت تاریخ۔ لغوی معنی تاریخ کے وقت ظاہر کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں تاریخ اسکو کہتے ہیں کہ کوئی لفظ یا فقرہ یا عبارت یا مصرع یا بیت ایسی تجویز کریں کہ اسکے مکتوبی حروف کے عددوں سے بحساب جمل سن اور سال کسی واقعہ کا معلوم ہو جاے۔

اعداد حروف کے بحساب جمل حسب ذیل ہیں

ابجد ہوز حطی کلمن

ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰

سعفص قرشت ثخذ ضظغ

س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

اور حروف پ ٹ چ ڈ ڑ ژ گ ہمعدد ب ت

پ	ٹ	چ	ڈ	ڑ	ژ	گ
۲	۴۰۰	۳	۴	۲۰۰	۷	۲۰

ج د ر ز ک کے ہیں۔

جو حروف لکھنے میں آتے ہیں صرف اُنھیں کے اعداد محسوب ہوتے ہیں۔ مثلاً شدت میں صرف ایک دال لکھی جاتی ہے لہذا بوجہ شدد ہونے کے دو دالوں کے عدد محسوب نہ ہونگے یا لنصیر الدین میں الف ولام پڑھنے میں ظاہر نہیں ہوتا لیکن کتابت میں ہے لہذا اُسکے اعداد محسوب ہونگے جو الف کہ بصورت یا لکھے جاتے ہیں جیسے عیسیٰ و موسیٰ وغیرہ اُسمیں ی کے عدد لئے جاویں گے چہ وکہ و مہ میں ہائے مختفی کے اعداد لئے جائیں گے جو ت کہ دراز لکھی جاتی ہے جیسے کہ عنایت وحشمت اُنکے چارسو عدد لئے جاتے ہیں لیکن جو ۃ کہ مدور لکھی جاتی ہے جیسے صلوٰۃ و ذکوٰۃ اُسکے عدد ہائے ہوز کے یعنی پانچ لئے جاتے ہیں الف ممدودہ کے عدد بعض دو لیتے ہیں کیونکہ کتابت میں اُسپر مد ہے اور بعض ایک اور دونوں جائز ہیں لیکن ایک کا لینا زیادہ مستحسن ہے اور ہمزہ (ء) کا بعض ایک عدد لیتے ہیں اور بعض بصورت یا لکھ کر دس عدد لیتے ہیں اور بعض مہمل چھوڑ دیتے ہیں یعنی کچھ نہیں لیتے اور یہی مستحسن ہے۔ تاریخ کی دو قسمیں ہیں ایک صوری دوسرے معنوی صوری وہ ہے کہ جس سے لفظاً کوئی زمانہ

معلوم ہو۔ مثلاً

ہزار صد و شصت دو میں غرض | اجل کا بہانہ ہوا وہ مرض

معنوی تاریخ وہ ہے کہ جس میں زمانہ بحساب جمل معلوم ہو اور اسکے تین طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ جسکو جمل صغیر یا زبر کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ لفظ میں جتنے حرف ہوں اُسکے اعداد معینہ جو مذکور ہوے جمع کر لئے جاویں جیسے لفظ عشرت کے عدد ۷۰ + ۳۰۰ + ۲۰۰ + ۴۰۰ = ۹۷۰ ہوے اور یہی طریقہ زیادہ رائج و متعارف ہے۔ مثلاً میر گھسیٹا کے وفات کی تاریخ ناسخ نے کہی ہے۔

جب میر گھسیٹا مر گئے ہائے | ہر ایک نے اپنے منہ کو پیٹا

ہاتف نے کہی یہ اُس کی تاریخ | افسوس کہ موت لے گھسیٹا

چوتھا مصرعہ مادہ تاریخ ہے جسکے عدد بحساب مذکور ۱۲۲۹ ہوتے ہیں یہی سال رحلت تھا۔

داغ نے ایک قطعہ گیارہ شعر کا کہا ہے جسکے ہر مصرع سے تاریخ نکلتی ہے۔ دو شعر یہ ہیں۔

بھر کر شراب صاف پلا آج جام میں | ساقی ہے انجمن کی زباں پر ترانہ آج

فانوس جھاڑ آئینے تصویر لیمپ بھی | چمکا ہے بزم جشن سے دیوان خانہ آج

اس قطعہ میں ۲۲ مصرع ہیں ہر ایک مصرع کے حروف سے

بحساب مذکور ۱۲۸۲ عدد برآمد ہوتے ہیں جو سال مطلوب تھا۔

دوسرا طریقہ جسکو جمل وسیط یا بنیات کہتے ہیں یہہ ہے کہ خود حروف کے نام میں جتنے حرف ہوتے ہیں اُن میں سے حرف اول چھوڑ کر باقی حرفوں کے اعداد جمع کرتے ہیں جیسے لفظ عشرت چار حرفوں سے مرکب ہے۔عین۔شین۔را۔تا۔ اب اسکے عدد اس طرح لیں گے کہ عین کا حرف اول ع چھوڑ کر ی اور ن کے عدد یعنے ۱۰ + ۵۰ = ۶۰ لیں گے اور اسی طرح شین کے عدد بھی ۶۰ لیں گے اور را[۱] کے ایک اور تا کے ایک لہذا از روے بینیہ لفظ عشرت کے عدد ۶۰ + ۶۰ + ۱ + ۱ = ۱۲۲ ہوتے ہیں۔جیسے تذکرہ سراپا سخن کے اتمام کی تاریخ محمد حسن خاں صاحب طبیب شاگرد منیر نے کہی ہے۔

میرے مشفق نے لکھا ہے تذکرہ کیا انور کا ۔۔۔ ہو سکے کیونکر کسی سے ای طبیب اسکا جواب
ہے شمار بینیہ میں مصرع سال آشکار ۔۔۔ واہ دیکھا تذکرہ وہ شاعروں کا لاجواب

حساب مذکورۂ بالا سے مادہ کے مصرعہ کے اعداد ۱۲۶۹ ہوتے ہیں جو سال طبع کتاب ہے

---

[۱] را و تا وغیرہ یہ تلفظ فارسی زبان کا ہے اردو میں ان حرفوں کا تلفظ رے وتے وغیرہ ہے لیکن شعرا نے اردو میں بھی جو تاریخیں بینات میں کہی ہیں اونمیں فارسی تلفظ کی بنا پر ان حروف کے عدد لئے ہیں میرے خیال میں اصولاً اگر اردو تلفظ کے حساب سے ان حروف کے عدد لئے جائیں تو کوئی ہرج نہیں معلوم ہوتا۔

تیسرا طریقہ جسکو جمل کبیر با زبر و بیّنات کہتے ہیں گویا مجموعہ ہر دو طریقہ مذکورہ بالا کا ہے یعنی خود حرف میں جتنے حروف ہوتے ہیں سب کے عدد لے لئے جاتے ہیں۔ اس طریقہ سے لفظ عشرت کے عدد اس طرح لئے جاویں گے عین کے ۱۳۰ شین کے ۳۶۰ را کے ۲۰۱ تا کے ۴۰۱ یعنے ۱۳۰ + ۳۶۰ + ۲۰۱ + ۴۰۱ = ۱۰۹۲ عشرت کے عدد زبر و بیّنات میں ہوئے۔ جیسے حافظ جلیل حسن صاحب جلیل کے دیوان مسمی بہ تاج سخن کی تاریخ ترتیب اُنکے شاگرد عتیق نے کہی ہے۔

اللہ اللہ یہ ہے وہ تاج سخن ۔۔۔ جسکا عالم میں نہیں مثل و عدیل

کہہ زبر اور بینہ میں اے عتیق ۔۔۔ سال ترتیب اسکا ہے نظم جلیل

نظم جلیل کے اعداد بحساب زبر و بیّنات ۱۳۲۷ ہوتے ہیں جو سال ترتیب دیوان مذکور کا ہے۔

جب تاریخ پورے مادّے سے نکلتی ہے تو اُس کو تاریخ بلا کم و کاست یا تاریخ کامل کہتے ہیں اور ایسی تاریخ اچھی ہوتی ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مادّہ تاریخ میں کچھ عدد اعداد مطلوبہ سے بڑھ جاتے ہیں تو باشارہ مناسب اُتنے اعداد گھٹا دیتے ہیں اور اُسکو عمل تخرجہ کہتے ہیں

اور اگر کم پڑتے ہیں تو اسی طرح مناسب اشاروں سے بڑھا دیتے ہیں اور اسکو عمل تعمیہ کہتے ہیں۔

مثال تعمیہ مادہ تاریخ کوثر خیرآبادی ترتیب دیوان جلیل مسمی بہ تاج سخن مذکور

ہے لبِ جودت سے سال عیسوی　　قفلِ گنجِ ناظمِ شیریں بیاں

مصرعِ مادہ کے عدد ۱۹۰۷ بحساب زبر ہوتے ہیں اسمیں لب جو د ت یعنی حرف ج کے ۳ عدد ملا دے لہذا ۱۹۱۰ سنہ ع سال ترتیب حاصل ہوگیا۔

مثال تخرجہ مادہ تاریخ ترتیب دیوان مذکور مولوی احمد حسین صاحب برق

جو میں نے سر باغیوں کا کاٹا تو نکلا اے برق عیسوی میں
جلیل سلطاں ملک معانی کو ہو یہ تاج سخن مبارک

مادہ کے مصرع کے عدد ۱۹۱۲ ہوتے ہیں اُس میں سے باغیوں کا سر یعنی ب کے ۲ عدد نکال ڈالے تو سنہ ۱۹۱۰ ع سال ترتیب نکل آیا۔

تخرجہ و تعمیہ اکائیوں کی حد تک جائز ہے۔ دہائیوں

اور سیکڑوں کا تخرجہ و تعمیہ معیوب ہے لیکن اگر کوئی خاص خوبی ہے تو روا ہے۔ مومن خاں نے اپنی دختر کے ولادت کی تاریخ کہی ہے۔

نال کٹنے کے ساتھ ہاتف سے کہی تاریخ دختر مومن

دختر مومن کے عدد ۱۳۴۰ ہوتے ہیں اس میں سے لفظ نال کے عدد یعنی ۸۱ کا تخرجہ کیا گیا تب سال مطلوب ۱۲۵۹ء حاصل ہوا۔ یہہ تخرجہ دہائیوں کا ہے لہذا معیوب ہے لیکن چونکہ نال کٹنے کا لفظ ولادت کے واسطے بہت مناسب ہے لہذا اس تخرجہ کا عیب جاتا رہا۔

تاریخ کی ایک قسم صوری و معنوی بھی ہے یعنی سال مطلوب لفظوں میں بھی ظاہر ہو اور بحساب جمل بھی انہیں الفاظ سے نکلے اور یہ اسوقت اور بھی زیادہ لطیف ہو جاتی ہے جب لفظوں میں کوئی اور سن ظاہر ہو اور بحساب جمل دوسرا سن نکلے جو اسکے مطابق ہو۔ جیسے ایک لڑکے کے ولادت کی تاریخ کہی گئی ہے۔

مصرعہ

اٹھارہ سو چھہتر تاریخ ولادت ہے

اٹھارہ سو چھہتر کے بحساب جمل ۱۲۹۲ عدد ہوتے ہیں جو ۱۸۷۵ء میں سن ہجری تھا۔

تاریخ میں شعرا نے بہت جدتیں کیں ہیں یعنی مادہ میں کبھی محض منقوط حرفوں سے اور کبھی غیر منقوط حرفوں سے اعداد کا حساب کرتے ہیں اور کبھی باشارہ مناسب تخرجہ وتعمیہ دونوں کر دیتے ہیں کہیں لفظوں میں سے باشارہ مناسب حرف ایک یا دو حرفوں کے عدد لیتے ہیں جیسے مومن خاں نے مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کے وفات کی تاریخ کہی ہے۔

دست بیداد اجل سے بے سر و پا ہو گئے

فقر و دیں فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل

مصرع ثانی میں جسقدر الفاظ ہیں سب کو بے سروپا کر کے یعنی اول و آخر نکال کر صرف درمیان کے حروف کے عدد لئے گئے ہیں اور اس طرح سے سنہ مطلوب ۱۲۳۹ نکالا ہے۔

ناسخ نے نیا طریقہ تاریخ میں استعمال کیا ہے۔

از حاے حکیم ہشت بر دار سہ مرتبہ نصف نصف کم کن

یعنی ح کے ۸ عدد لیکر اسکا نصف چار کیا اور پھر چار کا نصف ۲ کیا اور پھر ۲ کا نصف ایک کیا اور انکو ترتیب سے لکھ کر سنہ بارہ سو اڑتالیس نکالا ہے ۱۲۴۸۔

کبھی صنعت توشیح سے تاریخ نکالتے ہیں یعنی سر ہر مصرع یا سر ہر شعر کے حروف کے اعداد جمع کر کے سنہ

مطلوب حاصل کرتے ہیں کبھی ایسا کرتے ہیں کہ ایک قطعہ میں
مادہ تاریخ بھی آخر مصرع میں ہوتا ہے اور بطور توشیح قطعہ
کے سر ہر مصرع کے حروف کے اعداد جمع کرنے سے بھی تاریخ
نکلتی ہے یہہ بھی ممکن ہے کہ مادہ تاریخ میں سنہ عیسوی یا ہجری
نکلے اور صنعت توشیح سے دوسرا سن جو اُسکے مطابق ہو
وہ نکلے یا مصرع اول کے شروع کے حروف جمع کرنے
سے سنہ ہجری نکلے اور آخر کے حروف جمع کرنے سے
سنہ عیسوی پیدا ہوا اور مصرع ثانی کے شروع کے
حروف سے سنہ فصلی اور اُسکے آخر کے حروف
سے سمت ظاہر ہو جیسے منشی عنایت حسین
صاحب بلگرامی نے آغاز کتاب تاریخ سالار مسعود غازی
مسمی بہ غزا نامہ مسعود میں دو قصیدے نواب کلب علی خاں
فرماں رواے رامپور کی مدح میں کہے ہیں اور اُن میں
صنعت توشیح سے تاریخ سنہ ہجری و عیسوی و فصلی
و سمت میں نکالی ہے اور مرزا طہماسپ قلی نے جو قطعہ
تاریخ شادی کتخدائی شاہزادہ داراشکوہ فارسی میں بحر
ہزج سالم میں کہا ہے اُس میں تاریخ نکالنے میں یہہ کمال
دکھایا ہے کہ سر ہر دو مصرع سے ایک ایک حرف جمع کرنے سے

ایک شعر بحر ہزج مسدس مقصور میں حاصل ہوتا ہے اور ان دونوں مصرعوں سے بھی علیحدہ علیحدہ تاریخ شادی نکلتی ہے اور لطف یہ ہے کہ اُس شعر حاصل شدہ کے حروف مہملہ جمع کرو تو وہی سنہ برآمد ہو اور حروف منقوطہ سے بھی وہی سنہ نکلے اُس قطعہ میں مرزاے موصوف نے دعوی بھی کیا ہے ایک شعر اُسکا یہہ ہے۔

کسے گر زیں نمط شعرے تواند گفت بسم اللہ
بشاگردی او خط می دہم در حضرت خاقان

اور وہ شعر جو بہ صنعت توشیخ سرہر مصرع سے حاصل ہوتا ہے یہہ ہے۔

بصد تزئین بلوح محمل شاہ   رقم دیدم قرآن مہر یا ماہ

اس میں دونوں مصرع تاریخی ہیں اور ہر مصرع سے سنہ ۱۲۴۲ھ ہجری نکلتا ہے اور شعر کے حروف مہملہ منقوطہ کے اعداد بھی علیحدہ علیحدہ سنہ ۱۲۴۲ ہجری بتلاتے ہیں غرضکہ تاریخ میں جو جو کمالات شعرا نے دکھلائے ہیں اُن سب کے جمع کرنے کے لئے یہہ رسالہ گنجایش نہیں رکھتا۔

تمام شد

باہتمام سید انعام مصطفی استار الکٹرک پرنٹنگ ورکس الہ آباد میں چھپا